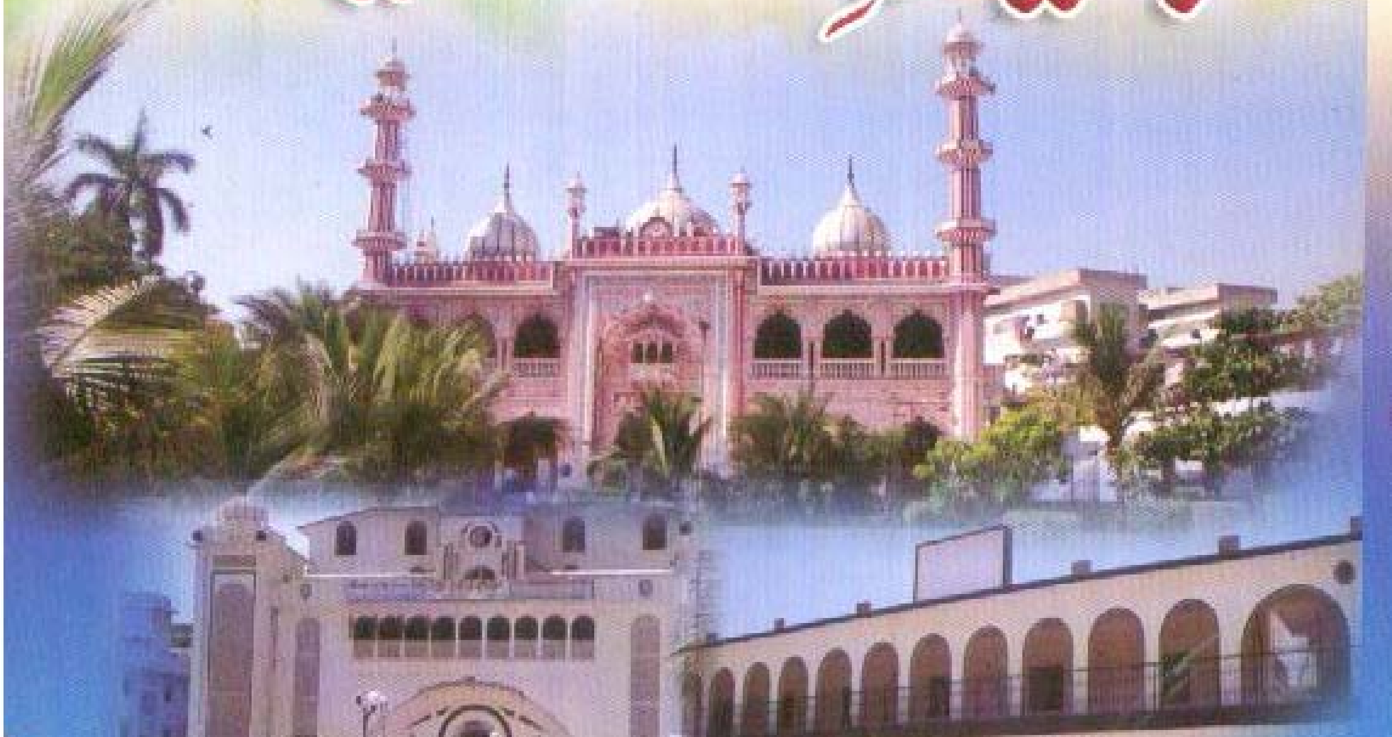
استاذ العلماء مفتی محمد عمر نعیمی، صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی اور

ان کے استاذِ گرامی شیخِ طریقت شیخ الکل مولانا شاہ سید محمد گل کابلی ثم دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

کی حیات و خدمات کا حسین و جمیل گلدستہ

بانیانِ سلسلۂ نعیمیہ



تصنیف لطیف

علامہ مولانا جمیل احمد نعیمی ضیائی مدظلہ العالی

بزم چشتیہ صابریہ

بانیانِ سلسلۂ نعیمیہ

تصنیف لطیف

علامہ مولانا **جمیل احمد نعیمی ضیائی** مدظلہ العالی

(اُستاذ الحدیث و ناظم تعلیمات دار العلوم نعیمیہ، کراچی)

سعادت نشر و اشاعت

بزم چشتیہ صابریہ

دار العلوم نعیمیہ بلاک نمبر ۱۵ فیڈرل بی ایریا کراچی

نام کتاب	بانیانِ سلسلۂ نعیمیہ
تصنیف	حضرت علامہ جمیل احمد نعیمی ضیائی صابری
نظر ثانی و تصحیح	مولانا محمد ناصر خان چشتی نعیمی
مطبع	الناصر پبلی کیشنز و مکتبہ نعیمیہ کراچی 0313-2716622 ، 0300-2080345
اشاعت	رجب المرجب ۱۴۳۸ھ/اپریل ۲۰۱۷ء
ھدیہ	۴۰۰ روپے

ناشر طابع و تقسیم کار

بزم چشتیہ صابریہ دار العلوم نعیمیہ بلاک 15 فیڈرل بی ایریا کراچی

فون نمبرز: 0300-3532440 - 021-36324236

ملنے کے پتے

مکتبہ نعیمیہ: جامع مسجد رحمانیہ بلاک 15 فیڈرل بی ایریا کراچی

فون نمبرز: 0345-2766313 - 0313-2716622 - 0300-2080345

مکتبہ غوثیہ: نزد مین گیٹ عسکری پارک، یونیورسٹی روڈ کراچی

فون نمبرز: 34926110 - 021-34910584

ضیاء القرآن پبلی کیشنز، انفال سینٹر، اردو بازار، کراچی

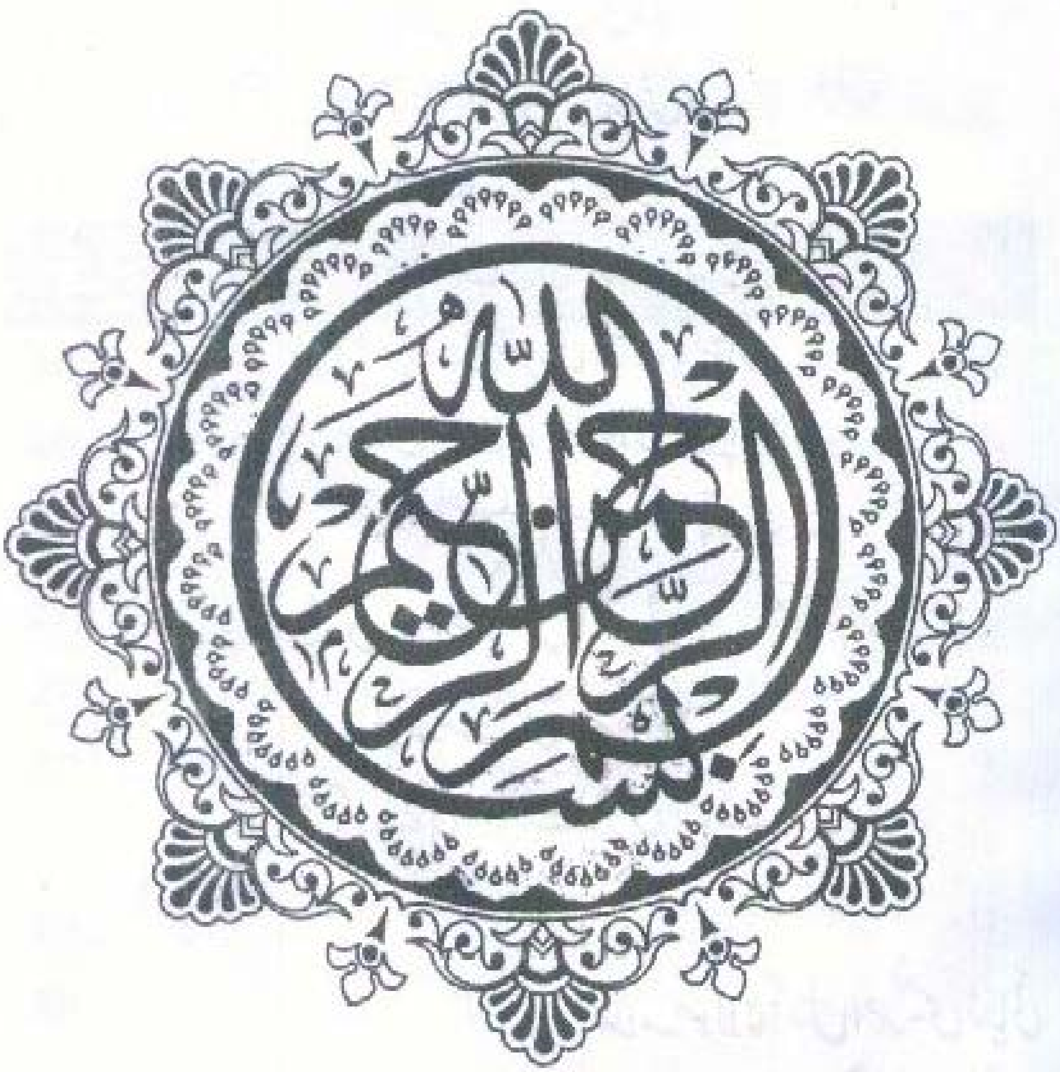
فون نمبرز: 32210212 - 021-32630411

مکتبہ الغنی پبلشرز نزد فیضان مدینہ پرانی سبزی منڈی، کراچی

فون نمبرز: 0334-3463826 - 0315-2717547

مکتبہ قادریہ: مقابل فیضان مدینہ پرانی سبزی منڈی، کراچی

فون نمبرز: 0313-2178404


بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

احقر اپنی اس کوشش وکاوش کو

اپنے استاذ زادہ وجانشین تاج العلماء

اعزازی خطیب جامع مسجد آرام باغ

سابق ممبر اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان

سابق چیئرمین مرکزی رویت ہلال کمیٹی پاکستان

مفتی دارالعلوم نعیمیہ کراچی

حضرت علامہ **مفتی محمد اطہر نعیمی اشرفی** دامت برکاتہم العالیہ

کی خدمت میں بہ صد خلوص

پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔

علامہ مولانا جمیل احمد نعیمی ضیائی

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی و نسلم علی حبیبہ الکریم۔

سخن جمیل

اس روئے زمین پر جب سے انسان آئے ہیں اور علم و شعور نیز آگہی کی دنیا میں قدم رکھا ہے، اس وقت سے اب تک بلا امتیاز مذہب وملت کے اپنے اکابر اور اسلاف کے حالاتِ زندگی اور خدمات کو تحریر کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل کرم سے مسلمانوں نے بھی اس قدیم وعظیم سلسلے کو جاری وساری رکھا ہوا ہے، کہیں معجزات کی شکل میں اور کہیں حکایاتِ اہل بیت اطہار اور حکایات صحابہ خیار کی شکل میں۔ نیز علماء ربانی اور صوفیائے حقانی کے ملفوظات ومکتوبات کی شکل میں احقر (جمیل احمد نعیمی ضیائی چشتی صابری) کو طالب علمی کے زمانے سے یہ شوق وذوق رہا ہے کہ وہ قرآن وحدیث کے ساتھ ساتھ دینی اسفار اور علمائے کرام ومشائخ عظام کے حالات زندگی کو پڑھتا رہا بلکہ تحریر کرنے کی بھی کوشش کرتا رہا۔

اسی بنیاد پر احقر کی 1953 سے لے کر 2015ء تک جن نفوس قدسیہ سے ملاقاتیں ہوئیں اور ان کی زیارت وفیوضات سے بھی استفادہ کیا "روشن دریچے" کے عنوان سے تمبر 2015ء میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کی۔

اس وقت زیر تحریر جو کتاب ترتیب دی جارہی ہے وہ سلسلہ عالیہ نعیمیہ کے بزرگوں میں سے تین بزرگوں کے حالات زندگی پیش کیے جارہے ہیں۔ سند المحدثین رئیس المفسرین نازش زہد وتقویٰ شیخ الکل علامہ سیّد محمد گل قادری علیہ الرحمہ، صدر الافاضل فخر الاماثل رئیس المناظرین امام المتکلمین حکیم سیّد محمد نعیم الدین اشرفی محدث مراد آبادی علیہ الرحمہ اور ان کے تلمیذ رشید فاضل جلیل عالم نبیل تاج العلماء راس الاتقیاء مفتی محمد عمر نعیمی اشرفی علیہ الرحمہ کی حیات وخدمات کے چند گوشے زینت قرطاس کیے ہیں۔

احقر شیخ التفسیر والحدیث فقیہ اعظم حضرت علامہ مفتی محمد نور اللہ نعیمی اشرفی علیہ الرحمۃ کے فرزند ارجمند صاحبزادہ مفتی محمد محب اللہ نوری زید مجدہ کا بالخصوص شکریہ ادا کرتا ہے کیونکہ اس کتاب میں موصوف کا بہت بڑا تعاون شامل رہا۔ ان کے علاوہ ان تمام حضرات کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جن کا قلمی تعاون شاملِ حال رہا۔ اللہ رب العزت اپنے حبیب پاک صاحبِ لولاک ﷺ کے صدقے وطفیل سب کو صحت وعافیت اور سلامتئ ایمان کے ساتھ قائم ودائم رکھے۔ آمین

اس کتاب کی ترتیب وتدوین، برقی کتابت، پروف ریڈنگ اور پھر طباعت کے تمام مراحل میں فاضل نوجوان، عالم ذیشان عزیزم مولانا محمد ناصر خان چشتی نعیمی (فاضل دار العلوم نعیمیہ کراچی) کا تعاون مجھے حاصل رہا۔ موصوف نے شب وروز کی محنت اور کوشش سے اس عظیم تحفے کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو دنیا وآخرت کی خوشیاں اور کامیابیاں عطا فرمائے۔ آمین

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب پاک صاحب لولاک ﷺ کے صدقے ہمارے ان اکابر کے فیوض وبرکات کو قیامت تک جاری وساری رکھتے ہوئے ان کے مزارات مقدسہ کو اپنی برکات وتجلیات سے مالا مال فرمائے۔

آمین ثم آمین بجاہ حبیبہ الامین ﷺ

علامہ جمیل احمد نعیمی ضیائی چشتی صابری

استاذ الحدیث وناظم تعلیمات

دار العلوم نعیمیہ بلاک ۱۵ فیڈرل بی ایریا کراچی

یکم رجب المرجب ۱۴۳۸ھ/ ۳۰ مارچ ۲۰۱۷ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی و نسلم علی حبیبہ الکریم۔

حرفِ عقیدت

تقریر کے مقابلے میں تحریر ہمیشہ زندہ اور سدا بہار رہتی ہے۔ ایک عربی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ:

یلوح الخط فی القرطاس دھراً..... وکاتبہ رمیم فی التراب

یعنی ''کاغذ پر لکھا جانے والا خط زمانے میں ہمیشہ قائم رہتا ہے جبکہ اس کا لکھنے والا مٹی میں چلا جاتا ہے''۔

اپنے بزرگوں اور اسلاف کے حالات زندگی، سیرت و کردار اور ان کے زریں کارناموں کو منظر عام پر لانے کی کوشش وسعی کسی بھی قوم کی زندگی اور زندہ دلی کی علامت سمجھی جاتی ہے، کیوں کہ اسلاف کی زندگی سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اور اسی روشنی میں اپنی زندگی کا سفر کامیابی ساتھ طے کیا جاتا ہے، اسی سلسلے کو قائم و دائم رکھنے کے لیے زیر نظر کتاب ''بانیانِ سلسلۂ نعیمیہ'' پیش کی جارہی ہے۔

استاذِ گرامی، سفیر عشق رسول ﷺ جمیل العلماء حضرت علامہ مولانا جمیل احمد نعیمی ضیائی چشتی مدظلہم العالی نے اپنے استاذ محترم تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمۃ، اپنے دادا استاذ صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی قدس سرہ العزیز اور شیخ الکل مولانا شاہ سید محمد گل قادری علیہ الرحمۃ کی حیات و خدمات اور سیرت و کردار پر مشتمل یہ کتاب بہ نام ''بانیانِ سلسلۂ نعیمیہ'' ترتیب دی ہے اور اس کتاب کے ذریعے سلسلۂ نعیمیہ کے اکابر کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ یہ کتاب جہاں سلسلۂ نعیمیہ سے وابستہ احباب کے لیے ایک خوبصورت علمی تحفہ ہے وہاں مستقبل کے قلمکاروں اور محققین کے لیے بھی گراں قدر علمی سوغات ہے۔

اس کتاب میں مفتیِ اہلسنت تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی اشرفی علیہ الرحمۃ کی حیات

وخدمات کے حوالے سے دومضامین شامل ہیں جن میں ایک مضمون بہ عنوان ''مختصر تذکرہ تاج العلماء'' استاذی المکرم حضرت علامہ جمیل احمد نعیمی مدظلہ العالی کا ہے (جو پہلے ۱۹۷۶ء میں مشہور آفسٹ پریس کراچی سے شائع ہوا تھا) جب کہ دوسرا مضمون بہ عنوان ''تاج العلماء، ایک منارۂ نور'' برادرم عزیز مولانا غلام مصطفی نعیمی صاحب (مدیر، سہ ماہی ''سوادِ اعظم'' دہلی) کا ہے، ان دونوں مضامین میں حضرت تاج العلماء علیہ الرحمۃ کی سوانح حیات، علمی ودینی خدمات اور کارناموں پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔

ان دومضامین کے بعد تاج العلماء حضرت علامہ مفتی محمد عمر نعیمی قدس سرہ العزیز کے دوعلمی اور تاریخی مضامین (۱) ''تفرقہ اقوام'' اور (۲) ''عید الفطر: مسائل واحکام'' شامل ہیں۔ اوّل الذکر مضمون ایک رسالہ کی صورت میں برٹش گورنمنٹ کے دورِ استبداد کے وقت ۱۹۲۶ء میں لکھا گیا تھا اور ۱۹۷۰ء میں ادارہ نعیمیہ رضویہ سوادِ اعظم لاہور نے شائع کیا تھا، نفسِ مضمون کی اہمیت آج بھی باقی ہے، لہٰذا ایک مرتبہ پھر پیش کیا جارہا ہے۔ جبکہ دوسرا مضمون ''عید الفطر: مسائل واحکام'' پر ہے جو تاج العلماء نے مشہور آفسٹ پریس کراچی سے شائع فرمایا تھا۔

اسی طرح صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی اشرفی علیہ الرحمۃ کی حیات وخدمات کے حوالے سے بھی پانچ گراں قدر علمی وتاریخی مضامین شامل ہیں۔ پہلا مضمون ''صدر الافاضل بہ حیثیتِ مفسر'' جناب کنور سلطان احمد کا تحریر کردہ ہے جس میں صدر الافاضل کی تفسیری خدمات کا احاطہ کیا گیا ہے۔

دوسرا مضمون ''صدر الافاضل کی سیاسی بصیرت'' کے زیرِ عنوان ہے، جس میں برادرِ محترم محمد احمد ترازی صاحب نے قومی وملی تحاریک میں صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمۃ کی سیاسی بصیرت اور کردار وعمل کا ایک بہترین مطالعاتی جائزہ پیش کیا ہے۔ یہ مضمون ایک رسالہ کی صورت میں مکتبہ نعیمیہ کراچی نے جون ۲۰۱۴ء میں شائع کیا تھا۔

تیسرا مضمون ''شدھی تحریک کے سدِ باب میں صدر الافاضل کا قائدانہ کردار'' کے عنوان کے ساتھ ممتاز عالمِ دین حضرت علامہ محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی (بھارت) کا

شامل ہے جس میں علامہ موصوف نے شدھی تحریک میں صدرالافاضل کے مجاہدانہ کردار اور تبلیغی خدمات اور سرگرمیوں کو قلم بند کیا ہے۔ یہ مضمون ماہنامہ ''افق'' کی نومبر ۲۰۱۲ء کی اشاعت میں شائع ہو چکا ہے۔

چوتھا مضمون جناب پروفیسر اشتیاق طالب صاحب (کراچی) کا ہے جس میں انھوں نے ''تحریک پاکستان کے ممتاز راہنما صدرالافاضل حضرت مولانا سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی نوراللہ مرقدہٗ'' کے عنوان کے ساتھ آپ کی عظیم سیاسی خدمات پر روشنی ڈالی ہے۔

جبکہ پانچواں مضمون ''مفتی اعظم ہند اور صدرالافاضل کا باہمی والہانہ تعلق'' کے عنوان پر ہے جس میں مولانا غلام مصطفیٰ نعیمی صاحب (مدیر اعلیٰ سہ ماہی ''سوادِ اعظم'' دہلی) نے دونوں بزرگوں کے باہمی تعلق اور قلبی لگاؤ کو خوب صورت انداز میں رقم کیا ہے۔

کتاب کے آخر میں اہلسنّت کے ممتاز قلمکار جناب خلیل احمد رانا صاحب کا مضمون ہے جو صدرالافاضل علیہ الرحمۃ کے استاذ گرامی بحرالعلوم استاذالکل حضرت مولانا شاہ سیّد محمد گل قادری کابلی ولایتی علیہ الرحمۃ کی حیات و خدمات پر مشتمل ہے۔ یہ مضمون ماہنامہ نورالحبیب اوکاڑا (محرم الحرام 1425ھ کی اشاعت) میں شائع ہو چکا ہے۔

O

مختصر تذکرۂ جمیل العلماء

علامہ جمیل احمد نعیمی صاحب نے اپنے اساتذہ اور بزرگوں کو خراجِ عقیدت پیش کرنے اور نئی نسل تک ان کی عظیم علمی و دینی خدمات پہنچانے کی جو کاوش و سعی کی ہے، وہ بلاشبہ قابلِ تحسین اور قابلِ تقلید کاوش ہے۔ اسی خوبصورت جذبہ کی پیروی کرتے ہوئے راقم اپنے استاذِ گرامی حضرت علامہ مولانا جمیل احمد نعیمی ضیائی چشتی دامت فیوضاتہم القدسیہ کا مختصر تعارف آپ کی کتاب ''روشن دریچے'' اور ''حیاتِ جمیل مع افکارِ جمیل'' سے پیش کر رہا ہے۔

O

استاذی و اُستاذ العلماء، سفیرِ عشقِ رسول ﷺ، حضرت علامہ مولانا جمیل احمد نعیمی ضیائی چشتی صابری مدظلہم العالی کی ولادت ۱۲ رفروری ۱۹۳۶ء/ ۱۳۵۵ھ کو انبالہ (مشرقی

پنجاب، ہندوستان) میں ہوئی۔ آپ کے والد محترم کا اسم گرامی قادر بخش ہے۔ آپ اپنے دادا استاذ صدر الافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ سے نسبتِ تلمذ کی وجہ سے ''نعیمی''، قطب مدینہ، سابق امام وخطیب وشیخ الحدیث مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علامہ مولانا ضیاء الدین احمد مدنی رضوی علیہ الرحمۃ سے نسبتِ ارادت رکھنے کی وجہ سے ''ضیائی'' اور سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ میں بیعت ارادت رکھنے کی نسبت سے ''چشتی صابری'' کہلاتے ہیں۔

علامہ جمیل احمد نعیمی صاحب کے بزرگوں کا آبائی علاقہ سہارن پور ہے اور سہارن پور سے آپ کے بزرگوں نے مشرقی پنجاب کے شہر انبالہ کا رخ کیا اور بعد ازاں تقسیم ہند کے بعد استاذ صاحب ہجرت کر کے اپنے والدین اور بہن بھائیوں کے ہمراہ لاہور آ گئے اور یہاں شاہ عالم گیٹ کے علاقے میں تین سال تک قیام پذیر ہوئے۔ بعد ازاں ۱۹۵۰ء میں آپ اپنے خاندان کے ساتھ لاہور سے کراچی منتقل ہو گئے اور تا حال یہیں مقیم ہیں۔

آپ نے چار سال کی عمر میں تعلیم کا سلسلہ شروع کیا اور ناظرہ قرآن پانی پت کے مشہور قاری حضرت مولانا قاری محمد اسماعیل سے پڑھا۔ آپ نے دنیاوی تعلیم مڈل تک حاصل کی اور پھر نامساعد حالات کی وجہ سے دنیاوی تعلیم کا مزید سلسلہ جاری نہ رکھ سکے۔

علامہ جمیل نعیمی صاحب نے ابتدائی دینی تعلیم حضرت علامہ مولانا محمد وارث چشتی، حضرت مولانا مسعود احمد چشتی، مولانا قاضی محمد زین العابدین نقشبندی اور حضرت مولانا محمد ارشاد علیہم الرحمۃ ایسے مایہ ناز اساتذۂ کرام سے حاصل کی۔ ۱۹۵۲ء کے اوائل میں آپ نے دار العلوم مخزن عربیہ بحر العلوم میں اپنے استاذ اور سسر مولانا مسعود احمد چشتی صابری علیہ الرحمہ سے صرف، نحو، منطق، فلسفہ اور دیگر ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ پھر ۱۹۵۲ء سے لے کر ۱۹۶۰ء تک آپ نے تاج العلماء مولانا مفتی عمر نعیمی اشرفی علیہ الرحمۃ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے دورۂ حدیث کر کے تعلیمی مدارج مکمل کیے۔

جون ۱۹۶۰ء میں آپ کو جامع مسجد آرام باغ کراچی میں سندِ فراغت اور دستارِ فضیلت عطا کی گئی۔ آپ کی دستارِ فضیلت کی مجلس میں عالم اسلام کی ممتاز شخصیات غزالیٔ زماں رازیٔ دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی، حضرت مولانا ضیاء القادری

بدایونی، حضرت مولانا سید عبد السلام باندوی، پیر فاروق رحمانی علیہم الرحمۃ ایسے نابغہ روزگار ہستیوں کے علاوہ حضرت کے استاذ محترم تاج العلماء مولانا محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اور اُس وقت کے سفیر عراق پیر عبد القادر نے بھی خصوصی شرکت کی۔

علومِ اسلامیہ عربیہ سے فراغت کے بعد علامہ نعیمی صاحب اسی ادارے میں مدرس مقرر ہوئے اور موقوف علیہ تک کی کتابیں پڑھاتے رہے۔ اس کے علاوہ آپ نے دار العلوم مظہریہ آرام باغ کراچی اور کچھ عرصہ کراچی کے مسلم ہائی اسکول میں بھی تدریسی خدمات سرانجام دیں۔

اعلامہ جمیل احمد نعیمی ضیائی کے علم وفضل کی شہرت شرق وغرب تک پھیلی ہوئی ہے، ہزاروں تشنگان علم وفیض آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر علم کی پیاس بجھاتے رہے ہیں۔ ۱۹۶۰ء سے لے کر ۱۹۶۶ء تک جو طلبہ دورۂ حدیث شریف حضرت تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی سے پڑھتے تھے، وہ موقوف علیہ میں علامہ جمیل احمد نعیمی۔ سے پڑھتے تھے۔

علامہ نعیمی صاحب امام اہلسنّت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے نامور خلیفہ قطب مدینہ حضرت ضیاء الدین مدنی کے دستِ حق پر بیعت ہوئے۔ آپ کو آپ کے استاد اور سسر محترم مولانا مسعود احمد چشتی نے بھی حزب البحر کی اجازت کے ساتھ ساتھ سلسلہ بیعت وخلافت کی بھی اجازت عطا فرمائی۔

آپ کی شخصیت فکر وانقلاب کا حسین امتزاج ہے۔ آپ کا شمار دار العلوم نعیمیہ کے بانی ارکان میں ہوتا ہے۔ اس وقت آپ دار العلوم نعیمیہ کراچی کے ٹرسٹی ہونے کے ساتھ ساتھ استاذ الحدیث اور ناظم تعلیمات کے عہدے پر فائز ہیں۔ دار العلوم نعیمیہ میں بھی آپ نے عرصہ دراز تک مسند تدریس کو رونق بخشی اور راقم الحروف کو بھی آپ سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ راقم نے آپ سے سنن ابی داؤد اور مشکوٰۃ المصابیح پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔

اسی طرح آپ کو طلبہ کے قلوب میں عشق مصطفی ﷺ کے شمع فروزاں کرنے اور غلبہ اسلام کے لیے سرگرم عمل کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر سنی طلبہ کی واحد نمائندہ طلبہ تنظیم ''انجمن طلبہ اسلام'' کے بانی ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

۱۹۶۸ء میں کالجز اور یونیورسٹیز میں دیوبندیت اور مودودیت کی پرچار کی روک تھام کے لیے آپ نے طلبائے اہلسنّت کی ایک عالمگیر تنظیم بہ نام ''انجمن طلبائے اسلام'' تشکیل دی، جس نے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں طلبہ کو گم راہی اور بدعقیدگی سے بچانے کے لیے مثالی کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ یہ وہ دور تھا جب کراچی کی یونیورسٹیوں کے درودیوار سے ''سیدی مرشدی...... مودودی مودودی'' کی آوازیں آتی تھی اس لغو نعرے کا توڑ اگر کسی مردِ درویش نے کیا، تو وہ علامہ جمیل احمد نعیمی کی ذات ستودہ صفات تھی کہ آپ نے قوم کو ''سیدی مرشدی...... یا نبی یا نبی'' کا ایمان افروز نعرہ دیا۔

آپ نے حج وعمرہ، زیارات اور تبلیغ دین کے لیے کئی ممالک کا دورہ کیا جن میں حرمین شریفین، عراق، ایران، سری لنکا، بھارت اور متحدہ عرب امارت اور برطانیہ شامل ہیں۔

علامہ نعیمی صاحب کو ۱۹۶۳ء میں پہلی مرتبہ اور ۱۹۸۰ء میں دوسری مرتبہ حج بیت اللہ شریف کی سعادت حاصل ہوئی۔ جب کہ گیارہ مرتبہ عمرہ اور زیارت حرمین شریفین کی حاضری کی سعادت نصیب ہوچکی ہے۔

علامہ نعیمی صاحب اپنے استاذِ محترم محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر ۱۹۵۶ء سے تاحال (۲۰۱۷ء تک) مسجد صرافہ بازار کراچی میں نمازِ جمعہ اور عیدین میں خطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں اور ''الاستقامۃ فوق الکرامۃ'' (استقامت کا درجہ، کرامت سے بڑھ کر ہے) کے مصداق پچھلے ۶۱ سال سے ایک ہی مسجد میں خطابت کے فرائض انجام دے کر استقامت اور کرامت کی اعلیٰ مثال قائم کی ہے۔

علامہ نعیمی صاحب محبتِ رسول ﷺ کے جذبے سے ہمیشہ سرشار رہتے ہیں۔ دورانِ گفتگو جب بھی سرکارِ دوعالم ﷺ کا نام نامی آتا ہے، حضرت کی آنکھیں تمناک اور آواز گلوگیر ہوجاتی ہے اور علمائے اہلسنّت جو اس وقت دنیا میں موجود نہیں ہیں، ان سے قلبی عقیدت کا اظہار بھی آپ کی گفتگو سے ہوتا ہے۔

اہلسنّت کی تاریخ لحہ بہ لحہ آپ کے سینے میں منقش ہے۔ اکابرین اہلسنّت کی زندگی سے متعلق جتنی معلومات علامہ نعیمی کے پاس ہیں، اتنی معلومات تو ان علماء اور مشائخ کے

وارثین، خلفاء، مریدین اور معتقدین کے پاس بھی نہیں ہوں گی بلکہ تابش اہلسنت علامہ محمد منشا تابش قصوری صاحب مدظلہ العالی کے بقول: ''جمیل ملت جمیل العلماء والمشائخ کا سینہ بے کینہ تواریخ کا حسین دفینہ ہے۔ ان کے قلب جمیل میں بیسیوں علماء ومشائخ اور تاریخی ہستیوں کے واقعات محفوظ ہیں۔ آپ ہمارے لیے ''سنی انسائیکلوپیڈیا'' کی حیثیت رکھتے ہیں''۔

(حیات جمیل مع افکار جمیل: جلد 2 صفحہ 12)

آپ نے ۱۹۵۳ء سے ۱۹۷۴ء تک چلنے والی تحریک تحفظ ختم نبوت اور ۱۹۷۷ء میں تحریک نظام مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم میں مجاہدانہ کردار ادا کیا۔ علامہ محمد منشا تابش قصوری صاحب مزید لکھتے ہیں:

''ماہنامہ ترجمانِ اہلسنت کے وہ شمارے یادگار ہیں جو آپ کی ادارت میں نکلتے رہے۔ ''انجمن طلبہ اسلام'' کا قیام تو سونے پر سہاگہ ہے، جس کے باعث پورے پاکستان مع آزاد کشمیر کے اسکولز، کالجز اور یونیورسٹیز نعرۂ رسالت سے گونجنے لگے اور یہ سلسلہ عشق جاری وساری ہے۔ سنی کانفرنس ٹوبہ ٹیک سنگھ (دارالسلام) ہو یا میلاد مصطفیٰ کانفرنس مصطفیٰ آباد (رائیونڈ) یا سنی کانفرنس ملتان ہو، ان تمام مقامات پر آپ کا کردار تاریخی رہا ہے۔۔۔ تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان کے قیام میں آپ کا ہاتھ نمایاں ہے۔ تحریک ختم نبوت، تحریک نظام مصطفیٰ اور دیگر تحریکوں میں آپ کی ولولہ انگیز قیامت کا نور آج تک دکھائی دیتا ہے۔ کراچی جیسے آبادی کے لحاظ سے پاکستان سے سب سے بڑے شہر میں علماء ومشائخ کی بھیڑ میں جن شخصیات کا نام شمس وقمر کی طرح روشن ہے، ان میں حضرت مولانا مفتی جمیل احمد نعیمی مدظلہ العالی روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں''۔ (حیات جمیل مع افکار جمیل: جلد 2 صفحہ 20)

استاذ محترم علامہ نعیمی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار وہبی اور کسبی خصوصیات سے نوازا ہے۔ آپ کے اخلاق کریمہ کی بات کی جائے یا اعلیٰ صفات کی ہر لحاظ سے آپ نمونہ اسلاف ہیں۔ آپ کی خوبیوں میں سے ایک بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ سے ملنے والا کبھی خالی ہاتھ نہیں جاتا کچھ نہ کچھ ضرور حاصل کر کے جاتا ہے۔ چاہے وہ کتب ورسائل کی صورت میں انمول تحفہ ہو یا عطر کی صورت میں خوش بودار مہکتا ہوا ہدیہ ہو، دینی تعلیمات کی راہنمائی ہو یا دعاؤں کی صورت میں بے بہا خزانہ ہو، آپ سے مل کر جانے والا ہر ایک اپنے ساتھ ضرور لے

جاتا ہے۔ علامہ نعیمی صاحب شدید علالت کے باوجود آج بھی جوانوں کی طرح توانا ہیں، شوگر، بلڈ پریشر اور دیگر بیماریوں سے نبرد آزما ہونے کے ساتھ ساتھ ملک وملت اور دین اسلام کے لیے آپ کی خدمات کا سلسلہ آج بھی جاری وساری ہے۔

تصنیفات وتالیفاتِ جمیل

علامہ جمیل احمد نعیمی مدظلہ العالی نے جہاں تدریسی اور تقریری میدان میں دین اسلام کی تبلیغ کی وہاں آپ نے قلم وقرطاس کے ذریعے بھی دینی خدمات انجام دی ہیں۔ ۱۹۳۶ء سے شروع ہونے والا آپ کا تصنیف وتالیف کا سفر تا حال جاری ہے۔ اب تک آپ حسب ذیل کتب اور رسائل تصنیف کر چکے ہیں جو کہ کئی مرتبہ شائع ہو چکے ہیں۔

- روشن دریچے
- عظیم دین عظیم راتیں
- مختصر تذکرۂ تاج العلماء
- سیرت پیغمبر انقلاب
- فلسفہ ومسائل نماز
- فلسفہ قربانی ومسائل عید الاضحیٰ
- پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
- فلسفہ وفضائل جہاد
- اسلام کا تصور قومیت
- سبیل امام حسین کا شرعی حکم
- فاتحہ کی شرعی حیثیت
- افضل التوسل بہ سید الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
- اساتذۂ کرام کی ذمہ داریاں
- فضائل شعبان المعظم
- تبلیغی جماعت کی حقیقت
- علماء اہلسنت کیلئے لمحہ فکریہ
- شجرۂ مبارکہ حضرات چشتیہ صابریہ
- برکات صلوٰۃ وسلام مع ندائے خیر الانام
- حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ حیثیت مثالی شوہر
- رمضان المبارک کے مسائل وفضائل
- کونڈوں ونذر ونیاز کی شرعی حیثیت
- گیارہویں شریف کے فیوض وبرکات
- فتنہ قادیانیت کی سرکوبی میں علماء اہلسنت کا کردار
- حضرت امام جعفر صادق کی ولادت وشہادت کی تاریخ
- امریکا وبرطانیہ مسلمانوں کے ازلی دشمن ہیں

علمی سرپرستی اور مالی تعاون

آپ نے تحریری میدان میں نہ صرف خود بے مثال خدمات انجام دیں بلکہ دوسرے قلم کاروں کی سرپرستی بھی کی۔ آپ کی سرپرستی اور تعاون سے نوآموز قلمکاروں کی کئی کتب اور رسائل منظر عام پر آچکے ہیں۔ راقم الحروف کی بھی چند کتابیں آپ کی علمی اور مالی سرپرستی کی

بدولت منظر عام پر آچکی ہیں جن میں سیرت پیغمبر انقلاب، علامہ سعیدی کی حیات وخدمات، خزینہ رحمت (کتاب الدعاوالاذکار) اور شب براءت: فضائل واعمال شامل ہیں۔

استاذِ محترم علامہ نعیمی صاحب کی ایک اور بہت بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ تحریری اور تحقیقی کام کرنے والے مصنفین اور مؤلفین کی بہت حوصلہ افزائی فرماتے ہیں خصوصاً نئے قلمکاروں کی اور جہاں تک ممکن ہوتا ہے آپ ان کی دامے، درمے، سخنے ہر ممکن سرپرستی بھی فرماتے ہیں۔ راقم کا یہ خیال ہے کہ اہلسنت وجماعت میں علامہ نعیمی صاحب وہ واحد عالم دین ہوں گے جنھوں نے سب سے زیادہ کتابوں اور رسالوں پر تاثرات، تقاریظ اور پیش لفظ لکھے ہوں گے۔ اس حوالے سے بھی آپ کی ذات امتیازی شان اور خصوصیت کی حامل ہے۔

اہلسنّت کے قائدین، علماء کرام اور مشائخ عظام کے نام ایک ادنیٰ پیغام

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اہلسنت کو پیغام دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

اہلِ سنت بہرِ قوالی و عرس
دیوبندی بہرِ تصنیفات و درس

خرچ سُنی بر قبور و خانقاہ
خرچ نجدی بر علوم و درس گاہ

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ اس بات پر افسوس اور حسرت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اہلسنت کے علماء، مشائخ اور عوام قوالیاں اور اعراس منعقد کرنے پر اپنا مال ومتاع خرچ کرتے ہیں جبکہ دیوبندی اپنا مال کتابیں لکھنے اور درس وتدریس کا انعقاد کرنے میں خرچ کرتے ہیں۔۔۔ اسی طرح سنیوں کا مال مزارات اور خانقاہوں کے بنانے اور ان کی تزئین وآرائش پر خرچ ہوتا ہے جبکہ نجدیوں اور وہابیوں کا خرچ علوم وفنون کے فروغ دینے اور درس گاہیں (یعنی مساجد، مکاتب اور مدارس) قائم کرنے پر خرچ ہوتا ہے۔

ان سطور کے ذریعے اہلسنت کے تمام علماء، مشائخ اور دینی وسماجی جماعتوں کے قائدین کی خدمت میں یہ التجا ہے کہ موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق قلم وقرطاس اور جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعے اپنے دین اور مسلک کے پیغام کو گھر گھر پہنچائیں اور اس کے لیے

ضروری ہے کہ نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ اپنے گھر والوں کو بھی دینی علوم اور اسلامی تربیت سے آراستہ کریں اور بجائے اس کے کہ جو جسمانی اور علمی صلاحیتیں، توانائیاں اور پیسا ہم محافل میلاد، محافل نعت وسماع، گیارہویں شریف اور محافل اعراس کے لنگر اور روشنیوں میں خرچ کرتے ہیں، اس رقم کا کچھ حصہ ہم تحریری اور تبلیغی کاموں میں صرف کریں۔ محافل میلاد، نعت وسماع اور گیارہویں شریف میں لنگر کے ساتھ ساتھ کتابیں اور رسائل بھی شائع کر کے تقسیم کریں تاکہ قوم کو دینی معلومات بھی حاصل ہوں اور ان کی دینی واخلاقی تربیت کا اہتمام بھی ہو سکے۔ اپنی قوم کو مفت کھانا نہیں مفت کتاب دیجیے، یہ ایک بہترین صدقہ جاریہ ہے۔ آیئے! اپنی قوم کی تعمیر نو میں اپنا کردار ادا کیجیے اور قوم میں کتاب، علم اور مطالعہ کو فروغ دیجیے۔

مشائخ کرام اور سجادہ نشینوں سے بھی التجا ہے کہ خدارا! اپنی خانقاہوں کو دین کی تبلیغ واشاعت کے لیے استعمال کریں اور مزاراتِ اولیاء پر ہونے والی خرافات اور غیر شرعی حرکات کا فوری سد باب کریں۔ اعراس کے موقع پر خانقاہوں پر دینی وعلمی محافل کا انعقاد کریں اور آنے والے زائرین اور عقیدت مندوں کی شرعی راہنمائی اور اخلاقی تربیت کا اہتمام کریں۔ ہم اپنے مستند علماء کرام کی تحریروں کو گھر گھر پہنچائیں اور علماء کی سرپرستی میں گھر گھر درسِ قرآن اور درسِ حدیث کا اہتمام کریں تاکہ عقائد اور اعمال میں درستی ہو اور دین کا پیغام عام ہو۔

آخر میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور دعا ہے کہ اللہ کریم اپنے پیارے محبوب ﷺ کے صدقے وطفیل اس کتاب "بانیانِ سلسلۂ نعیمیہ" کو مقبول عام بنائے اور سلسلہ نعیمیہ سے وابستہ تمام احباب کو اپنے بزرگوں کے فیض کو عام کرتے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ ہم سب کو حسن عمل کی توفیق عطا فرمائے، ہماری نیکیوں کو قبول فرمائے، خطاؤں سے درگزر فرمائے اور آیندہ زندگی میں نیکیاں کرنے اور گناہوں سے بچنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ (آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ)

عقیدت کیش

مولانا محمد ناصر خان چشتی نعیمی

فاضل دار العلوم نعیمیہ، کراچی

۶ ررجب المرجب ۱۴۳۸ھ

مطابق ۸ راپریل ۲۰۱۷ء

مختصر تذکرہ تاج العلماء

مفتی اہلسنت مفتی محمد عمر نعیمی اشرفی علیہ الرحمۃ
کی حیات وخدمات کا مختصر جائزہ

از قلم: حضرت علامہ جمیل احمد نعیمی ضیائی صابری

موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں سب ہی آئے ہیں مرنے کے لیے

عالم کن فیکون میں ایسے خوش نصیب افراد بہت کم ہوتے ہیں جو اس دنیائے فانی سے عالم جاوداں کی طرف رخصت ہونے کے بعد بھی آئندہ نسلوں کے قلوب واذہان پر اپنے زہد وتقویٰ، حسن اخلاق اور صاف گوئی وحق کوشی کے لافانی نقوش چھوڑ جاتے ہیں تاکہ آنے والی نسلوں کے لیے اپنے اسلاف کی حیات اور ان کا طریقہ اتباع نبوی کی روشنی کا مینارہ ثابت ہوسکے، انہیں خوش نصیب اور بخت آور شخصیتوں میں سے ایک شخصیت تاج العلماء، راس الفقہاء، سیّدی حضرت علامہ مفتی محمد عمر نعیمی قدس سرہ القوی کی بھی تھی۔ کسے معلوم تھا کہ جناب محمد صدیق صاحب کے یہاں پیدا ہونے والا یہ فرزند علم وفضل میں اپنے دور کا مہر تاباں ثابت ہوگا۔ بقول حضرت سعدی شیرازی علیہ الرحمۃ کے۔

بالائے سرش ز ہوشمندی
می تافت ستارۂ بلندی

شبیہ مبارک:

میانہ قد چھریرا، بدن کھڑا ناک ونقشہ، کشادہ پیشانی، صاف رنگ، سراپا علم وفضل، پیکرِ زُہد وتقویٰ اور مجسمہ اخلاق ومروّت ان تمام خوبیوں کو عبارت والفاظ کے سانچے میں ڈھالو تو تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمۃ بنتے ہیں۔

ولادت باسعادت:

آپ کی ولادت مبارک ۲۷ ربیع الآخر ۱۳۱۰ھ کو مراد آباد یوپی کے ایک متوسط خاندان میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد جناب محمد صدیق صاحب علیہ الرحمۃ عمارتی لکڑی کے تاجر تھے۔ مفتی صاحب اپنے والد کے اکلوتے فرزند تھے، اسی وجہ سے خاندان والوں کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور تھے۔ آپ کی پیدائش سے پہلے آپ کے کئی بھائی صغرسنی میں انتقال کر چکے تھے۔ اس لیے آپ کے نانا جان نے منت مانی تھی کہ اگر میری بیٹی کے یہاں اولاد نرینہ زندہ رہی تو میں اُسے دین مصطفوی ﷺ کی تبلیغ واشاعت کے لیے وقف کردوں گا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آپ زندہ رہے، لہٰذا حسبِ منت آپ کے نانا اور والدین نے زیورِ تعلیم سے آراستہ کردیا۔

تعلیم وتربیت:

آپ کی ابتدائی تعلیم وتربیت جناب منشی شمس الدین صاحب نے فرمائی۔ اس کے بعد آپ کو فخر اسلام مرجع علمائے اعلام دافع اوہام فاتح اعدائے رسول انام، صدرالافاضل بدرالاماثل، رئس المفسرین رئیس المحدثین حافظ قاری مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی اشرفی علیہ الرحمۃ کی خدمت اقدس میں پیش کردیا گیا۔ اُستاذ محترم کی جوہر شناس نظر نے اندازہ لگا لیا کہ اس ہونہار اور ذہین بچے کی صحیح تعلیم وتربیت ملک وملت کے لیے مفید ثابت ہوگی، لہٰذا اُستاذ مکرم نے نہ صرف اولاً تا آخر تعلیم وتربیت سے نوازا بلکہ اپنے پس ماندگان اور اولاد سے یہ فرما کر کہ محمد عمر کی محبت، امانت ودیانت میری آزمائی ہوئی ہے، نہ صرف تاج العلماء علیہ الرحمۃ کو تمام شاگردوں میں ممتاز کردیا بلکہ سچا اور صحیح جانشین ہونے پر بھی مہر تصدیق ثبت فرمائی۔

اُستادِ مکرم کا احترام و ادب:

بالکل ابتدائی بات ہے، جبکہ آپ کے نانا شیخ کرامت علی صاحب آپ کو لے کر صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے علمی صلاحیت جانچنے کے لیے آپ سے کوئی سوال دریافت فرمایا جس کا جواب مفتی صاحب موصوف اپنی صغرسنی کی وجہ سے درست نہ دے سکے۔ تو صدر الافاضل علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ یہی تمہارے اُستاد نے پڑھایا ہے۔ تاج العلماء علیہ رحمۃ نے فرمایا کہ اُستاد محترم نے تو صحیح پڑھایا تھا مگر مجھے ہی یاد رہا۔ اُستادِ مکرم کا یہ ادب واحترام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ نے سچ فرمایا۔

الدین کله ادب (یعنی دین سارا کا سارا ادب کا نام ہے)

حضرت حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ نے صحیح فرمایا۔

ادب تاجیست از لطف الٰہی

بنہ بر سر برد ہر جا کہ خواہی

درس نظامی کی تکمیل اور دستار فضیلت:

تقریباً انیس سال کی عمر شریف میں آپ نے علوم عالیہ اور علوم آلیہ کی تکمیل فرما کر سند فراغ حاصل کرلی۔ اس سے بڑی خوش نصیبی اور کیا ہوگی کہ جلسہ دستار فضیلت منعقدہ ۱۳۲۹ء میں اعلیٰ حضرت، مجدد دین وملت، امام اہلسنت مولانا شاہ احمد رضا خان علیہ الرحمۃ مرادآباد تشریف لائے اور اپنے دست مبارک سے تاج العلماء کے سرپر دستار فضیلت باندھی۔

مسندِ درس پر آپ کا رونق افروز ہونا:

آپ جب اپنی خداداد صلاحیت اور ذہانت وذکاوت کی وجہ سے تمام علوم وفنون میں مہارت تامہ اور ملکہ کاملہ حاصل کرنے کے بعد اُستاذ محترم کے ارشاد کے مطابق انہی کے قائم کردہ مدرسہ میں جو اس وقت ''اہل سنت وجماعت'' کے نام سے موسوم تھا، بعد میں اس ادارہ کا نام تبدیل کر کے ''جامعہ نعیمیہ مرادآباد'' رکھا گیا درس وتدریس کی خدمت سرانجام دی۔ یہ سلسلہ تعلیم وتربیت نصف صدی سے زائد عرصے تک جاری رہا اور اس مدت طویلہ میں

ہزار ہا تشنگانِ علومِ دینیہ کو سیراب فرمایا۔ یوں کہنا چاہیے کہ آپ تمام نعیمی شاگردوں کے اُستاذ مکرم ہیں۔

خدمتِ افتاء:

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک صاحب لولاک ﷺ کے دین کی خدمت کے لیے جہاں قرآن عظیم اور احادیث رسول ﷺ میں کمال عطا فرمایا تھا۔ وہیں آپ کو کتبِ فقہ میں بھی کمال فرمادیا تھا۔ اسی نعمتِ غیر مترقبہ کی بدولت آپ نے نصف صدی سے زائد یعنی آخری عمر تک مسندِ افتاء کو روشنی بخشی اور اسی وجہ سے آپ کو آپ کے اُستاذ مکرم اور دیگر اکابر علماء اہلسنّت نے ''تاج العلماء'' کے لقب سے ممتاز سرفراز فرمایا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشند خدائے بخشندہ

اس سلسلے میں ناظرین کے لیے یہ واقعہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ یہ مدرسہ عالیہ کلکتہ میں وائس پرنسپل کی جگہ خالی ہوئی تو دنیائے سنّت کی فقید المثال ہستی لعل خان صاحب مرحوم کے بھتیجے اور فرزند نسبتی حاجی عبدالعزیز خان صاحب نے مفتی صاحب موصوف کو اس جگہ کے لیے راضی کرلیا لیکن جب مفتی صاحب موصوف نے حضرت صدرالافاضل سے مشورہ کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ''مولانا! اگر آپ وہاں ایک کثیر مشاہرہ کی وجہ سے چلے گئے تو یہاں دین کی خدمت کرنے کے لیے کون آئے گا۔؟''

ادھر آپ کی والدہ محترمہ نے بھی فرمایا کہ:

''میاں! اگر پتھر بھی ایک جگہ پڑا رہتا ہے تو وہ بھی نشانِ راہ بن جاتا ہے۔ تم نے عمر عزیز کے بیشتر سال اس ادارہ کی خدمت میں صرف کیے ہیں، لہٰذا یہیں رہنا زیادہ مناسب ہے۔ رہا دنیا کا سوال تو وہ آتی جاتی ہے۔ قدرت کو اگر دینا ہے تو یہیں انتظام کرادے گی''۔

ان مشوروں کے بعد آپ نے وہاں جانے کا ارادہ ترک کردیا۔

اُستاذ محترم سے والہانہ عقیدت ومحبت:

اپنے اُستاذ محترم سے والہانہ محبت وعقیدت کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ آپ نے اپنے مربی اور اُستاذ مکرم کے قائم کردہ ادارہ ''جامعہ نعیمیہ مرادآباد'' میں برسوں قلیل مشاہرہ پر درس وتدریس، افتاء اور انتظام واہتمام کے فرائض بحسن وخوبی انجام دیے۔ باوجود اس بات کے کہ برصغیر کے مختلف دینی اور علمی اداروں کی طرف سے آپ کو خطیر مشاہرہ کی پیش کش کی گئی مگر آپ نے کمالِ استغنا سے ٹھکرا کر اُستاذ محترم کی صحبت ومحبت کو فوقیت دی۔

احقر نے تاج العلماء علیہ الرحمۃ کی اپنے استاذ محترم سے والہانہ محبت وعقیدت کو بہت قریب سے دیکھا ہے کہ دار العلوم مخزن عربیہ بحر العلوم کراچی میں راقم الحروف جب زیرِ تعلیم تھا تو دوران درس مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

> ''میں تو جوتیوں میں بیٹھنے کے لائق تھا مگر یہ صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کی کفش برداری کا صدقہ ہے کہ میں آج اس مسند درس وتدریس اور رشد وہدایت پر متمکن ہوں''۔

اس کے علاوہ راقم الحروف نے یہ بھی بارہا دیکھا ہے کہ اسباق شروع کرانے سے پہلے اپنے اُستاذ محترم کی روح پُرفتوح کے لیے ایصال ثواب فرماتے اور اس کے بعد اسباق کا آغاز فرماتے۔ اللہ، اللہ، اس عقیدت ومحبت کی بھی کوئی انتہا ہے۔

شرف بیعت:

آپ کو بیعت وخلافت کا شرف قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین واقف اسرار شریعت وطریقت، ماہر رموزِ معرفت، شبیہ غوث الاعظم حضرت شاہ علی حسین اشرفی جیلانی قدس سرہ الربانی سے حاصل تھا گویا کہ اللہ تعالیٰ نے علوم ظاہری وعلوم باطنی کی نعمتوں سے سرفراز فرمایا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آپ نہ صرف شاہ صاحب علیہ الرحمۃ سے شرف بیعت رکھتے تھے لیکن شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی طرف سے مجاز بھی تھے یعنی لوگوں سے

بیعت لینے کی اجازت بھی حاصل تھی۔

شیخ المشائخ نے آپ سے فرمایا کہ: ''مولانا! آپ کو مشائخ کی طرح نہ تو عبادت وریاضت اور مجاہدوں کی ضرورت ہے اور نہ کسی اور عمل کی۔ آپ کی عبادت وریاضت یہ ہے کہ درس وتدریس کی خدمت انجام دیتے رہیں یہی بہت بڑی عبادت وریاضت ہے''۔ مگر اس کے باوجود احقر کے خیال میں مفتی صاحب علیہ الرحمۃ نے بہت کم لوگوں کو شرف بیعت سے نوازا۔

یہاں اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ جب حضرت مفتی صاحب کو شیخ سے خلاف ملی تو انھوں نے آپ کو ''فاروق اللہ'' کا لقب عطا فرمایا اور اس وقت اپنے شیخ کامل سے عبادت وریاضت کے متعلق عرض کیا تو شیخ نے فرمایا: درس حدیث اور تفسیر ہی آپ کی ریاضت ہے۔

ذہانت وذکاوت اور قوت حافظہ:

قسامِ ازل نے کسی کو ذہانت کی دولت سے نوازا اور کسی کو قوت حافظہ کی نعمت سے سرفراز فرمایا لیکن مبداءِ فیاض نے اپنی بے پناہ نوازشوں اور بیکراں عنایتوں سے اُستاذی تاج العلماء علیہ الرحمۃ کو دونوں نعمتوں سے حصہ وافر مرحمت فرمایا۔ تمام علوم عقلیہ ونقلیہ کے علاوہ بے شمار عربی وفارسی کے اشعار بھی آپ کو ازبر تھے۔

لیس علی اللہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی واحد

حضور اکرم ﷺ سے تاج العلماء کی عقیدت ومحبت:

اللہ تعالیٰ نے سیّدی وسندی مفتی محمد عمر علیہ الرحمۃ کو بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا۔ ان خوبیوں میں سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے پیارے حبیب ﷺ سے بے پناہ عقیدت ومحبت سے بہرہ ور فرمایا تھا۔ احقر نے بارہا یہ منظر بھی دیکھا کہ تفسیر وحدیث شریف پڑھاتے وقت جب بھی حضور انور ﷺ کا نام نامی اسم گرامی آتا فرطِ عقیدت

ومحبت سے سر جھک جاتا اور آنکھیں پرنم ہو جاتیں ۔ یہی وجہ تھی کہ تنقیص الٰہی اور توہین رسالت پناہی کرنے والوں سے ہمیشہ تہذیب واخلاق کے دائرے میں رہتے ہوئے ان کی اصلاح پر بھرپور توجہ فرمائی اور ہمیشہ درس وتدریس، تحریر وتقریر کے ذریعہ شانِ الٰہی اور احترامِ رسالت پناہی سے مسلمانانِ اہلسنّت کے قلوب واذہان کو منور فرمایا۔ بقول شاعر مشرق:

محمد از تو می خواہم خدارا
خدایا از عشق مصطفیٰ را

برادر گرامی حضرت مولانا محمد اطہر نعیمی صاحب کے بیان کے مطابق حج بیت اللہ کی حاضری سے قبل جب آپ فقہ وحدیث کی کتابوں سے کتاب الحج پڑھاتے تو وہاں کے مناظر کی ایسی منظر کشی فرماتے جیسے کہ آپ نے یہ مقامات اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔

حضرت صدرالافاضل علیہ الرحمۃ کے خادم خاص حاجی احمد حسین صاحب جو مفتی صاحب کے حج پر جانے سے قبل ایک مرتبہ تنہا اور ایک مرتبہ حضرت صدرالافاضل کے ساتھ سفر حج کی سعادت حاصل کر چکے تھے، کہتے تھے۔

''مولانا آپ تو ایسی منظر کشی کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ان مقامات کی زیارت کی ہے''۔

یہ سن کر مفتی صاحب فرمایا کرتے تھے۔ ''حاجی صاحب جب میں پڑھاتا ہوں تو میں بہ ظاہر یہاں ہوتا ہوں لیکن میرا دل وہیں رہتا ہے''۔

زیارت حرمین شریفین:

آپ دو مرتبہ زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔ ایک مرتبہ ۱۹۳۸ء اور دوسری مرتبہ ۱۹۶۳ء میں۔ پہلا سفر حج ہندوستان سے جس میں استاذ محترم صدرالافاضل علیہ الرحمۃ کی معیت کا شرف حاصل ہوا۔ اس کا کئی مرتبہ بطور تحدیث نعمت احقر اور دوسروں کے سامنے تذکرہ فرماتے تھے اور دوسری مرتبہ جب پاکستان سے اس مبارک سفر پر تشریف لے گئے تو راقم الحروف کو بھی آپ کی معیت کا شرف حاصل ہوا۔

احقر نے ان گنہگار آنکھوں سے تاج العلماء علیہ الرحمۃ پر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں جو جذب وکیف اور وجد وسرور کا عالم دیکھا اس کو الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ مکہ مکرمہ میں اور دیگر مقامات پر مناسک حج ادا کرتے ہوئے اگر تصویر حیرت نظر آئے تو مدینہ طیبہ میں آپ کو بارگاہ نبوت ورسالت میں پیکر ادب واحترام پایا۔ صلوٰۃ وسلام پیش کرتے ہوئے آنکھوں کو پرنم اور زبان کو التجا کناں پایا۔

اللہ اللہ! حضور اکرم ﷺ سے ادب واحترام کا ایسا عالم کہ مسجد نبوی شریف میں رسول اکرم ﷺ کے مصلی ومحراب میں جب نفل ادا کرنے کے لیے تاج العلماء علیہ الرحمۃ حاضر ہوتے ہیں تو آپ اپنا سر مبارک سجدہ کی حالت میں اس جگہ پر رکھتے ہیں جہاں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قدم میمنت لزوم رکھا کرتے تھے اور کیوں نہ ہو کہ بارگاہ عظمت پناہ وہ ہے جس کے لیے ڈاکٹر اقبال مرحوم بھی پکار اٹھے۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

تقریری خدمات:

مولائے کریم نے جہاں آپ کو درس وتدریس میں مہارت سے نوازا تھا۔ وہاں آپ کو تحریر وتقریر کی خوبی سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔ آپ کی تقریر فصاحت وبلاغت کا حسین ودلنشین مرقع ہوتی تھی۔ مترادف الفاظ اور نادر جملوں کا شاہکار ہوتی تھی۔ آدرد کو بالکل دخل نہ تھا۔ اسی جوہر کی بناء پر آپ نے برسہابرس تک مرادآباد قلعہ والی مسجد میں اعزازی طور پر خطابت کے فرائض انجام دیے اور پاکستان میں تشریف لانے کے بعد اہلسنت کی مرکزی جامع مسجد آرام باغ میں تقریباً پندرہ سال تک اعزازی طور پر مسند خطابت کو رونق بخشی۔ آج بھی آرام باغ کے درودیوار اور جمعہ عیدین کے اجتماعات میں شریک ہونے والے گواہی دے سکتے ہیں کہ آپ کی تقریر دل پذیر کلام الٰہی، احادیث نبوی اور مسائل فقہی مسائل سے آراستہ ہوا کرتی تھی۔

تحریری خدمات:

آپ کی تحریر بھی بڑی پاکیزہ، شستہ اور شگفتہ ہوا کرتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ موتیوں کو لڑی میں پرودیا گیا ہے۔ میرے اس دعوئی پر دلیل مراد آباد سے مسلسل گیارہ سال تک جاری رہنے والا اہلسنت کا بلند پایہ اور مایہ ناز مذہبی، علمی اور ادبی مجلہ ماہنامہ سواد اعظم ہے جس کے مدیر ہی نہیں بلکہ سب کچھ تاج العلماء علیہ الرحمۃ تھے۔

اکثر پرچوں میں کبھی ایک اور کبھی ایک سے زائد مضامین موصوف کے قلم گوہر بار سے تحریر شدہ ہوتے تھے۔ آٹھ دس پرچے جو حقر کے پاس ہیں۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ شدھی کی تحریک ستیارتھ پرکاش کے قرآن کریم پر اعتراضات اور دیگر فتنے جو اس وقت رونما ہوتے ان کا بلیغ رد کیا جاتا۔ اس دور میں پیش آنے والے ملی مسائل پر بے لاگ تبصرہ کیا جاتا اور دینی مسائل پر تفصیلی بحث کی جاتی تھی۔

میری خواہش ہے کہ برادر گرامی قدر مولانا محمد اطہر نعیمی صاحب ان تحریروں کی تدوین میں میری مدد فرمائیں۔ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ نے کوئی بسیط کتاب تحریر نہیں فرمائی، چند رسائل مرتب فرمائے جن میں سے ایک رسالہ بہ نام ''تفرقہ اقوام'' جو اُس دور کی ایک اہم ضرورت تھی جس میں ذات برادری کی لعنت کا سد باب کیا گیا تھا، زیور طبع سے آراستہ ہوا۔ درحقیقت ہندوستان میں آپ کو درس وتدریس، افتاء اور آل انڈیا سنی کانفرنس کے دفتری مسائل کی وجہ سے اتنا وقت ہی نہ ملتا تھا، جو اس کام کے لیے دے سکتے۔ علاوہ ازیں میں نے حضرت مفتی صاحب کو پاکستان میں بہت سے مصنفین حضرات کے مسودوں پر نظر ثانی کرتے دیکھا ہے۔

کنز الایمان اور خزائن العرفان کی طباعت

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے جب ترجمہ قرآن کنز الایمان تحریر فرمایا تو اس کو چھاپنے کا شرف بھی قبلہ صاحب ہی کو حاصل ہوا۔ اس کو پہلی مرتبہ اپنے نعیمی پریس سے تاج العلماء نے ہی شائع فرمایا۔ اسی طرح بعد حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کی مایہ ناز

مختصر و جامع تفسیر خزائن العرفان کی تحریر میں بھی مفتی صاحب موصوف کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا کیونکہ آپ استاذ کے مزاج شناس تھے۔ استاذ مکرم کو آپ کی صحیح نویسی اور خوش نویسی پر اتنا اعتماد تھا کہ بے شمار تلامذہ کے ہوتے ہوئے نظر انتخاب تاج العلماء پر پڑی۔ انداز یہ ہوتا کہ صدر الافاضل بولتے جاتے تھے اور مفتی صاحب موصوف لکھتے جاتے اور مختصری مدت میں یہ بلند پایہ تفسیر زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منصۂ شہود پر آگئی اور اب تک عوام و خواص اہلسنت اس سے مستفید ہو رہے ہیں اور قیامت تک ہوتے رہیں گے۔

يلوح الخط فی القرطاس دهرا

و كاتبه رميم فی التراب

برصغیر کی تقسیم کے بعد ۱۹۴۸ء میں حضرت محدث اعظم کچھوچھوی (صدر، آل انڈیا سنی کانفرنس) اور حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب (ناظم اعلیٰ، آل انڈیا سنی کانفرنس) کی معیت میں پاکستان تشریف لائے۔ ان حضرات نے یہاں مختلف تبلیغی مراکز قائم فرمائے، جو نا گفتہ بہ حالات کی وجہ سے بعد میں بند ہو گئے۔

تقسیم کے بعد آپ نے ہندوستان میں قیام کو ضروری سمجھا اور انتہائی انہماک کے ساتھ جامعہ نعیمیہ کی خدمت فرماتے رہے چونکہ آپ کے اہل و عیال ۱۹۵۱ء میں کراچی آچکے تھے، اس لیے آپ نے مراد آباد سے بغداد شریف جانے کے لیے براستہ کراچی سفر اختیار فرمایا۔ کراچی میں قیام کے دوران ہندوستانی حکومت نے سرحدوں پر فوجیں ڈال دی تھیں۔ اس لیے اعزا و احباب کے علاوہ سفیر اسلام حضرت مولانا عبدالعلیم صاحب صدیقی کے اصرار پر ہندوستان واپسی کا ارادہ مضمحل ہوا اور مولانا موصوف نے پاکستان میں قیام کی اجازت دلوا کر واپسی کا ارادہ ختم کرا دیا۔

مولانا صاحب موصوف نے فرمایا مفتی صاحب مجھے آپ کے آنے سے اپنے خواب کی تعبیر ظاہر ہوتی معلوم ہو رہی ہے۔ میری دیرینہ خواہش ہے کہ میں ایک ایسا ادارہ قائم کروں جو ایسے مبلغین تیار کرے جو غیر ممالک میں میرے مدد و معاون ثابت ہوں۔ اب تک اس سلسلے میں قدم اٹھاتے ہوئے اس لیے ہچکچاتا تھا کہ کوئی قابل اعتبار باصلاحیت

شخصیت نظر نہ آئی تھی، آپ کے تشریف لانے سے میری مشکل آسان ہوگئی۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ مولانا صاحب چند وجوہ کی بناء پر اس ادارہ کو نہ بنا سکے اور یہ کام بھی حضرت مفتی صاحب کے ہاتھوں انجام پایا۔

مخزن عربیہ بحر العلوم کا قیام:

آپ جب کراچی تشریف لائے تو اس وقت چاروں طرف بے دینی اور بدعقیدگی کا دوردورہ تھا۔ آپ نے سب سے پہلا کام یہی کیا کہ بالکل بے سروسامانی کے عالم میں محرم الحرام ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۹۵۱ء میں ایک مختصر سی جگہ میں واقع رابسن روڈ عقب جامع کلاتھ مارکیٹ میں درس وتدریس کے لیے دار العلوم مخزن عربیہ بحر العلوم کا قیام فرمایا اور تادم وصال جامع مسجد آرام باغ میں خطابت اور مخزن عربیہ بحر العلوم میں درس وتدریس اور افتاء کی خدمات خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے انجام دیتے رہے۔

دار العلوم کی تشکیل فرما کر چند طلبہ سے درس نظامی کا آغاز فرمایا اور اس طرح سرزمین کراچی پر اہلسنّت کی پہلی معیاری درسگاہ وجود میں آئی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے یہ دیکھا ہے کہ مفتی صاحب اپنی کبرسنی کے باوجود ایک وقت میں میزان الصرف ومنشعب سے لے کر دورہ حدیث تک سولہ سولہ اسباق پڑھاتے تھے۔

کتابوں کی اشاعت:

مفتی صاحب نے کراچی آنے کے بعد درس وتدریس، افتاء اور وعظ وخطابت تک ہی اپنی خدمات کو محدود نہیں رکھا بلکہ عوام اہلسنّت کو مسلک اہل سنّت سے باخبر رکھنے کے لیے زعماء اہل سنّت کی تصنیفات اور تالیفات سے روشناس کرانے کے لیے ایک اشاعتی ادارہ "ازہر بک ڈپو" بھی قائم کیا اور اردو، سندھی، گجراتی میں کتابیں شائع کرائیں جن پر ترجمہ اعلیٰ حضرت کنزالایمان، اطیب البیان فی رد تقویۃ الایمان، الکلمۃ العلیاء، شان حبیب الرحمٰن من آیات القرآن، رحمت خدا بوسیلہ اولیاء، سلطنت مصطفیٰ، سوانح کربلا (اردو، گجراتی)، کتاب العقائد (اردو سندھی)، کشف الحجاب (اردو سندھی) اور حدائق بخشش قابل ذکر ہیں۔

قید و بند کی آزمائش:

خدمت دین انجام دیتے ہوئے کبھی کبھی ابتلاء و آزمائش کی کٹھن اور پرخار وادیوں سے بھی گزرنا پڑتا ہے تاکہ زبانی جمع خرچ کرنے والوں اور خدا اور رسول ﷺ کے راستے میں سردھڑ کی بازی لگانے والوں کو ایک دوسرے سے ممتاز کر دیا جائے، لہٰذا مفتی صاحب پر بھی آزمائش کا ایسا وقت آیا یعنی ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کے پرآشوب زمانے میں جب کہ توحید کے متوالوں اور شمع رسالت کے سینکڑوں پروانوں نے جام شہادت نوش فرمایا اور ہزاروں نے قید و بند اور طوق و سلاسل کی صعوبتوں کو خندہ پیشانی سے قبول کیا۔

آپ کی پوری زندگی اس بات کی شاہد ہے کہ آپ نے کبھی بھی ملکی سیاست میں عملی طور پر حصہ نہیں لیا لیکن جہاں تحفظ ناموس رسالت کا موقع آیا آپ نے ہر ممکن طریقے سے جان کی بازی لگا کر اسلام اور عزت رسول ﷺ کا تحفظ کیا۔ تحریک ختم نبوت کے موقع پر آپ نے انگریزوں کے خودکاشتہ پودے اور خودساختہ نبی مرزا غلام احمد قادیانی پر قرآن و حدیث اور اقوال علماء کی روشنی میں تنقید کی، اُس وقت کے حکام کو یہ بات بُری معلوم ہوئی۔ اقتدار کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں اور اس کے نتیجے میں آپ کو حق گوئی کی سزا کراچی کے سینٹرل جیل میں قید و بند کی شکل میں دی گئی جس کو آپ نے شان نبوت اور ختم نبوت کے تحفظ کے سلسلے میں تمغۂ نجات و سعادت خیال کرتے ہوئے قبول فرمایا اور کم و بیش ایک ماہ تک قید و بند کی تکلیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔

جیل کی تنگ و تاریک کوٹھری میں ایک رات خواب میں اپنے اُستاذ محترم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اُستاذ مکرم کو مسکراتے ہوئے دیکھ کر اندازہ لگایا اور رفقائے جیل سے فرمایا کہ اب عنقریب اس قید و بند سے رہائی نصیب ہونے والی ہے اور ایسا ہی ہوا کہ اس خواب کو دیکھے ہوئے چند ہی روز ہوئے تھے کہ ایک دن اچانک پروانہ رہائی آیا اور آپ کو باعزت طریقے پر رہائی ملی، اس وقت قبلہ مفتی صاحب کے حال پر یہ شعر صادق آتا ہے۔

خون نکردہ ایم کسے را نہ کشتہ ایم
جرم ہمیں کہ عاشق روئے تو گشتہ ایم

تاج العلماء کی ثابت قدمی اور شانِ استغنا

انگریزی حکومت نے علمائے کرام کو اپنا ہمنوا بنانے کے لئے بے پناہ حربے استعمال کیے، کئی علماء ان کے دامِ تزویر میں جا پھنسے مگر علمائے حق نے انگریز کی ہر پیشکش کو حقارت سے ٹھکرا دیا۔ تاج العلماء مولانا محمد عمر صاحب نعیمی مرادآبادی علیہ الرحمۃ کا یہ واقعہ انگریز ذہنیت کو طشت از بام کر رہا ہے۔

معروف عالم دین حضرت علامہ محمد تابش قصوری زید مجدہ ماہنامہ ''النظامیہ'' لاہور میں تاج العلماء کی ثابت قدمی اور شانِ استغنا کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

''غالباً ۱۹۶۴ء میں حضرت تاج العلماء دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع ساہیوال تشریف لائے، راقم کو شرف خدمت کا موقع ملا۔ باتوں باتوں میں حضرت اپنی آپ بیتی سنانے لگے کہ میں ایک دارالعلوم میں تدریس کی خدمت انجام دے رہا تھا، ان دنوں مجھے صرف اٹھارہ روپے ماہوار مشاہرہ ملتا تھا۔ ایک روز محکمہ تعلیم کی طرف سے کسی سکول میں اڑھائی صد (250) روپے ماہوار مشاہرہ پر تقرری کی پیشکش کی گئی، معاشی حالت کے پیشِ نظر حضرت قبلہ صدر الافاضل فخر الاماثل مولانا حکیم سید محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی اشرفی علیہ الرحمۃ سے مشورہ کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: ''یک در گیر محکم گیر'' اور ساتھ ہی انگریز کی چال بازی سے آگاہ فرمایا۔ چنانچہ اڑھائی صد روپے کی اس پیشکش کو پرکاہ کی بھی حیثیت نہ دی، کئی سال اٹھارہ روپے ماہوار وظیفہ پر ہی وقت پاس ہوتا رہا، پھر تو اس ثابت قدمی اور اولوالعزمی پر انعامات الٰہیہ کی انتہا ہو گئی۔''

راقم الحروف کے ساتھ تاج العلماء کی شفقت و محبت

ذیل میں استاذ محترم تاج العلماء راس الاتقیاء مفتی محمد عمر نعیمی اشرفی علیہ الرحمہ کی

راقم الحروف کے ساتھ قلبی وابستگی، محبت وشفقت اور عنایات کے چند گوشے اُن یادگار اور تاریخی خطوط کی صورت میں پیش کر رہا ہوں جو حضرت نے مختلف اوقات میں راقم کے نام تحریر فرمائے۔

(۱)

عزیزم مولوی جمیل صاحب سلمہ

آج سہ پہر بعد ظہر قرآن خوانی بعد عصر وعظ مولوی شفیع صاحب جناح مسجد میں ہے۔ حکیم محمد تقی صاحب کے بھتیجے کا چہلم ہے۔ آپ بھی شرکت کریں۔ مجھے حکیم صاحب نے آپ کو مطلع کرنے کے لیے فرمایا ہے۔

ہفتہ کے روز بعد عشاء سعود آباد میں آپ کا وعظ میں نے منظور کر لیا ہے۔ آپ کو جانا ہے۔ اس کے متعلق مجھ سے دریافت کر لینا۔ چہلم میں شرکت کیلئے میں بھی آؤں گا۔

والدعاء

عمر نعیمی

۲۵ دسمبر ۱۹۶۲ء

(۲)

عزیزم مولوی جمیل صاحب سلمہ الواہب

دعوات وافرہ۔۔۔ مسجد شریف میں سیّدی ومرشدی (سیّد حسین علی شاہ اشرفی کچھوچھوی) علیہ الرحمۃ کا عرس شریف ہے۔ آپ اپنی مسجد میں بیان کرنے کے بعد یعنی دس بجے شب تک مسجد شریف (جامع مسجد آرام باغ) میں پہنچ جائیں۔ دس بجے تک یہاں نعت شریف ہوتی رہے گی۔ دس بجے آپ کا بیان شروع ہو جانا چاہیے۔

والدعاء

عمر نعیمی

۱۰ رجب ۱۳۷۹ھ

(۳)

عزیزم مولانا سلمہ

آج آپ نہیں آئے۔ قربانی کے متعلق آپ سے دریافت کرنا تھا۔ میں کل مدرسہ آؤں گا۔ آپ سے ملاقات ہو جائے تو بہتر ہوگا۔ حکیم محمد تقی صاحب کا ہدیہ پیش ہے۔

والدعاء

عمر نعیمی

(۴)

عزیزم مولوی جمیل احمد صاحب سلمہ

دعوات وافرہ۔۔ آج بعد ظہر قرآن خوانی بعد عصر وعظ مولوی محمد شفیع صاحب اوکاڑوی بعد افطار ودعوت طعام ورمشہور پریس حکیم صاحب محمد یامین تشریف لائے اور آپ کی شرکت کے لیے بہت زور دیا اور کہا کہ مولوی جمیل صاحب کا لانا آپ کے ذمہ ہے، لہٰذا ایسے محب محترم کے اصرار کی تعمیل کرنا ضروری ہے۔ عصر کے وقت میں بھی پہنچوں گا۔

والدعاء

عمر نعیمی

دوشنبہ ۲۵ رمضان ۱۹۶۴ء

آپ کا وصال:

اب وہ منزل اور وہ وقت بھی آگیا جس سے ہر ذی روح کو گزرنا ہے، لہٰذا اسی قانون ابدی کے مطابق سیدی وسندی تاج العلماء جانشین صدر الافاضل کی طبیعت مبارک ناساز ہوتی ہے اور روز بروز ضعف واضمحلال بڑھتا گیا آخر کار وہ وقت موعود بھی آگیا۔ تقریباً ۷۴ برس کی عمر شریف پا کر یہ آفتاب علم وفضل اللہ تعالیٰ کے فدائی، رسول اکرم ﷺ کے عاشق اور اُستاذ مکرم کے شیدائی نے بروز جمعرات مورخہ ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۸۶ء مطابق ۲۳ مارچ ۱۹۶۶ء کو داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کی۔ آپ کی وفات حسرت آیات کی خبر تھوڑی ہی دیر میں پورے کراچی میں پھیل گئی اور دوسرے دن پورے

پاکستان اور دوسرے ممالک میں بھی پہنچ گئی۔ نمازِ جنازہ میں ہزاروں افراد شامل تھے۔

آپ کا جنازہ جلوس کی شکل میں آپ کے دولت کدہ سے اُٹھایا گیا۔ صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہوئے عیدگاہ ناظم آباد نمبر ۳ پٹرول پمپ لایا گیا اور اس وسیع وعریض میدان میں ہزارہا افراد نے سیکڑوں مشائخ عظام اور علمائے کرام کی موجودگی میں آپ کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ نمازِ جنازہ کے فرائض آپ کے خلف اکبر مولانا محمد اطہر نعیمی صاحب نے انجام دیے۔ اس کے بعد ''مصطفیٰ جانِ رحمت پر لاکھوں سلام'' پڑھتے ہوئے آپ کے جنازے کو مسجد دارالصلوٰۃ جو کہ آپ کے دولت کدہ سے قریب ہے اور جس میں ایک طویل عرصے تک آپ رضائے الٰہی کے لیے امامت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ اس سے متصل آپ کی تدفین کی گئی۔ آج بھی آپ کا مزار پُرانوار خانہ خدا کے جوار میں مرجع خلائق ہے۔ آج بھی آپ اپنے مرقد اقدس میں زبانِ حال سے مترنم ہیں۔

بعد وفات تربت ما در زمین مجو
در سینہ ہائے عارف مردم مزار ما

منقبت تاج العلماء حضرت مفتی محمد عمر نعیمی صاحب

معروف عالم دین حضرت علامہ سید وجاہت رسول قادری ان الفاظ میں آپ کی عظمت وشان کو سلام عقیدت پیش کرتے ہیں:

آگاہ علم، محبت زباں محمد عمر
تھے بزمِ علم و محبت کی جاں محمد عمر

مثالِ ماہ وہ چمکا کیے اندھیرے میں
رہِ حیات میں منزل نشاں محمد عمر

ہے اکتسابِ ضیا آج ان چراغوں سے
جو آپ نے ہیں جلائے یہاں محمد عمر

رضا کی بزمِ محبت سے پی ہے مے تم پر
ہے سرِّ عشقِ محمد ﷺ عیاں محمد عمر

نعیمِ دین سے حاصل ہوا ہے علمِ دین
زبانِ علم کی شرح بیاں محمد عمر

ہے بزمِ شمعِ ہدایت کا نورِ تابندہ
ہیں آج اور بھی کچھ ضوفشاں محمد عمر

وہ اپنی ذات سے تاباں چراغِ محفل تھے
جو گل ہوئے تو ہیں خوشبوئے جاں محمد عمر (۱)

(۱) یکم رفروری ۱۹۷۰ء کو عرس تاج العلماء میں پڑھی گئی۔ بحوالہ فروغ صبح تاباں، صفحہ ۲۲۶

حرف آخر

احقر کی دیرینہ آرزو تھی کہ حضرت تاج العلماء علیہ الرحمۃ کا ایک تذکرہ مرتب کیا جائے۔ جس میں آپ کے کمالات علمیہ وعملیہ سے عوام وخواص کو روشناس کرایا جائے۔ لیکن افسوس کہ دس سال کی طویل مدت گزرنے کے بعد بھی یہ آرزو شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکی۔ جب کہ دوسرے مکاتب فکر کا اگر کوئی شخص انتقال کرتا ہے تو تھوڑے ہی عرصے میں اس کی ضخیم وحسین سوانح حیات شائع کردی جاتی ہے۔

احقر اپنی کم عقلی اور علمی بے بضاعتی کی وجہ سے اس عظیم کام کا اپنے کو اہل نہیں سمجھتا لیکن دار العلوم نعیمیہ (فیڈرل بی ایریا کراچی) کی رسم تعارف کے موقع پر تقسیم کار میں یہ خدمت میرے ذمے لگائی گئی کہ میں حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کی حیات طیبہ کے چند پہلو اجاگر کروں۔ چنانچہ اپنی دیرینہ خواہش کا سنگ میل تصور کرتے ہوئے برادر مکرم حضرت مولانا محمد اطہر نعیمی اور مفتی سید شجاعت علی قادری صاحب کے فرمان کے مطابق یہ چند سطور تحریر کردیں تاکہ دار العلوم کی تعارفی تقریب کے ساتھ بانئ دار العلوم کا تعارف بھی ہوجائے۔ اس لیے یہ مختصر تعارف پیش کردیا گیا ہے۔

یہاں اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ دار العلوم مخزن عربیہ بحر العلوم کی نشاۃ ثانیہ ہے جس کو حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ نے جاری فرمایا تھا جس کا ذکر میں نے گزشتہ صفحات میں کیا ہے۔

دار العلوم نعیمیہ کے لیے بفضلہ سات ہزار گز قطعہ اراضی اور جامع مسجد نعیمی کے لیے تین ہزار گز کی جگہ حاصل کی جا چکی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نیز بانی مدرسہ اور اس شخصیت پر جن کے نام سے یہ دار العلوم منسوب ہے، بھروسا کر کے تعمیراتی کام شروع کر دیا گیا ہے۔ یہ عظیم الشان منصوبہ احباب اہلسنّت کے تعاون کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا، اس لیے میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گا کہ اگر احباب اور مخلصین اہلسنت کا تعاون حاصل رہا تو ان شاء اللہ یہ منصوبہ جلد از جلد پایہ تکمیل کو پہنچے گا اور ہم خدام کی جانب سے بزرگوں کی خدمت میں بہترین خراج عقیدت ہوگا۔

آخر میں یہ بھی عرض کروں گا کہ یہ میری کوشش ہوگی کہ اپنی دیرینہ خواہش کے مطابق نہ صرف مفتی صاحب بلکہ دیگر اکابر اہلسنّت کی حیات طیبہ پر تفصیلی طور پر کچھ لکھوں اس لیے میں احباب سے درخواست کروں گا کہ حضرت مفتی صاحب کے سلسلے میں جن حضرات کو معلومات ہوں، وہ راقم الحروف کو مطلع فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ میری اس سعی کو قبول فرمائے اور مجھے مزید توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین بجاہ سیّد المرسلین ﷺ۔

(مطبوعہ مشہور آفسٹ پریس کراچی ۱۹۷۶ء)



إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا

اللہ تکبر کرنے والے اور اِترانے والے کو دوست نہیں رکھتا۔

''سوادِ اعظم'' لاہور کی خصوصی اشاعت

مفتی اہلسنت تاج العلماء حضرت علامہ مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمۃ کے وصال پُرملال پر حکیم غلام معین الدین نعیمی صاحب کی زیرادارت ''سوادِ اعظم'' ۱۵ر مئی ۱۹۶۶ء لاہور کا خصوصی شمارہ شائع کیا گیا، جس میں حضرت کے وصال پر ملک بھر سے اہل مدارس، اہل علم وقلم اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والوں نے اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے حضرت تاج العلماء کو شاندار الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا۔

اہل علم وسخن کے تاریخ ہائے وصال

○

قطعات تاریخی عالم وجیہ

۱۹۶۶ء

اعلم بدیع تاج العلماء محمد عمر نعیمی!

۱۳۸۵ھ

ازفقیر نعیمی غلام معین الدین مخدوم مدیر ''سوادِ اعظم'' لاہور

زوار قانی بسوئے جنت، برائے رویت حبیب اکرم
فقیہ ومفتی، محدث اعظم کہ ذات بودش وقارِ مسلم
معین محزوں بچشم گریاں بگفت سالِ وصالِ بیچوں
بعدِ مولے روانہ گردو عمر نعیمی بنزدِ منعم!

۱۳۸۵ھ

○

دیگر در صنعت صوری و معنوی بتعمیہ داخلہ

وہ تاجدار ملت وہ فاضلوں کے سرور
سوئے جناں سدھارے حضرت عمر نعیمی
صوری و معنوی سن مخدوم مع ''جناں'' لکھ
چوبیس ذیقعد کی، سن تیرہ سو پچاسی

۱۰۴+۱۸۶۲:۱۹۶۶ء

قطعہ تاریخ

از حضرت ابو المخدوم صوفی صابر اللہ شاہ اشرفی نعیمی

روانہ گردد بسوئے جنت کہ دار فانی نکو نیامد
جناب حضرت عمر نعیمی امام دوراں فقیہ اعظم
بسالِ وصلش بگفت صابر بچشم پرنم باہ و زاری
منیب منعم نعیمی جناں بیابد ز رب اکرم

۱۳ ھ ۸۵

O

زبدۃ الاولیاء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا غلام قطب الدین احمد نعیمی برکاتی اشرفی

O

بپا ہے اہل سنن میں ماتم عمر نعیمی عمر نعیمی
غریب پرور تھے سب کے ہمدم عمر نعیمی عمر نعیمی

جہانِ عالم کے تاج ور تھے شہِ عرب کے پیامبر تھے
عدو کے حق میں تھے شیرِ ضیغم عمر نعیمی عمر نعیمی

حسین منظر، حسین محفل، وہ بحث وتمحیص کے مناظر
رہے نہ زخمی دلوں کے مرہم عمرنعیمی عمرنعیمی

تمہارے علم و ہنر کے آگے نہ پیش جاتی کسی کی ہرگز
فنا تھے باطل کے سارے دم خم عمرنعیمی عمرنعیمی

علوم وحکمت کے تم تھے مخزن ہر ایک باطل کے جانی دشمن
عدو بھی اب ہے بچشم پرنم عمرنعیمی عمرنعیمی

وہ دینِ قیّم کے سچے خادم، علاء حق کے نڈر سپاہی
خطیب و مفتی، فقیہ اعظم عمرنعیمی عمرنعیمی

خیال تاریخِ وصلِ حق کا، جو دل میں احمؔد نعیمی آیا
پکارا ہاتف سراج عالم عمرنعیمی عمرنعیمی

۱۳۸۵ھ

○

مفتی اہلسنّت تاج العلماء حضرت علامہ مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمۃ کے وصال پر

تعزیت نامے

حضرت مکرم السلام علیکم!

استاذ المعظم ''شیخ الحدیث مفتی نعیمی صاحب'' کے وصال پر ملال پر

''سانحہ جانگداز راہی جنت''

۱۹۶۶ء

ارسال ہے۔

آہ! ''دنیائے علم وعرفان کا نمایاں چراغ بجھ گیا''

۱۹۶۶ء

اس پر جتنا بھی غم کیا جائے کم ہے اور اس کا نعم البدل تلاش کرنا بے سود۔ اللہ تعالیٰ حضرت قبلہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ اگر مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ اور فقرے پسند ہوں تو ''سواد اعظم'' میں جگہ دے دیں اور ۲ کا پیاں مجھے بھی ارسال کر دیں تو نوازش ہوگی۔ فقط کوئی اخبار ''تاج العلماء نمبر'' بھی شائع کرے۔

صابر براری عفی عنہ

تاریخ راہی فردوس عالم بے بدل

۱۹۶۶ء

عالم حقانی زبدۂ آفاق شیخ اہل سنت

۱۹۶۶ء

مفتی محمد عمر نعیمی اشرفی مرادآبادی

۱۹۶۶ء

○

ہو کیوں نہ چشم حق بیں یوں اشک بار صابرؔ
عالم سے اٹھ گیا ہے اک عالم قدیمی
تھا جس کا فیض دنیائے علم دیں میں
تھی جس کی عطر پاشی خوشبوئے صد شمیمی
شیخ الحدیث تھے وہ اس دور حاضرہ کے
اسلاف ذی شرف کے مجموعۂ عمیمی
پہنچا دے ان کو یارب دربار مصطفیٰ میں
دی خلد ان کو، تیری ہر شان ہے کریمی
سال وصال صابرؔ لکھ "فقیر" کو ملا کر
ہادی اہل سنت مفتی عمر نعیمی

۱۹۶۶:۱۵۸۶+۳۸۰ء

خان پور:

ادارہ عربیہ سراج العلوم نہایت صدر رنج والم کے ساتھ حضرت علامہ "تاج العلماء" مولانا قبلہ مفتی محمد عمر صاحب نعیمی محدث کراچی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت طیبہ پر اظہار تعزیت کرتا ہے۔ حضرت علامہ تاج العلماء رحمۃ اللہ علیہ پاکستان میں واحد شخصیت کے مالک تھے۔ مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ فرمان نبوی علیہ السلام کے مطابق حضرت کی رحلت طیبہ سے جو پاکستان میں بہت بڑا خلاء پیدا ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ ممدوح رحمۃ اللہ علیہ کو جنت الفردوس عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔ ادارہ ہذا پسماندگان کے اس عظیم صدمہ میں برابر کا شریک ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت موصوف کے صاحبزادگان کو حضرت کے نقش قدم پر چلائے۔ آمین ثم آمین۔

دعا گو حافظ سراج احمد

مہتمم ادارہ عربیہ سراج العلوم (خان پور)

حیدر آباد:

حضرت مولانا مفتی محمد عمر صاحب نعیمی محدث اعظم کراچی علیہ الرحمۃ کے انتقال پُر ملال پر بزم رضا حیدر آباد کے زیر اہتمام ۲۶ ذیقعد کو دار العلوم احسن البرکات میں بغرض ایصال ثواب قرآن خوانی کی گئی اور تبرک تقسیم کیا گیا۔

(محمد جمیل رضوی قادری ناظم نشر و اشاعت بزم رضا حیدر آباد)

میلسی:

یہ خبر اندوہ اثر سن کر کہ یادگار صدر الافاضل حضرت مفتی محمد عمر صاحب نعیمی انتقال فرما گئے صدمۂ شدید ہوا۔ حضرت مفتی صاحب، صدر الافاضل حضرت علامہ مولانا محمد نعیم الدین صاحب قدس سرہ کی روحانی وعلمی یادگار تھے، باوجود کہ ایک بے مثال فاضل ومفتی تھے مگر تمام مسائل میں اپنے اکابر سیدنا اعلیٰ حضرت، سیدنا صدر الافاضل، حضرت صدر الشریعۃ قدست اسرارہم کی طرف ہی رجوع فرماتے جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے کہ ہمارے بعض حضرات تحقیق کے نام پر اپنے اکابر اساتذہ و مشائخ طریقت سے ٹکراتے ہیں، مگر قربان جایئے حضرت مفتی صاحب قبلہ کے وہ اکابر کرام اہل سنت کے مقابلہ میں آنے اور ان کے مقابلہ میں اپنی تحقیق منوانے کے لیے قطعاً کوئی تحریک نہیں کرتے تھے۔ مولانا حسن علی صاحب قادری رضوی مہتمم مدرسہ حنفیہ غوثیہ انوار رضا کی طرف سے حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کے صاحبزادگان و متعلقین کو تعزیت فرمائیں، اراکین مدرسہ انوار رضا اُن کے اس عظیم غم میں برابر کے شریک ہیں اور ان کے لیے صبر جمیل کی دعا کرتے ہیں۔

(فقیر محمد حشمت علی قادری رضوی غفرلہ)

بہاول پور:

جامعہ اویسیہ رضویہ بہاول پور میں حضرت تاج العلماء قدس سرہٗ کے وصال کی اطلاع ملنے پر ایک عظیم الشان اجتماع میں ایصال ثواب کیا گیا اور طلباء نے ختم قرآن کیا اور حضرت مولانا علامہ ابو الصالح محمد فیض احمد صاحب اویسی نے آپ کی مبارک سیرت پر روشنی ڈالی۔ (نامہ نگار)

تاج العلماء حضرت علامہ مفتی محمد عمر نعیمی قدس سرہ کا

چہلم مبارک

کراچی میں حضرت العلماء قدس سرہ کا چہلم مورخہ ۱۶۔۱۷ اپریل ۱۹۶۶ء ہفتہ، اتوار کو واقع مزار پر مبارک متصل مسجد دار الصلوٰۃ بلاک نمبر ۴ شمالی ناظم آباد کراچی منعقد ہوا۔ مقامی علماء اہل سنت کے علاوہ بقیۃ السلف حضرت علامہ مفتی محمد تقدس علی خاں بریلوی دامت برکاتہ، مولانا محمد صالح صاحب مہتمم جامعہ راشدیہ پیر جو گوٹھ، حضرت مولانا مفتی محمد حسین صاحب نعیمی اور فقیر غلام معین الدین نعیمی نے شرکت کی۔ قل شریف اور چادر مبارک چڑھانے کے وقت فقیر غلام معین الدین نعیمی نے حضرت کے فرزند کبیر مولانا محمد اطہر صاحب نعیمی کی دستار بندی کی۔ رات کو آرام باغ میں بسلسلۂ عرس مبارک سیّدی حضرت صدر الافاضل قدس سرہٗ عظیم الشان جلسہ ہوا۔ وہاں پر حضرت تاج العلماء قدس سرہ کے آخری فارغ التحصیل پانچ طلبہ کی دستار بندی کی گئی۔ (مدیر سواد اعظم لاہور)

○

"یوں تو ارشاد خداوندی کے مطابق موت ہر ذی روح کے لیے ضروری ہے اور جو بھی اس عالم فانی میں آیا ہے اسے عالم بقاء کی طرف کوچ کرنا ہے۔ رحلت کرنے والوں کے لیے رنج اور افسوس بھی انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ بعض کی موت صرف اعزاء اور احباب کو متاثر کرتی ہے، جبکہ بڑی ہستیوں کی وفات پوری قوم کے لیے سانحہ اور ایک عظیم نقصان کا باعث ہوتی ہے اور ایسی وفات پر قوم جتنے بھی آنسو بہائے کم ہے۔

تاج العلماء مفتی محمد عمر صاحب نعیمی قدس سرہٗ کی وفات حسرت آیات بھی اسی نوعیت کے مشاہیر کی وفات ہے۔ موصوف کی ذات گرامی مذہب سے بیگانگی اور بے دینی کے موجودہ دور میں دینی حلقوں کے لیے ایک بڑا سہارا تھی۔ آپ کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے، بقول مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی اس کا پُر ہونا ممکن نہیں۔ مفتی صاحب مرحوم کی

تمام زندگی دین اسلام کی خدمت میں گزری۔ آپ نے اپنی پچاس سالہ عملی زندگی میں کیا کچھ کیا اور کس قدر خدمات انجام دیں؟ اس کے لیے تو خیر ایک طویل مضمون کی ضرورت ہے۔ یہاں مختصراً حضرت کی زندگی کے چند پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی جرأت کر رہی ہوں۔

مفتی صاحب قبلہ کا تعلق مرادآباد یوپی کے ایک متوسط خاندان سے تھا۔ اپنے والدین کے اکلوتے فرزند تھے اور اسی وجہ سے خاندان بھر کی آنکھوں کا تارا تھے۔ آپ کی پیدائش سے قبل آپ کے کئی بھائی صغرسنی میں وفات پا چکے تھے۔ آپ کے نانا نے منت مانی تھی کہ میری لڑکی کے اگر کوئی اولاد نرینہ زندہ رہی تو اس کو دینی علوم سے آراستہ کروں گا۔ خدا کے فضل سے آپ زندہ رہے اور ابتدائی تعلیم کے بعد آپ کو حضرت صدر الافاضل کی خدمت میں عربی تعلیم اور درس نظامی کی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا تھا اور انھوں نے اسی وقت اس ہونہار طالب علم کی ذہانت کا اندازہ لگالیا، لیکن اپنے اصول کے مطابق کچھ سوالات معلوم کیے اور اپنی شاگردی میں قبول فرمالیا۔

جامعہ نعیمیہ مرادآباد اپنے ابتدائی دور سے گزر رہا تھا۔ بے سروسامانی کا عالم تھا نہ تو اس وقت جامعہ کے پاس ڈھنگ کی عمارت تھی اور نہ دیگر ضروری سامان، لیکن کارکنان جامعہ اور طلبہ کے دل میں خدمت اور تبلیغ اسلام کی ایک لگن تھی۔ اسی عالم میں مفتی صاحب مرحوم زیر تعلیم رہے۔ آپ کی ذہانت، ہونہارپن، فرمانبرداری اور خدمت نے استاذ محترم کو بطور خاص متاثر کیا اور آپ پر خاص توجہ دی جانے لگی۔ دن بھر مدرسے میں گزارنا، شام کو استاذ محترم کی خدمت میں حاضری اور رات گئے تک اسباق کا مطالعہ۔ انھی کاوشوں اور محنت کی بدولت تیرہ سال کی عمر میں آپ نے درس نظامی کی تکمیل کی۔ آپ کی دستار بندی کے موقع پر حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی بھی موجود تھے اور انھی کے دست مبارک سے آپ کے دستار فضیلت باندھی گئی۔

مفتی صاحب کی خدمت اور علمیت سے استاذ محترم پہلے ہی سے متاثر تھے، دستار بندی کے بعد سے آپ کو جامعہ نعیمیہ میں ہی بطور مدرس مقرر کر دیا۔ درس و تدریس کے ساتھ ہی استاذ محترم کی خدمت میں مزید تعلیم اور فتوے کی مشق کے لیے حاضر ہوتے رہے۔ دن میں مدرسہ میں درس دینا اور رات کو دس گیارہ بجے تک فتویٰ نویسی۔ غرضیکہ انتھک محنت اور

جانفشانی کے بعد آپ نے تفسیر، حدیث، فقہ اور فتویٰ نویسی میں کافی مہارت پیدا کر لی اور ایک دن وہ بھی آیا کہ آپ اسی جامعہ کے شیخ الحدیث مقرر کر دیے گئے۔ اس دوران کلکتہ، ناگ پور، مبارک پور وغیرہ سے آپ کو خطوط موصول ہوئے جن میں وہاں کے مدارس کے لیے صدر مدرسی پیش کی گئی تھی لیکن آپ نے استاذِ محترم سے جدائی گوارا نہ کی اور مراد آباد کے قلیل مشاہرہ کو ان مقامات کے معقول مشاہرہ پر ترجیح دی۔

جامعہ نعیمیہ مراد آباد کی صدر مدرسی کے ساتھ ساتھ آپ نے استاذ محترم کی معیت میں تبلیغ دین کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور اس سلسلہ میں برصغیر کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا۔ شدھی اور سنگھٹن کی تحریکات اس زمانہ میں شباب پر تھیں۔ ہر طرف مسلمانوں کے دین ومذہب پر ڈاکا ڈالا جا رہا تھا۔ مفتی صاحب مرحوم نے ان تمام اسلام دشمن تحریکات کے خلاف پوری مستعدی کے ساتھ جہاد کیا۔ ہمعصر علماء کے ساتھ باہم مشوروں سے ایسی تدابیر اختیار کیں جن سے فتنۂ ارتداد کو روکا جا سکے۔ اسی سلسلہ میں آپ نے ایک رسالہ ''السواد الاعظم'' جاری کیا۔ یہ ایک خالص مذہبی رسالہ تھا، جس میں تبلیغ اسلام کے ساتھ غیر مسلموں کے تمام اعتراضات کا مسکت جواب دیا جاتا تھا۔ یہ اعتراضات بیشتر رسول کریم کی زندگی، اسلام اور قرآن کریم پر ہوتے تھے۔ ''السواد الاعظم'' نے جہاں غیر مسلموں کے منہ بند کیے، وہاں اپنے بامقصد اور معلوماتی مضامین کے باعث دینی اداروں کے طلبہ کے لیے بھی مشعل راہ ثابت ہوا۔ معمولی پڑھے لوگوں نے بھی ''السواد الاعظم'' کا خوش دلی اور دلچسپی سے خیر مقدم کیا۔ ''السواد الاعظم'' کی افادیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک دیہات میں معمولی طور پر تعلیم یافتہ شخص نے شدھی کی تحریک کا مقابلہ صرف اسی رسالہ کے مضامین کی بدولت کیا۔ اس شخص نے اس حد تک افادہ کیا کہ غیر مسلموں کے سوالات کے جوابات دیتا اور پھر خود بھی تناسخ اور دوسرے مسائل پر غیر مسلموں سے اپنے سوال کرتا۔

مفتی صاحب عملی سیاست سے بالکل علیحدہ رہے، لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ آپ کو قوم وملت اور مسلمانوں کی فلاح وبہبود سے دلچسپی نہ تھی۔ عملی سیاست سے علیحدگی کے باوجود آپ نے حصول پاکستان کے لیے جدوجہد کی۔ ۱۹۴۵ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کی حاصل کردہ نشستوں میں سے اکثر کے لیے آپ نے اہم

کردار ادا کیا۔ ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' جس کا تاریخی اجلاس بنارس میں منعقد ہوا تھا، اس میں بھی تائید پاکستان کی گئی تھی۔

تقسیم کے بعد آپ ۱۹۴۸ء میں اپنے استاذ محترم کے ہمراہ پاکستان تشریف لائے۔ لاہور، کراچی بہاول پور اور دیگر شہروں کا دورہ کیا اور یہاں آپ نے علوم کی ترویج و ترقی کا جائزہ لیا۔ ۱۹۵۱ء میں آپ مستقلاً پاکستان تشریف لے آئے اور کراچی میں ایک دینی ادارہ قائم کیا، جہاں حدیث، فقہ و تفسیر کی تعلیم کے انتظامات کیے، الحمدللہ یہ ادارہ اب بھی بیش بہا خدمات انجام دے رہا ہے۔ اس ادارہ سے بہت سے علماء فارغ ہو کر نکلے اور اب ملک کے مختلف حصوں میں ملک و ملت اور دین و مذہب کی بیش بہا خدمات انجام دے رہے ہیں۔

تفسیر، حدیث، فقہ اور فتوٰی میں آپ کے علمیت اور وسعت نظر کا اعتراف بڑے بڑے علماء نے کیا ہے۔ آپ اسلامی زندگی کا عملی نمونہ تھے۔ نمود و نمائش سے آپ کو نفرت تھی۔ شریعت کی پابندی کا یہ عالم تھا کہ تمام زندگی آپ نے فوٹو کھنچوانے سے احتراز کیا۔ حالانکہ آج کل بیشتر علماء اس بدعت کو اختیار کر چکے ہیں لیکن آپ کو اگر کسی جلسہ میں ایسا موقع پیش آیا کہ فوٹو گرافر کسی دوسرے کا فوٹو لے رہا ہے اور آپ کو خیال ہوا کہ ان کا فوٹو بھی آسکتا ہے، ایسے مواقع پر یا تو اپنا رخ تبدیل کر دیتے یا چہرہ پر رومال کی آڑ فرما لیتے، غرضیکہ دینی امور کے سلسلہ میں آپ کسی بدعت کے قائل نہ تھے۔ نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کو آپ نے اسی نظر سے دیکھا۔ مادی اشیاء کی آپ کے نزدیک کوئی وقعت نہ تھی بلکہ بہت سی دنیاوی چیزوں سے احتراز ہی کیا۔ چنانچہ آرام باغ میں تے آپ نے تقریباً ۱۵ سال تک خطیب کی حیثیت سے اعزازی طور پر خدمات انجام دیں یہاں تک کہ آمد و رفت کا خرچ بھی خود ہی برداشت فرماتے۔

افسوس! صد افسوس!! علم دین اور اسلامی زندگی کا یہ جگمگاتا چراغ ۷ ا مارچ ۱۹۶۶ء کو گل ہو گیا۔ خلق محمدی کا ایک نمونہ زیر زمین روپوش ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنے بے شمار الطاف کی بارش فرمائے۔ (انجام کراچی)

(رپورٹ: - فرزانہ احمد، سواد اعظم لاہور، ۱۵ مئی ۱۹۶۶ء)

تاج العلماء ایک مینارۂ نور

مفتی اہلسنّت حضرت علامہ مفتی محمد عمر نعیمی اشرفی علیہ الرحمۃ
کی دینی خدمات اور کارناموں پر مشتمل ایک اہم تحریر

تحریر و تحقیق: غلام مصطفیٰ نعیمی

(مدیر، سہ ماہی ''سوادِ اعظم'' دہلی)

صاف اس کو نہ کیا جائے تو جم جائے گی
گرد آئینہ کردار تک آ پہنچی ہے

مرادآباد کی سرزمین بڑی مردم خیز واقع ہوئی ہے یہاں علم وفضل کے ایسے ایسے آفتاب و ماہتاب پیدا ہوئے ہیں جن کی علمی ضیا پاشیوں سے ایک جہان روشن و منور ہے جنھوں نے اپنے علم وفن کے ذریعے ملک وملت کی مثالی خدمات کے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں اور آج بھی ان کے نقوش زندگانی فرزندان اسلامیہ کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہی نابغہ روزگار شخصیتوں میں محسن اہل سنت، محدث ومفسر، دست راست صدرالافاضل، تاج العلماء حضرت مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمہ ایک نمایاں شان کے حامل نظر آتے ہیں جو اپنی خدمات کے حوالے سے پوری دنیائے اہل سنت کی جانب سے شکریہ کے حقدار تھے اور ہیں، مگر افسوس! ہماری غفلت و بے حسی کی بدولت وہ گمنامی کی وادیوں میں گم ہو گئے۔ پاکستان کے

بارے میں تو وثوق سے نہیں کہتا کہ لیکن ہندوستان میں کتنے کان ہیں جو حضرت تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی کے نام نامی سے آشنا ہیں؟ خود ان کی آرزوؤں کے مرکز جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں بھی ایک عجیب سی خاموشی نظر آتی ہے، حالانکہ اسی ادارے کی تعمیر و ترقی، تدریس و اہتمام اور عروج وارتقاء کے لیے انہوں نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ قربان کیا مگر:

کہیں بھی کوئی دریچہ کھلا نہیں ملتا
میاں اس شہر میں کون لوگ رہتے ہیں

آج اس مضمون کو تحریر کرتے ہوئے بے پناہ خوشی وسکون کا احساس ہو رہا ہے کیونکہ حضرت تاج العلماء میرے سلسلہ علمی کے اساتذہ کی فہرست میں بھی شامل ہیں اور ان کی ادارت میں نکلنے والے ماہنامے ''السواد الاعظم'' مرادآباد کی نشاۃ ثالثہ کی سعادت بھی اسی ناچیز کے حصے میں آئی۔ اب آگے پڑھتے جایئے اور اندازہ لگایئے کہ ''اپنی ذات میں انجمن'' کے محاورے کا مطلب کیا ہے؟ اور حضرت تاج العلماء علیہ الرحمہ محسن اہل سنت کیوں کہے جاتے ہیں؟

ولادت باسعادت

حضرت تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمہ کی ولادت ۲۷، ربیع الآخر ۱۳۱۱ھ/ ۱۸۹۳ء کو مرادآباد کے ایک متوسط اور دین دار گھرانے میں ہوئی (۱)، آپ کے والد بزرگوار جناب محمد صدیق صاحب عمارتی لکڑی کے تاجر تھے۔ آپ مرادآباد کے ایک انتہائی خوش عقیدہ محلہ (کسرول کوچہ ڈھریا) میں رہتے تھے۔ جس کا نام اب حضرت خواجہ ہند کی نسبت سے ''خواجہ نگری'' ہے۔ آج بھی ۶ رجب المرجب کو اس محلے کی بہاریں دیکھتے ہی بنتی ہیں، گھر گھر فاتحہ، قرآن خوانی، حمد و نعت و منقبت کی نورانی محفلیں اور عطر و خوشبو سے مہکتے ہوئے گلی کوچے اور لوگوں کی چہل پہل سے لگتا ہے کہ جیسے شادی کا ماحول ہو۔ پورے مرادآباد میں اس محلے کی حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ سے وابستگی و شیفتگی ضرب المثل ہے۔ اسی خوش عقیدہ بستی میں حضرت تاج العلماء نے آنکھیں کھولیں، آپ اپنے والدین کی اکلوتی

اولاد تھے، اس وجہ سے آپ پورے گھر کے چہیتے اور دلارے تھے۔

ولادت سے پہلے نانا جان کی منت

حضرت تاج العلماء علیہ الرحمہ کی پیدائش سے پہلے آپ کے کئی بھائی صغرسنی میں ہی انتقال کر چکے تھے جس کی وجہ سے بھی اہل خانہ غمگین رہا کرتے تھے۔ اس وجہ سے آپ کے نانا جان شیخ کرامت علی نے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں منت مانی کہ اگر میری بیٹی کے گھر کوئی بیٹا پیدا ہوا اور زندہ رہا تو میں اسے دین مصطفیٰ کی تبلیغ و اشاعت کے لیے وقف کر دوں گا۔ دل سے نکلی ہوئی دعا باب اجابت سے ٹکرائی، مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی کام آیا اور آپ بفضل ربی زندہ رہے اور دین مصطفیٰ کی تبلیغ کے لیے وقف کر دیے گئے۔ (۲)

تعلیم و تربیت

آپ کی ابتدائی تعلیم جناب منشی شمس الدین صاحب کے یہاں شروع ہوئی ابتدائی کتابیں اور ناظرہ الحاج حافظ محمد حسین صاحب سے پڑھا جب کہ فارسی اور صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں حضرت مولانا نظام الدین علیہ الرحمہ سے پڑھیں۔ (۳)

اس کے بعد آپ کے نانا جان آپ کو لے کر امام الہند حضرت صدر الافاضل کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ حضرت صدر الافاضل نے آپ کی آزمائش کے طور پر آپ سے ایک سوال کیا۔ اتفاق سے آپ اس کا درست جواب نہیں دے سکے اس پر حضرت صدر الافاضل نے فرمایا بیٹا کیا آپ کے استاذ نے یہی پڑھایا ہے۔ حضرت تاج العلماء نے عرض کیا کہ حضور استاذ محترم نے تو ٹھیک پڑھایا تھا مگر مجھے یہی یاد رہا۔ (۴)

تاج العلماء کا یہ ادب دیکھ کر حضرت صدر الافاضل نے آپ کو اپنی آغوش میں لے لیا اور پھر اپنی زندگی کی آخری سانس تک حضرت تاج العلماء کو اپنے ساتھ ہی رکھا، اولاد سے بڑھ کر محبت سے نوازا، اپنے اخیر وقت میں اپنے بڑے شہزادہ صدر العلماء حضرت سیّد محمد ظفر الدین نعیمی علیہ الرحمہ سے فرمایا: ''مولانا محمد عمر کی امانت، دیانت، محبت میری جانچی ہوئی ہے۔ تمہاری سب کی سعادت اسی میں ہے کہ ان کے قدم دھو کر پیو، ان کے کاموں میں

دخیل نہ ہو، یہ میرے معتمد اور مخلص ہیں"۔(۵)

تاج العلماء کی دستار فضیلت

جب حضرت تاج العلماء اپنی عمر کے انیسویں سال میں داخل ہوئے تو آپ نے مروجہ علوم عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل فرمائی اور حضرت صدر الافاضل کی جوہر شناس نگاہوں کے سائے میں رہ کر آپ سے ادب عربی میں کمال پیدا کیا اور ساتھ ہی ساتھ فن طب میں بھی استاذ محترم سے خوب خوب فیض حاصل کیا۔ اب انتظار ہونے لگا اس وقت کا جب اکابرین اہل سنت کے مبارک ہاتھوں سے سر پر نیابت رسول کا تاج زریں رکھا جائے گا، کشاں کشاں وہ حسین ساعت بھی آ ہی گئی کہ جب جامعہ نعیمیہ کے صحن میں علم وفضل کے وہ مشاہیر وارد ہوئے، جن کے علم وفضل کے آفتاب سے باطل طاقتوں کا ظلمت کدہ چکنا چور ہوا اور ایوان باطل میں ایسا شگاف پڑا کہ آج بھی اس کے نشانات نظر آتے ہیں۔

دستار فضیلت میں اعلیٰ حضرت کی آمد

ماہ صفر المظفر ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء کو ایک ایسا مبارک دن آیا جس پر اہل مراد آباد جتنا ناز کریں اتنا کم ہے۔ موقع دستار فضیلت کا ہے اور اس میں سرپرست اعلیٰ کی حیثیت سے عالم اسلام کے فقیہ اعظم، مجدد اعظم اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ اپنے عالمانہ وعارفانہ وقار وتمکنت کے ساتھ جلوہ بار ہوئے۔ ہر طرف اہلاً وسہلاً کی صدائیں بلند ہوئیں پورا مراد آباد ایک جھلک دیکھنے کے لیے دیوانہ وار جامعہ کی طرف دوڑ پڑا، پورے شہر میں ایک عید کا سا سماں، ہر چہرہ شاداں وفرحاں، اپنی آنکھوں میں امام عشق ومحبت کے جلوے بسا لینے کی تمنا لیے ہزاروں فرزندان توحید جامعہ نعیمیہ کے صحن میں اکٹھے ہوگئے۔

اسٹیج سج گیا اور ادھر امام عشق ومحبت اپنی آرام گاہ سے نکل کر اسٹیج کی طرف قدم رنجہ ہوئے، آگے آگے حسان الہند ہیں اور آپ کے جلو میں اساطین علم وفن کی جماعت ہے جس میں شہزادۂ اکبر حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں، ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین بہاری، صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی اعظمی، مولانا محمد فاخر علی اجملی، حضرت مولانا شاہ

عبدالمقتدر بدایونی، مولانا محب احمد بدایونی، مولانا عبدالماجد بدایونی، مولانا شاہ سلامت اللہ رامپوری، مولانا اعجاز حسین رامپوری علیہم الرحمہ جیسی نابغہ روزگار ہستیاں تھیں۔ (۶)

اہل مراد آباد آج اپنے مقدر پر نازاں تھے کہ ان کے درمیان جماعت اہل سنت کے وہ آفتاب و ماہتاب موجود تھے جن کے وجود مسعود سے ایک زمانہ روشن و تابناک ہے۔ کتنی خوش نصیب تھیں وہ آنکھیں جنہوں نے ان عارفان حق کے جلووں سے اپنی آنکھوں کو محظوظ کیا، اسی عالم میں وہ ساعت بھی آئی جب صدرالافاضل کی گزارش پر اعلیٰ حضرت عظیم البرکت نے آگے بڑھ کر مفتی محمد عمر نعیمی کے سر پر اپنے دست مبارک سے دستار فضیلت کا تاج زریں رکھ کر انہیں ''تاج العلماء'' بنا دیا۔

تدریسی زندگی کا آغاز

درس نظامی کی تکمیل کے بعد حضرت صدرالافاضل نے آپ کو جامعہ میں ہی روک لیا۔ اس طرح آپ کی تدریسی زندگی جامعہ ہی سے شروع ہوئی اور یہیں سے آپ نے چشمہ علم سے تشنگان علوم کو سیراب کرنا شروع کیا۔

حضرت تاج العلماء کے شہزادہ حضرت مفتی محمد اطہر نعیمی دام ظلہ راقم کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''راقم الحروف (مفتی اطہر نعیمی) کے والد تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی قدس سرہ صدرالافاضل کے ابتدائی شاگردوں میں سے تھے اور بقول مولانا غلام محی الدین صاحب مرحوم صدرالافاضل کے ابتدائی شاگردوں کے استاذ بھی تھے۔ والد محترم صدرالافاضل کے ان شاگردوں میں سے تھے جنہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ صدرالافاضل کی خدمت میں گزارا''۔

جامعہ نعیمیہ جو پہلے ''انجمن اہل سنت و جماعت'' کے نام سے موسوم تھا اس میں مدرس، مہتمم اور مدرس اوّل کی حیثیت سے گزارا۔ السواد الاعظم کے مدیر بھی رہے اور نعیمی پریس کی نگرانی بھی انہیں کے سپرد تھی''۔ (۷)

تاج العلماء کے متعلق آپ کے شہزادے کی بات محض اپنے والد سے محبت نہیں بلکہ ایک ٹھوس حقیقت اور اٹل سچائی ہے۔ آپ واقعی صدر الافاضل کے شاگردوں کے استاذ ہیں۔ آپ کی فراغت ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۱۱ء کو ہوئی۔ بعد فراغت آپ نے وہیں پڑھانا شروع کر دیا اور یہ سلسلہ تدریس ۱۹۵۱ء تک چلا اس طرح قریب چالیس سال آپ جامعہ میں مسند تدریس سجائے رہے۔ یہی وہ دور ہے جب جامعہ میں حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی (زمانہ تعلیم ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۴ء) مفتی امین الدین بدایونی (۱۹۴۰ء تا ۱۹۴۵ء) امام النحو علامہ غلام جیلانی میرٹھی (۱۹۲۰ء تا ۱۹۲۳ء) مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اڑیسوی (سن مذکورہ)، شمس العلماء، قاضی شمس الدین جونپوری (سن مذکورہ) حافظ ملت حضرت مولانا عبد العزیز مرادآبادی (سن مذکورہ)، مفکر ملت حضرت مفتی غلام معین الدین نعیمی مدیر ہفت روزہ سواد اعظم لاہور اور مفتی محمد حسین نعیمی علیہم الرحمہ جیسے اکابرین اہل سنت جامعہ نعیمیہ کے طالب علم رہے، جہاں حضرت صدر الافاضل کے علاوہ مفتی محمد عمر نعیمی بھی اپنی مسند علم سے گوہر علم تقسیم کر رہے تھے۔

اس لیے میں کہنے میں حق بجانب ہوں کہ جو طالب علم کسی ادارے میں چار سے پانچ سال گزارے وہ ضرور اس ادارے کے سبھی اساتذہ سے اکتساب علم کر چکا ہوتا ہے اور پھر آج سے چالیس پچاس سال پہلے جو ماحول تھا وہ تو اب نظر بھی نہیں آتا آج تو ایک استاذ پانچ چھ کتابوں سے زیادہ کتابیں پڑھاتے ہی نہیں الا ماشاء اللہ لیکن مفتی صاحب تدریس سے کس قدر لگاؤ رکھتے تھے۔

اس کے بارے میں آپ کے عزیز شاگرد مفتی جمیل احمد نعیمی تحریر فرماتے ہیں:

> ''احقر نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ مفتی صاحب اپنی کبر سنی کے باوجود ایک وقت میں میزان سے لے کر دورہ حدیث تک سولہ سولہ اسباق پڑھاتے تھے''۔(۸)

جس دور کا تذکرہ آپ کی نگاہوں سے گزرا یہ بھی تاج العلماء کا آخری دور تھا جب

آپ مراد آباد میں نہیں کراچی میں تھے اور جوان نہیں بلکہ شیخوخیت (بزرگی) کی منزل میں تھے۔ جب اخیر دور کا یہ عالم تھا تو جوانی میں مفتی صاحب کے درس دینے کا عالم کیا ہوگا؟ اس لیے بجا طور پر یہ کہا جانا مناسب ہے کہ آپ صدر الافاضل کے شاگردوں کے استاذ ہیں اور اس طرح ہندوستان کی اکثر درس گاہیں کہیں نہ کہیں صدر الافاضل کے فیضان کے ساتھ ساتھ فیضان تاج العلماء کی مرہون منت بھی ہیں۔

راقم اپنی اس بات کو جامعہ کے رجسٹر داخلہ کے اعداد وشمار سے مزید ثابت کرتا مگر افسوس وہ سب رجسٹر نہ جانے کہاں غائب ہو گئے، تلاش بسیار کے باوجود نہ مل سکے۔ بعد میں پتا لگا کہ وہ رجسٹر خانوادہ صدر الافاضل کے پاس محفوظ ہیں، ناچیز کی درخواست پر انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ جلد ہی ان رجسٹروں کو عطا فرمائیں گے، جیسے ہی وہ رجسٹر ملتے ہیں فوراً ہی اس امر کو اعداد وشمار سے مدلل پیش کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ

خدمت افتاء

حضرت مفتی صاحب جہاں دیگر علوم وفنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے، وہیں آپ فقہ وافتاء سے بھی خصوصی لگاؤ رکھتے تھے۔ حضرت کے فتاویٰ کتابی صورت میں تو میری نگاہ سے نہیں گزرے (ہندوستان کی حد تک تو یقیناً اور پاکستان میں بھی غالباً مفتی صاحب کے فتاویٰ کتابی صورت میں مدون نہیں ہو سکے ہیں، اس طرف بھی دھیان دیے جانے کی ضرورت ہے) لیکن ہاں! ماہنامہ السواد الاعظم (جس کے آپ مدیر اعلیٰ تھے) میں آپ کے کچھ فتاویٰ مطالعے میں آئے جنہیں دیکھ کر اندازہ ہوا کہ مفتی صاحب اس میدان کے بھی ماہر تھے۔ بات بے دلیل نہ رہ جائے اس لیے آپ کا ایک فتویٰ نقل کیا جا رہا ہے جس سے ہماری بات کی تائید بھی ہوتی ہے اور مفتی صاحب کے ماہر فقہ وافتاء ہونے پر روشنی بھی پڑتی ہے۔

حضرت صدر الافاضل نے اپنے ایک فتوے میں قرآن کی ایک آیت تبیاناً لکل شئی سے علم غیب ما کان وما یکون پر استدلال کیا تھا۔ جس پر اعتراض کرتے ہوئے ایک شخص نے سوال کیا "کہ آیت کریمہ میں کل شئی وارد ہے۔ کیا دلیل ہے کہ وہ کل

احاطہ کے لیے ہی ہو اور جمیع اشیاء ہی مراد ہوں ،ممکن ہے کہ اس سے احاطہ مقصود نہ ہو جیسے قرآن پاک میں دوسری جگہ **واوتیت من کل شئی** وارد ہوا ہے اور وہاں کل سے احاطہ جمیع اشیاء کا مراد نہیں ہے''۔

اپنے استفتاء میں سائل نے نقد کیا ہے کہ کل ہمیشہ احاطہ کے لیے نہیں ہوتا بلکہ بعضیت کے لیے بھی ہوتا ہے اور دلیل میں قرآنی آیت بھی پیش کی اس سے آپ سائل کا اندازہ بھی بخوبی لگا سکتے ہیں کہ وہ کوئی عامی انسان نہیں تھا بلکہ کوئی تعلیم یافتہ انسان تھا۔اس کا جواب دیتے ہوئے تاج العلماء رقم طراز ہیں:

> ''کلمہ کل احاطہ کے لیے موضوع ہے اور لفظ اپنے موضوع لہ پر دلالت کرنے میں دلیل خارجی کا محتاج نہیں ہوتا ورنہ وضع عبث اور لغت بے اعتبار ہو جائے''۔

آگے فرماتے ہیں کہ کسی کلمے کا معنی مجازی میں مستعمل ہو جانا یہ لازم نہیں کرتا کہ ہر جگہ اس سے وہی معنی مجازی مراد لیے جائیں اور کہیں بھی وہ اپنے حقیقی معنی میں مستعمل نہ ہو یا حقیقی معنی مراد ہونے کے لیے کسی اور دلیل کی حاجت پڑے۔اس مسئلے کی کامل تنقیح و تحقیق **الکلمۃ العلیاء** میں ہے اگر ہمارے عنایت فرما **الکلمۃ العلیاء** کا مطالعہ کرتے تو انہیں زحمت سوال برداشت کرنا نہ پڑتی۔آپ یہ غور کیجیے کہ قرآن پاک میں شئی کے اوپر کل کا لفظ اور جگہ بھی وارد ہے'' **ان اللہ علیٰ کل شئی قدیر ،وھو بکل شئی علیم ،و کان اللہ بکل شئی محیطاً** '' تو کیا معترض کے نزدیک سب جگہ کل بمعنی بعض ہی ہے؟نہیں تو تبیاناً لکل شئی میں کل بمعنی بعض ہونے پر اس کے پاس کون سی نص موجود ہے؟

آگے اپنے مدعا کو مزید ثابت کرتے ہوئے مفتی صاحب فرماتے ہیں'' مختلف عبارات سے حضور سیّد عالم ﷺ کے لیے جمیع اشیاء کا علم ثابت ہو رہا ہے ایک حدیث ہے:

اخبرنا عن بدء الخلق حتیٰ دخل اھل الجنۃ منازلھم واھل النار منازلھم:

ترجمہ: ''سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خبر دی ابتدائے آفرینش سے لے کر جنتی و جہنمیوں کے اپنی اپنی منزلوں میں داخل ہو جانے تک کی''۔

دوسری حدیث میں ہے:

ما ترك شيئاً يكون في مقامه ذالك الى قيام الساعة

ترجمہ: ''قیامت تک ہونے والی کوئی چیز نہ چھوڑی''۔

تیسری حدیث مسلم میں ہے:

زوی لی الارض فرأیت مشارقها و مغاربها۔

ترجمہ: ''زمین میرے لیے سمٹی اور میں نے اس کے مشارق و مغارب کو دیکھا''۔

چوتھی حدیث، طبرانی میں ہے:

انا أنظر اليها والى ما هو كائن فيها الى يوم القيامة۔

ترجمہ: ''میں دنیا اور اس میں ہونے والے قیامت تک کے تمام امور کو دیکھ رہا ہوں''۔

یہ سب احادیث کیا اس مدعا کے لیے ناکافی ہیں کہ آیت میں لفظ کل اپنے احاطے اور استغراق پر ہے اور احتمال تخصیص عاطل و باطل، میں امید کرتا ہوں کہ اس قدر تحریر میرے عنایت فرما کی تسکین خاطر کے لیے کافی ووافی ہوگی''۔(۹)

مذکورہ فتوے کے اقتباس سے آپ تاج العلماء کے انداز استدلال، دلائل کی کثرت اور طرزِ تحریر کی شگفتگی و شیفتگی کا اندازہ بخوبی لگا سکتے ہیں۔ عموماً دار الافتاء کی زبان خشک اور سخت تصور کی جاتی ہے مگر حضرت تاج العلماء کے انداز تحریر کو دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ انہیں الفاظ پر کس قدر قدرت حاصل تھی کہ خشک موضوع کو بھی اپنے ''زورِ قلم'' سے خوبصورتی کا مرقع بنا دیا۔ کاش! آپ کے سارے فتاویٰ کتابی صورت میں مدون ہو جائیں تو ملت اسلامیہ کے لیے بڑا فائدہ ہوگا۔ اس طرف حضرت مفتی محمد اطہر نعیمی صاحب (شہزادہ تاج العلماء) توجہ فرمالیں تو کام آسان ہو جائے گا۔ اگر اس ناچیز کے لائق کوئی خدمت ہو تو بسر و چشم تیار ہوں۔

دورانِ تدریس کلکتہ سے بلاوا

جن دنوں حضرت تاج العلماء جامعہ نعیمیہ میں درس وتدریس کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے تھے انہیں دنوں مدرسہ عالیہ کلکتہ میں نائب صدر مدرس (Vice Pirnicpil) کی جگہ خالی ہوئی۔ خلیفہ اعلیحضرت محسن ملت الحاج لعل خان صاحب مرحوم کے بھتیجے اور فرزند نسبتی حاجی عبد العزیز خان صاحب نے فوراً ہی حضرت تاج العلماء سے رابطہ کیا اور ان کو وہاں چلنے پر زور دیا۔ جب آپ نے حضرت صدر الافاضل سے مشورہ کیا تو صدر الافاضل نے فرمایا:

"مولانا اگر آپ وہاں کثیر مشاہرہ کی وجہ سے چلے گئے تو یہاں دین کی خدمت کرنے کے لیے کون آئے گا"؟

استاذ محترم کی زبان سے نکلے ہوئے یہ جملے تاج العلماء کو تڑپا گئے۔ آخر کون استاذ کہہ رہا ہے؟ وہ استاذ، جو خود اپنی ہستی کو ملت اسلامیہ کے لیے وقف کر چکا ہے، جس استاذ نے دنوں کا چین اور راتوں کی نیند قوم کے نام کر دی۔ ایسے مخلص استاذ کی بات آپ کو اندر تک تڑپاتی چلی گئی۔ جب گھر پہنچے تو آپ کی والدہ محترمہ ذکیۃ النساء صاحبہ نے فرمایا:

"میاں اگر پتھر بھی ایک جگہ پڑا رہتا ہے تو نشان راہ بن جاتا ہے تم نے عمر عزیز کے بیش تر سال اس ادارے کی خدمت میں صرف کیے ہیں لہذا یہیں رہنا زیادہ مناسب ہے۔ رہا دنیا کا سوال؟ تو وہ آتی جاتی ہے قدرت کو اگر دینا ہے تو یہیں انتظام ہو جائے گا"۔

تڑپ تو دل میں پہلے ہی موجود تھی والدہ کی باتیں مزید دل میں گھر کر گئیں اور آپ نے حاجی عبد العزیز صاحب سے معذرت کرتے ہوئے صدر الافاضل اور جامعہ کو چھوڑ کر جانے سے منع کر دیا۔ (۱۰)

حضرت صدر الافاضل سے محبت وعقیدت

یوں تو ہر شاگرد کو اپنے استاذ سے کچھ نہ کچھ انس ہوتا ہی ہے۔ مگر کچھ شاگرد ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی عقیدت ومحبت کی ابتدا وانتہا استاذ کی ذات ہی ہوتی ہے۔ تاج العلماء

ایسے ہی ''برلے'' شاگرد تھے جنہوں نے محض اپنے استاذ کی محبت کی خاطر جامعہ میں قلیل مشاہرہ پر تدریس کی ذمہ داری ہی نہیں اٹھائی بلکہ حضرت صدرالافاضل نے پورا جامعہ ہی آپ کو سونپ دیا تھا۔ تاج العلماء نے جامعہ میں مدرس، مہتمم، نگراں نعیمی پریس، اور اس کے علاوہ مختلف اوقات میں کورٹ کچہری میں وکالت کی ذمہ داریاں تن تنہا اٹھا کر جہاں ایک طرف اپنے استاذ سے قلبی محبت کا ثبوت دیا تو وہیں طبقہ علماء کو یہ پیغام بھی دیا کہ:

ع ہے جذبہ جنوں تو ہمت نہ ہار

ہمارے استاذ محترم مولانا یامین صاحب نعیمی اپنے تایا مولانا یونس نعیمی سابق مہتمم جامعہ نعیمیہ کے حوالے سے تاج العلماء کی صدرالافاضل سے محبت کے بارے میں بتاتے ہیں کہ:

''آپ صبح کو اپنے گھر خواجہ نگری سے جامعہ کے لیے نکلتے تو راستے میں سب سے پہلے صدرالافاضل کا محلہ نیاریان (چوک حسن خان) پڑتا ہے۔ آپ صدرالافاضل کی بارگاہ میں حاضری دیتے اور اس کے بعد جامعہ تشریف لاتے اور پھر اس کے بعد حضرت صدرالافاضل کی درس گاہ خود اپنے ہاتھوں سے لگاتے''۔

مولانا یامین صاحب ایک اور واقعہ اپنے والد حافظ محمد اصغر مرحوم کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں:

گرمیوں کا موسم تھا حضرت صدرالافاضل اپنی نشست گاہ میں آرام فرما رہے تھے، میرے والد آپ کے حجرے کے دروازے پر پہنچے اور ہلکا سا دروازہ کھول کر دیکھا کہ آپ لیٹے ہوئے ہیں۔ آہٹ ہونے پر صدرالافاضل نے میرے والد کو اندر بلایا اور حکم دیا کہ جاؤ مولانا محمد عمر کو بلا کر لاؤ۔

والد صاحب دوڑتے ہوئے آپ کے گھر پہنچے اور صدرالافاضل کا پیغام آپ کو سنایا۔ تاج العلماء جامعہ سے پڑھا کر گھر پہنچے تھے، دسترخوان لگا ہوا تھا اور آپ پہلا نوالہ توڑ چکے تھے بس منہ میں رکھنے ہی والے تھے کہ صدرالافاضل کا پیغام آ گیا، بس پھر کیا تھا فوراً

ہی نوالہ واپس رکھا اور چلنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ آپ کی اہلیہ محترمہ نے عرض کی پانچ دس منٹ لگیں گے پہلے کھانا کھالیں اس کے بعد چلے جائیں، پتا نہیں کون سا کام ہو اور کتنا وقت لگ جائے۔ یہ بات سن کر تاج العلماء نے فرمایا ضرور کوئی اہم بات ہوگی ورنہ اتنی عجلت میں حضرت نہیں بلاتے۔ میں کھانا بعد میں کھالوں گا پہلے حضرت سے ملاقات کر آؤں۔

جامعہ پہنچ کر صدر الافاضل کی بارگاہ میں حاضری دی اور بلانے کا سبب دریافت کیا تو حضرت صدر الافاضل نے فرمایا:

''مولانا! میں نے تم سے کہا تھا کہ میرے ذاتی کتب خانہ میں جتنی کتابیں ہیں، میں نے وہ سب جامعہ کے لیے دے دی ہیں آپ ان سب کو جامعہ کے کتب خانہ میں رکھوا دینا لیکن آپ نے ابھی تک بھی اس کام کو پورا نہیں کیا، اگر میری آنکھ بند ہو گئی تو یہ ساری کتابیں وارثین کے حصے میں آئیں گی اور آپ کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوگی کہ حضرت ان سب کتابوں کو جامعہ کے لیے کہہ گئے ہیں فوراً ساری کتابیں میرے گھر سے جامعہ منتقل کرو''۔

اپنے مشفق استاذ کا یہ مخلصانہ جذبہ دیکھ کر تاج العلماء کھانا چھوڑ کر چند طلبہ کو ساتھ لے کر کتابیں منتقل کرنے میں جت گئے دوپہر سے شام ہو گئی، تب کہیں جا کر یہ کام مکمل ہوا اور اس کے بعد ہی آپ گھر واپس تشریف لائے۔

جب میں نے یہ بات سنی تو بے اختیار دل سے آواز نکلی اے تاج العلماء! تمہاری تربت پر صبح و شام رحمت خداوندی کی گھنگھور گھٹائیں برسیں۔۔۔ تمہارے مرقد پر انوار و تجلیات کی بارشیں نازل ہو کر زمانے کی تشنگی بجھا دیں۔۔ تمہارے فیضان سے دنیا فیضیاب ہو۔۔ تم نے استاذ کی محبت کے ایسے سبق پڑھائیں ہیں کہ رہتی دنیا تک لوگ تمہیں یاد رکھیں گے۔

مفتی جمیل احمد نعیمی مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں:

''راقم الحروف جب زیر تعلیم تھا تو دوران درس مفتی صاحب علیہ الرحمہ کو یہ فرماتے ہوئے دیکھا کہ میں جوتیوں میں بیٹھنے کے لائق تھا مگر یہ حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ کی کفش برداری کا صدقہ ہے کہ میں آج اس مسند درس وتدریس اور رشد وہدایت پر متمکن ہوں۔اس کے علاوہ راقم الحروف نے یہ بھی بارہا دیکھا ہے کہ اسباق شروع کرنے سے پہلے اپنے استاذ محترم کی روح پرفتوح کے لیے ایصال ثواب فرماتے اور اس کے بعد اسباق کا آغاز فرماتے۔اللہ اللہ اس عقیدت ومحبت کی بھی کوئی انتہا ہے''۔(۱۱)

شرف بیعت

تاج العلماء نے شرف بیعت واقف اسرار طریقت، ہم شبیہ غوث اعظم حضرت شاہ علی حسین اشرفی میاں علیہ الرحمہ سے پایا۔اس طرح علوم ظاہری و باطنی دونوں کی تکمیل ''سیّدین'' کے مبارک وجود سے ہوئی۔شیخ المشائخ کی بارگاہ میں حضرت تاج العلماء کا مقام ومرتبہ کیا تھا، اس کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ آپ نہ صرف اشرفی میاں سے شرف بیعت رکھتے تھے بلکہ خلافت کے ساتھ ساتھ مجاز بیعت کے انعام سے بھی سرفراز تھے۔آپ کو اجازت حاصل تھی کہ آپ اپنے ہاتھ پر اپنے پیرومرشد کے لیے لوگوں کو بیعت کر سکتے ہیں۔حضرت شیخ المشائخ کی بارگاہ سے جب آپ کو خلافت ملی تو آپ کو ''فاروق اللہ'' کا خطاب عطا ہوا۔آپ کے پیرومرشد آپ سے فرمایا کرتے تھے:

مولانا نہ تو آپ کو مشائخ کی طرح عبادت وریاضت اور مجاہدوں کی ضرورت ہے اور نہ کسی اور عمل کی آپ کی عبادت وریاضت یہ ہے کہ آپ درس وتدریس کی خدمت انجام دیتے رہیں''۔(۱۲)

حضور سیّد عالم ﷺ سے بے پناہ محبت

حضرت تاج العلماء علیہ الرحمہ دیگر تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ عشق رسالت مآب

صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت سے بھی سرفراز تھے، جو ایک مومن کی زندگی کا اصل سرمایہ ہے۔

دیوانگیٔ عشق بڑی چیز ہے سیماب
یہ ان کا کرم ہے جسے دیوانہ بنا دیں

حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہا درجے کی محبت ہی تھی کہ آپ کے نوکِ قلم سے حضور جانِ جاناں صلی اللہ علیہ وسلم کی الفت و محبت میں الفاظ نہیں بلکہ عشق و محبت کے آبشارے پھوٹتے تھے، الفتِ رسول کے جل ترنگ بجتے تھے اور عشاقانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آپ کے الفاظ، الفاظ نہیں موتیوں کا درجہ رکھتے تھے جسے وہ اپنی آنکھوں سے چن کر بے چین دلوں کو قرار بخشتے تھے۔

آقائے کریم علیہ السلام کی آمد کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''فی الحقیقت حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ اہل دنیا کے لیے اعلیٰ ترین نعمت اور بہترین دولت ہے اس کی یادگار قائم کرنا اور جب وہ مبارک دن آیا کرے اس روز نعمت عظمیٰ کی شکرگزاری اور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ جمیل، حضور کے اوصاف و کمالات، حضور کے اخلاق و عادات، حضور کے عبادات و ریاضات، حضور کے معجزات، حضور کا زہد اور حضور کی ولادت مبارکہ کا بیان اور اس پر فرح و سرور اور خداوند عالم کا شکریہ مسلمانوں کا ایمانی جذبہ ہونا چاہیے''۔ (۳)

اس کے کچھ سطر بعد تاج العلماء تحریر فرماتے ہیں:

''(وہ نبی) جس نے مادی تاریکیوں اور نفسانی ظلمتوں کے سمندروں سے نکال کر عالم انوار میں پہنچایا ہے، جس نے نفس کو رذائل سے پاک کر کے فضائل سے مزین کیا ہے، جس نے خداشناسی کے اصول بتائے ہیں اس کی نعمت کا پہچاننا، اس کی تشریف آوری کو سب سے بڑی دولت سمجھنا اس روز فرح و سرور کا اظہار کرنا، نیاز کیش پرورہ احسان کی سعادت ہے۔ جس کے احسانات نے ہمیں دین و دنیا کی عزت عطا

فرمائی اور جس کے احکام پر ہماری زندگی کا لمحہ لمحہ قربان ہے''۔(۱۴)

ایک دوسرے مقام پر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکرِ جمیل کی ضرورت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آقا کا ذکر، مولیٰ کی توصیف بندے کی سعادت ہے۔ وہ بندہ ہی کیا جس کے دل میں اس کے سید و سرور کی یاد نہ ہو، وہ مسلمان ہی کیا جس کے دل میں حضور کی محبت نہ ہو''۔(۱۵)

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تاج العلماء کی وابستگی کے بارے میں آپ کے شہزادے مفتی محمد اطہر نعیمی صاحب کا بیان ہے:

حج بیت اللہ کی حاضری سے پہلے جب تاج العلماء فقہ و حدیث کی کتابیں پڑھاتے تو جب کتاب الحج کا بیان آتا تو آپ سبق پڑھاتے ہوئے ایسی منظر کشی فرماتے چلیے کہ آپ نے یہ مقامات اپنی آنکھوں سے دیکھ رکھے ہیں۔ حضرت صدر الافاضل کے خادم خاص حاجی احمد حسن کہتے تھے مولانا آپ تو ایسی منظر کشی کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ان مقامات کی زیارت کی ہے، یہ سن کر مفتی صاحب فرماتے حاجی صاحب جب میں پڑھاتا ہوں تو بظاہر یہاں ہوتا ہوں لیکن میرا دل وہیں ہوتا ہے۔(۱۶)

زیارت حرمین شریفین

مفتی صاحب دو مرتبہ زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔ پہلی مرتبہ ۱۹۳۸ء میں آپ نے حضرت صدر الافاضل کی بابرکت معیت میں حج بیت اللہ کا سفر فرمایا۔ اپنے اس سفر پر مفتی صاحب بڑا ناز کرتے تھے اور کیوں نہ کرتے آخر اپنے مربی و استاذ کے ساتھ اتنی بڑی عبادت کا موقع ملنا یقیناً سعادت کی بات ہے۔ اسی لیے مفتی صاحب بطور تحدیثِ نعمت اس سفرِ حج کا تذکرہ کرتے رہتے تھے۔

دوسری مرتبہ آپ نے ۱۹۶۳ء میں پاکستان سے سفرِ حج کے لیے ارادہ فرمایا۔ اس سفر میں آپ کے ہمراہ آپ کے عزیز شاگرد حضرت مولانا مفتی جمیل احمد نعیمی ضیائی بھی تھے۔

وہ اپنے استاذ کی مکہ و مدینہ میں حاضری کی کیفیت بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

(استاذ محترم) مکہ مکرمہ میں اور دیگر مقامات پر مناسک حج ادا کرتے ہوئے اگر تصویر حیرت نظر آئے تو مدینہ طیبہ میں آپ کو بارگاہ نبوت و رسالت میں پیکر ادب و احترام پایا۔ صلوٰۃ وسلام پیش کرتے ہوئے آنکھوں کو پرنم اور زبان کو التجا کناں پایا۔ اللہ اللہ حضور اکرم ﷺ سے ادب و احترام کا یہ عالم کہ مسجد نبوی شریف میں رسول اکرم ﷺ کے مصلی و محراب میں جب نفل ادا کرنے کے لیے حاضر ہوتے ہیں تو آپ اپنا سر مبارک سجدہ کی حالت میں اس جگہ رکھتے ہیں جہاں رسول مقبول ﷺ اپنے قدم میمنت لزوم رکھا کرتے تھے''۔ (۱۷)

ماہنامہ ''السواد الاعظم'' کا اجراء

فقہ و حدیث اور درس و تدریس کے علاوہ آپ ملکی و سماجی حالات پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ یہ سب اوصاف آپ کو اپنے محسن و مربی حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ سے ورثہ میں ملے تھے۔ میدان صحافت میں اہل سنت کی مضبوط نمائندگی کے لیے جب حضرت صدر الافاضل نے ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء میں مراد آباد سے ماہنامہ السواد الاعظم جاری فرمایا تو آپ کی قلمی صلاحیت، ملکی و ملی معاملات پر گہری نظر اور مدیرانہ صلاحیتوں کی بنیاد پر آپ کو اس اہم رسالے کا مدیر منتخب فرمایا۔

رسالہ السواد الاعظم اپنے عہد میں ملت اسلامیہ کی مضبوط آواز، قومی معاملات پر گہری نظر رکھنے والا پاسبان اور تمامی اہل سنت کی جانب سے بے باک رائے دینے والا آرگن تھا۔ اس رسالے کی اہمیت بیان کرتے ہوئے حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

''یہ جریدہ ربع صدی سے زیادہ عرصے تک علوم اسلامیہ اور سنیت کا سرگرم نقیب رہا حالات حاضرہ اور ملکی سیاست پر زبردست تنقید و تبصرہ

کے علاوہ دینی نقطہ نظر سے راہنمائی کے فرائض بھی انجام دیتا رہا"۔ (۱۸)

مجلہ السواد الاعظم میں تاج العلماء نے ہر طرح کے موضوعات پر خامہ فرسائی فرمائی ہے۔ انداز تحریر ایک دم شگفتہ، اسلوب نہایت دل کش، الفاظ بڑے شستہ آج بھی تاج العلماء کی تحریر پڑھو تو ایسا لگتا ہی نہیں کہ یہ ستر اسی سال پرانی اردو ہے۔ بالکل موتیوں کی لڑی کی طرح ایک سوت میں پروئی ہوئی تحریر ایک موتی اٹھاؤ کہ سارے موتی بکھرنے لگیں اور اپنی خوش نمائی سے قاری کے ذہن ودل میں اپنی جگہ بنالیں۔

مشتے نمونہ از خروارے

تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمہ کو حضرت صدر الافاضل کی ہی کی بارگاہ سے سب کچھ ملا تھا۔ اس لیے آپ کا طرزِ تحریر بھی صدر الافاضل سے ملتا جلتا اور آپ کی طرح ہی دلکش ورنگین تھا۔ آپ کی تحریروں کے چند نمونے ہدیہ قارئین ہیں۔

☆ "ان کی آنکھیں دیکھتی ہیں کہ تمام کائنات کے علوم کے دریا اس بحرِ بیکراں سے مالا مال ہیں جس کی شناوری وغواصی انہیں محبوب خدا ﷺ کی غلامی کی بدولت حاصل ہے"۔

☆ "عالم کے غارت گر ہاتھ جو دنیا میں اپنے ادوار اور انقلابات سے صفحۂ ہستی پر تغیرات کے عجیب وغریب نقش کھینچا کرتے ہیں، فلک سی بلندیوں کو پست اور پستیوں کی بلند آبادیوں کو ویران، ویرانوں کو آباد کر ڈالتے ہیں اس کتاب مقدس کے حروف کی کشش اور رسم الخط تک کی تبدیلی سے عاجز ہیں"۔

☆ "آج دنیا نمود ونمائش کی عاشق ہے اور وہ افراد جو فقر ودرویشی کے دعوے رکھتے ہیں، بجائے اخلاص، للٰہیت، ترک ریا کے نام ونمود اور شہرت کے شیدائی ہیں، عمل کم، اشتہار زیادہ، افتخار بہت"۔

☆ "فقہاء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے فرمایا:

من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل۔

زمانہ موجودہ میں اس واقفیت کا ذریعہ اخبار ہیں اور اخبار بینی سے انسان دماغی

ترقی کر سکتا ہے اور اس کو معاملات میں رائے زنی کی اہلیت حاصل ہوتی ہے اور وہ روزمرہ کے پیش آنے والے واقعات سے باخبر ہو کر نتائج نکالتا ہے"۔

یوں تو تاج العلماء نے بہت سارے موضوعات پر اپنے شہوار قلم سے علم و عرفان کی روشنی بانٹی ہے مگر یہاں صرف نمونے کے طور پر چند موضوعات لکھے جا رہے ہیں۔ جس سے آپ بخوبی اندازہ لگا سکیں گے کہ مفتی صاحب کو "تاج العلماء" یوں ہی نہیں کہا جاتا تھا۔

میرے سامنے اس وقت ماہنامہ السواد الاعظم ایک فائل ہے جس میں ماہ جمادی الاول ۱۳۴۷ھ سے لے کر ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۹ھ کے درمیان شائع ہونے والے رسائل ہیں انہیں میں سے چند موضوعات نذر قارئین ہیں۔

(۱) تبلیغ و اخلاص (۲) کتاب مجید
(۳) رمضان مبارک (۴) ہندو اور مسلمانوں کا طریق عمل
(۵) مسلم اخبارات (۶) محفل میلاد
(۷) مجلس میلاد اور حسن نظامی (۸) لامذہبی اور بے دینی
(۹) لقائے حبیب (۱۰) تحدیدِ عمرِ ازدواج کے خلاف جلسے
(۱۱) سارد ابل اور حسن نظامی (۱۲) جمعیۃ العلماء کی طرف سے سول نافرمانی کا اعلان
(۱۳) حسن نظامی اور جھٹکے کا گوشت (۱۴) کانگریس اور مسلمان
(۱۵) جمعیۃ العلماء کی ہندو پرستی (۱۶) عید میلاد کو بارہ وفات نہ کہو
(۱۷) عورتوں کی تعلیم (۱۸) شکوہ حرم
(۱۹) ہندوستان کی فضا (۲۰) موت العالم موت العالم
(۲۱) کیا ذبیحہ گاؤ کسی بادشاہ یا کسی قوم کو راضی کرتے کے لیے ترک کیا جا سکتا ہے؟

مندرجہ بالا عناوین کو دیکھ کر آپ تاج العلماء کی وسعت ذہنی اور فکری جولانیت کا اندازہ بخوبی لگا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے ذات برادری پر فخر و مباحات کی لعنت پر ایک رسالہ "تفرقہ اقوام" اور مسائل عید الفطر" بھی تصنیف فرمایا ہے باقی دیگر کسی کتاب

یا رسالہ کا کوئی پتا نہیں ملتا۔

کنز الایمان اور خزائن العرفان کی اشاعت

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان نے جب ترجمہ قرآن کنز الایمان تحریر فرمایا تو اس کو چھاپنے کا شرف بھی آپ کو ہی حاصل ہوا۔ آپ نے جامعہ نعیمیہ میں قائم ''نعیمی پریس'' پر اس ترجمے کو شایانِ شان شائع فرمایا۔

شہزادہ تاج العلماء مفتی محمد اطہر نعیمی صاحب راقم کے نام اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ کنز الایمان کی پہلی اشاعت صدر الافاضل کی سرپرستی میں والد محترم کی نگرانی میں ہوئی۔ متن قرآن کریم کی کتابت اور ترجمے کی کتابت کا واقعہ ملفوظات اعلیٰ حضرت میں نہایت اختصار کے ساتھ تحریر ہے۔ جناب منشی کاتب ارشاد علی مرحوم جنہوں نے متن اور ترجمہ لکھا تھا انہوں نے سنایا تھا۔ موصوف یہیں پاکستان آئے اور یہیں آسودہ خاک ہوئے تھے''۔(۱۹)

ڈاکٹر مجید اللہ قادری لکھتے ہیں:

''کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن کا سب سے پہلا ایڈیشن مطبع نعیمی مرادآباد نے رف کاغذ کے ۸۸۸ صفحات کی ضخامت پر مشتمل ۱۳۳۰ھ میں شائع کیا''۔(۲۰)

ترجمے کی اشاعت کے بعد حضرت صدر الافاضل نے کنز الایمان پر حاشیہ نما تفسیر ''خزائن العرفان'' تحریر کرنے کا ارادہ کیا تو آپ کی نگاہ انتخاب تاج العلماء پر ہی پڑی کیوں کہ آپ استاذ کے مزاج شناس تھے۔ طریقہ تحریر اس طرح تھا کہ صدر الافاضل بولتے جاتے تھے اور تاج العلماء لکھتے جاتے تھے، اس طرح یہ عظیم تفسیر منصۂ شہود پر آئی۔ جس میں حضرت تاج العلماء کی کاوش بھی شامل ہے اور آج اسی ترجمہ و تفسیر سے خوش عقیدہ مسلمان

''ایمان کے خزانے'' کے ساتھ ساتھ ''عرفان کے خزینے'' بھی حاصل کر رہے ہیں۔

مخزن عربیہ بحر العلوم کا قیام

۱۹۵۱ء میں آپ ہندوستان سے ہجرت فرما کر کراچی تشریف لے آئے۔ یہاں پر انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں محرم الحرام ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۱ء میں جامع کلاتھ مارکیٹ کے عقب میں رابسن روڈ پر ایک مختصری جگہ میں چند طالب علموں کو لے کر مسند تدریس بچھائی اور اس طرح سے کراچی کی زمین پر ''مخزن عربیہ بحر العلوم'' کا قیام عمل میں آیا۔ آج یہی درسگاہ ''دار العلوم نعیمیہ'' (واقع فیڈرل بی ایریا کراچی) کے نام سے مشہور و معروف ہے۔

درس و تدریس کے علاوہ آپ جامع مسجد آرام باغ میں اعزازی طور پر خطابت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے اور یہ سب خدمات خالصتاً لوجہ اللہ تھیں۔ آج بھی آپ کے جانشین مفتی محمد اطہر نعیمی دار العلوم نعیمیہ اور جامع مسجد آرام باغ کی فی سبیل اللہ خدمت انجام دے رہے ہیں اور الولد سر لابیہ کی حسین تفسیر پیش کر رہے ہیں، اللہ انہیں صحت و عافیت کے ساتھ تادیر قائم و دائم رکھے۔ آمین

وصالِ پر ملال

وہ لمحہ بڑا دردناک ہوتا ہے جب ایک ایسی شخصیت رخت سفر باندھ لے جس کے وجود سے ملت کی ہزاروں امیدیں وابستہ ہوں، جس کا وجود ہر مشکل کا حل ہو اور جس کی ذات ہر فتنے کے لیے ڈھال ہو۔ مگر یہ درد اٹھانا ہی پڑتا ہے کیوں کہ دستور قدرت یہی ہے اس سے کسی کو مفر نہیں ہے۔

۲۳ ذی قعدہ ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۷ مارچ ۱۹۶۶ء کو بروز جمعرات وہ گھڑی آہی گئی جب پچاس سال تک ملت اسلامیہ کی خدمت کرنے والے عظیم قائد، جانشین صدر الافاضل، عاشق رسول حضرت تاج العلماء نے اپنے مشفق استاذ سے ملنے کے لیے رخت سفر باندھ ہی لیا اور مولیٰ کریم کے بلاوے پر جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

تھوڑی ہی دیر میں وفات کی خبر پورے شہر میں پھیل گئی اور اگلا دن آتے آتے

پورے ملک اور ملک سے باہر بھی یہ خبر عام ہوگئی۔ کراچی شہر میں ہر آنکھ تاج العلماء کی جدائی کے غم میں بھری ہوئی تھی، ہر چہرہ افسردہ تھا اور ہر دل آپ کی رحلت پر بے چین و بے قرار تھا:

ع ایک شخص سارے شہر کو یتیم کر گیا

مولانا ضیاء القادری بدایونی نے آپ کے وصال پر درج ذیل تاریخ کہی ہے:

عالم ذی جاہ مولانا عمر — تھے سراج علم مثل ماہ و مہر

اے ضیاء ہے آپ کا سال وصال — عالی ہمت رحمۃ اللہ علیہ

(۱۳۸۶ھ)

یہ تھیں اُس مرد قلندر کی حیات وخدمات کی چند جھلکیاں جو اپنے آپ میں ایک انجمن اور وَن مین آرمی (One Man Army) تھا، جس کے ضیا پاشیوں سے متحدہ پاک و ہند کی کم و بیش سبھی درس گاہیں اور افراد فیض یاب ہوئے اور ہو رہے ہیں لیکن اس مردِ کامل کو بھی اُن کے استاذ محترم کی طرح شعوری و غیر شعوری طور پر بھلا دینے کی کوششیں ہوئیں۔ جس میں نعیمی برادری بھی برابر کی قصوروار نظر آتی ہے کیوں کہ دوسروں سے امید رکھنے کی بجائے ہمیں خود آگے آنا چاہیے اور یہ بات رکھنی چاہیے۔

بے نشانوں کے نشاں مٹتے نہیں
مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً

حوالہ جات

(۱) مختصر تذکرہ تاج العلماء، ص ۱۔ مؤلف مفتی جمیل احمد نعیمی
(۲) مختصر تذکرہ تاج العلماء، ص ۲
(۳) تذکرہ اکابر اہل سنت پاکستان، ص ۴۹۶،
(۴) مختصر تذکرہ تاج العلماء، ص ۳
(۵) مفتی غلام معین الدین نعیمی، حیات صدر الافاضل، ص ۳۱
(۶) تذکرہ اکابر اہل سنت پاکستان، ص ۴۹۶
(۷) مکتوب مفتی محمد اطہر نعیمی بنام راقم غلام مصطفیٰ نعیمی
(۸) مختصر تذکرہ تاج العلماء، ص ۱۲
(۹) السواد الاعظم مراد آباد، مجریہ شعبان المعظم ۱۳۴۷ھ
(۱۰) مختصر تذکرہ تاج العلماء، ص ۵
(۱۱) مختصر تذکرہ تاج العلماء، ص ۵
(۱۲) مختصر تذکرہ تاج العلماء، ص ۶
(۱۳) ماہنامہ السواد الاعظم، مجریہ محرم الحرام ۱۳۴۸ھ ص ۱
(۱۴) نفس مصدر
(۱۵) السواد الاعظم، ماہ ربیع الاول ۱۳۴۸ھ ص ۲
(۱۶) مختصر تذکرہ تاج العلماء، ص ۷
(۱۷) مختصر تذکرہ تاج العلماء، ص ۸
(۱۸) تذکرہ اکابر اہل سنت پاکستان، ص ۴۹۶
(۱۹) مکتوب مفتی محمد اطہر نعیمی بنام راقم غلام مصطفیٰ نعیمی
(۲۰) کنز الایمان اور دیگر تراجم قرآن کا تقابلی جائزہ

★★★

تفرقہ اقوام

نوٹ: یہ رسالہ مبارکہ برٹش گورنمنٹ کے دورِ استبداد کے وقت 1926ء میں لکھا گیا تھا، نفس مضمون کی اہمیت آج بھی باقی ہے۔ لہٰذا ایک مرتبہ پھر پیش خدمت کیا جارہا ہے۔

تصنیف تالیف

تاج العلماء مفتی اہلسنت

حضرت علامہ مفتی محمد عمر نعیمی قدس سرہ العزیز

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیّد المرسلین

محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

مسلمانوں کے شیرازہ کا انتشار، فرقہ بندیاں اور طوائف الملوکی یہی وہ چیز ہے جس نے آج مسلمانوں کو نکما کر دیا ہے۔ ورنہ تاریخ اسلام بتاتی ہے کہ مسلمانوں کا ایک نادار گدا اور شکستہ حال فقیر اپنے رعب وہیبت سے قیصر وکسریٰ کے درباروں میں اعیال وعماد کے دل لرزا دیتا تھا، آج دو بیم کے مالک فوج وسپاہ کے والی ایک گدائے اسلام کی چشم تہدید سے نظر مقابل نہیں کر سکتے تھے، اس کی وجہ یہی تھی کہ انہیں یقین تھا کہ یہ تن واحد کا ایک عضو ہے، اس کو چھیڑتے ہی تمام عالم اسلام حرکت میں آجائے گا اور اس کے برہم ہوتے ہی سب برا

فروختہ ہوجائیں گے مگر آج بدقسمتی سے وہ روز سیاہ سامنے ہے کہ ہم اس عالمگیر اتحاد کو اپنے ہاتھوں مٹا رہے ہیں۔ یہ مناظر سامنے آ کر دل پاش پاش ہو جایا کرتا تھا اور بار ہا طبیعت میں جوش آتا تھا کہ اس مدعا پر کچھ لکھ ڈالوں، ممکن ہے کہ میری تحریر کسی قلب و دماغ میں جگہ پا سکے اور اس مصیبت عظمیٰ میں کچھ کمی ہو، لیکن اس کے ساتھ ہی ہمیشہ یہ خیال کرتا تھا کہ مجھ سے بہتر دل و دماغ والے اس مقصد پر خامہ فرسائی کریں تو زیادہ نافع ہو لیکن جب میں نے دیکھا کہ ہمارے سر برآوردہ حضرات نے اس طرف کچھ توجہ نہیں فرمائی تو ایک مدت کے انتظار کے بعد بتوفیق اللہ تعالیٰ میں نے اس میدان میں قدم رکھ دیا اور اس امید پر کہ میری سبقت سے پیشوایان ملت میں کوئی حرکت وارادت پیدا ہو۔ واللہ علیٰ مایشآء قدیر۔

دورِ ماضی کا ایک منظر

ہمارے آقا و مولیٰ حضور پرنور سید عالم ﷺ نے جب عالم افروزی فرمائی، اس وقت دنیا اس ہادئی برحق ﷺ کی کیسی محتاج تھی۔ برے خصائل اور تباہ کن اطوار و عادات نے دنیا میں کس قدر رسوخ پالیا تھا۔ انسان درندے بن گئے تھے اور ایک کو ایک کھائے جاتا تھا، قتل و غارت، جنگ و جدال، پیشہ بلکہ عادت و طبیعت بن گیا تھا۔ خونخواری و سفاکی انسان کی ممتاز صفت تھی، دو قوموں میں لڑائی، دو خاندانوں میں لڑائی، دو گھروں میں لڑائی اور ایک ہی گھر میں دو بھائیوں میں لڑائی۔ غرض جہاں دو ہوں وہاں لڑائی انسان بجز لڑائی کے اور کس کام کے لیے ملنے اور اتفاق کرنے سے ناآشنا ہو چکا تھا۔ ہر قوم دوسری قوم سے ٹکرا رہی تھی، ایک قوم ایک خاندان، ایک گھر کے لوگ باہم الجھ رہے تھے، جہاں دو تھے ان کا ثالث سیف و سناں تھا۔

رحمت عالم ﷺ نے اپنی قدسی انوار و برکات سے اس تاریک ظلمت کدہ کو منور فرمادیا اور ان لوگوں کی درندہ خصلت زندگی کو اخوت، محبت، اتحاد و وداد کی نعمت سے مبدل فرمادیا۔ وہی لوگ جو بے رحمی سے اپنے بھائی کا پہلو چاک کر کے دل و جگر چبالیا کرتے تھے، تھوڑے ہی دنوں میں اس مرتبہ پر پہنچے کہ اپنے دل و جگر فدا کرنے لگے، قوموں کی لڑائیاں

مٹ گئیں، تلواریں نیاموں میں آسودہ ہوئیں، جنگی معرکوں اور رزم گاہوں کی گرما گرمی کی بجائے حسن معاشرت واختلاط کی مجالس مزین ہوئیں۔ برادر کش نفس کش بن گئے اور محبت کی نئی لہریں دلوں میں پیدا ہوئیں، جنہوں نے عالم کو ایک نئے سلسلہ میں مربوط کردیا۔ اسلامی دنیا کا اتحاد ضرب المثل ہوا، پشت ہاپشت کی عداوتیں اخوت اور دوستی سے مبدل ہو گئیں، قرآن پاک میں اسی احسان کا ذکر فرمایا ہے:

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا۔

ترجمہ: ''اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب تم میں بیر تھا اس نے تمہارے دلوں میں ملاپ کردیا تو اس کے فضل سے تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ (آل عمران:103)

دوسری آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا:

''إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ'' اس آیت کریمہ میں برادری کا علاقہ ایمان بتایا گیا ہے، نہ شیخ ہونا نہ پٹھان ہونا نہ مغل ہونا کوئی حرفت نہ کوئی صنعت نہ کوئی تجارت، ہر شخص جو مومن ہے اور شرف ایمان رکھتا ہے، ایمان دار کا بھائی حقیقی بھائی قرآنی بھائی ہے، کوئی حرفہ کوئی پیشہ کوئی نسب کوئی نسل اس اخوت اس برادری کو قطع نہیں کرسکتی۔ اسلام کے صدر اوّل میں صحابہ، تابعین، تبع تابعین اُن کے بعد کے لوگوں میں دیکھا جاتا ہے تو حرفہ اور پیشہ کے اعتبار پر محبت ومودّت کا مدار نہیں ہے۔ وہ کسی شخص کو کسی مباح پیشہ کی وجہ سے نظر حقارت سے دیکھنا عیب جانتے ہیں۔

ہندوستان میں مسلمانوں کا ورود اور قومی تفرقے

جب مسلمان ہند میں آئے اور یہاں انہوں نے اپنی سلطنت کے پھریرے لہرائے اور ہندوستانی عورتیں ان کی خدمتوں میں پیش کی گئیں اور کثرت سے مسلمانوں کی بیبیاں بنیں تو گوان میں سے اکثر مسلمان ہوگئیں، مگر بہت سی پچھلی عادتیں جو فطری طور پر ان کی طبیعت ہو چکی تھیں، ان میں سے باقی رہ گئیں، نیز اپنے اعزہ سے میل جول اور اختلاط کی وجہ سے ان کے بعض برتاؤ پچھلے چلن کے مطابق رہے۔

ہندوؤں میں قومی تفرقے جو مدت ہائے دراز سے پڑے تھے اور آج تک بھی ان کا پتا چلتا ہے کہ برہمن اور کالیتھ اور بنیا، اور اہیر اور میواتی کسی طرح ایک مطبخ میں جمع نہیں ہو سکتے، ایک دستر خوان پر نہیں کھا سکتے۔ اسلام تک علیحدہ یہ عادات ان عورتوں کی وجہ سے ان کی اولاد کو ترکہ میں ملے اور انہوں نے جات اور لجات کا فرق ہندوؤں سے لے کر اسلامی اتحاد کو قومی فرقہ بندیوں میں تقسیم کیا اور اپنے حقیقی بھائیوں کو نظر ذلت سے دیکھنے لگے۔

اگر کسی نے بڑھئی کا پیشہ کیا، لوہے کا کام کرنے لگا یا کپڑا بن کر حلال روزی حاصل کی یا پانی بھر کر پاک روزی بہم پہنچائی تو یہ اب اس کو کمین کہتے ہیں۔ چاہے وہ دین دار ہو یا پابند صلاۃ وصوم ہو، احکام شرعیہ کا متبع ہو مگر ہندوانہ مراسم کی تقلید میں اپنے اس بھائی سے رشتہ محبت قطع کیا جا رہا ہے۔ حیف مسلمان اس نعمت کو چھوڑ رہے ہیں، جس کے ذکر کرنے اور یاد رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے اور اس بری خصلت کو لے رہے ہیں جو کفار کے حق میں ایک عذاب ہے۔ (والعیاذ باللہ)

زمانہ کا ایک پلٹا

زمانہ نے ایک عجیب انقلاب دکھایا ہے اپنے حسن وخوبیوں کو مسلمان چھوڑ رہے ہیں، ان کو ہندو اخذ کرتے جاتے ہیں۔ مسلمان غیر قوموں کے اختلاط سے بیواؤں کا نکاح عیب سمجھنے لگے ہیں مگر ہندوؤں نے اپنی اس صدہا سالہ رسم کو مٹانے اور اسلام کی اس نافع تعلیم سے فائدہ اٹھانے کے لیے کر ہمت چست باندھی، دیکھئے آج تک کتنی بیواؤں کے بیاہ ہو چکے اور وہ شوہر دار بنا دی گئیں اور آج ہندو اس رسم کو مٹانے کے لیے کیسی سرگرم کوشش کر رہے ہیں۔ دوسرے مسلمانوں کے یہاں پردہ تھا اور فضل الٰہی سے ایسا کہ مسلمان عورت کی آواز یا اس کے زور کی جھنکار یا اس کے دوپٹہ کا آنچل یا اس کے پاؤں کی پچھل تو کیا کوئی دیکھ یا سن سکتا تھا، اس کے نام کا بھی پردہ تھا، دستاویزوں اور کچہریوں میں باپ اور شوہر کے ناموں سے ان کے ذکر کیے جاتے تھے مگر آہ کہ آج مسلمان نہ صرف پردہ کی طرف سے بے اعتنائی کر رہے ہیں بلکہ اس کے خلاف کوششیں کی جا رہی ہیں، دھواں دار تقریریں

کی جا رہی ہیں اور بتدریج پردہ کم ہو رہا ہے۔ نئے تعلیم یافتہ اصحاب ''تقلید یورپ'' میں ایسے محو اور بے خود ہیں کہ انہیں دین و مذہب سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا ہے اور در حقیقت اسلام کے لیے ان کا وجود نہایت مضر ہے وہ پردہ کو ایک عیب سمجھتے ہیں اور اسلامی غیرت و حمیت کھو چکے ہیں، اپنی بیوی اور بیٹی کو سر بازار کھلی گاڑی میں لیے پھرنا، سیر گاہوں میں بے باکانہ جانے کی اجازت دینا، غیر مردوں سے ان کے ہاتھ ملوانا فخر جانتے ہیں۔ اکبر مرحوم نے اسی اندوہناک مصیبت کو نہایت خوبی سے نظم کیا ہے، فرماتے ہیں:

کل چند بے حجاب نظر آئیں جو بیبیاں
دل ان کو دیکھ غیرت قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ کدھر گیا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

جدید ''تعلیم یافتہ'' صاحبوں کی ''لیاقت''

یہ تو ہمارے جنٹلمین جدید تعلیم یافتہ صاحبوں کی لیاقت ہے اور ہمارے نوجوانوں نے تعلیم انگریزی سے جو فائدہ اٹھایا ہے وہ اس قدر ہے کہ انہیں اپنی خوبیاں عیب معلوم ہونے لگیں اور صدیوں کی پائی ہوئی غیرت و حمیت جس میں ہم ضرب المثل تھے اور دنیا کی کوئی قوم اس صفت میں، ہم سے مقابل ہونے کی جرأت نہیں کر سکتی تھی، وہ اپنے ہاتھوں سے ضائع کر رہے ہیں۔

اس کے مقابل ہندوؤں کی حالت قابل ملاحظہ ہے جن کے یہاں پردہ نہ تھا، جن کی عورتیں سر بازار نکلتی تھیں۔ عام میلوں میں ہزاروں اور لاکھوں آدمیوں کے مجمع میں دریاؤں پر جا کر نہاتی تھیں۔ آج جس پردہ کو مسلمان چھوڑتے جاتے ہیں وہ قدر کے ساتھ لیتے جا رہے ہیں جس مہمان کو بے حرمتی کے ساتھ اپنے گھر سے تم نے دھکے دیے ہیں، اس کے قدموں کے نیچے آج وہ آنکھیں بچھا رہے ہیں، ہندو گرل اسکولوں کی لڑکیاں پردہ دار گاڑیوں میں چل رہی ہیں۔ نہانے کے موقع پر دریا کے کنارے قناتوں سے پردہ کیا جا رہا

ہے، انہیں انگریزوں کی تقلید وہ سبق نہیں دیتی جو ہمارے جنٹلمین حاصل کر رہے ہیں، کثرت سے پردہ نشین عورتیں برقع پہن کر گھروں سے باہر نکلنے لگی ہیں، پردہ کے توڑنے کی ابتدا برقع ہی سے ہوتی ہے۔ پہلے برقع اوڑھ کر اندھیرے میں تھوڑی دور جانا شروع کیا جاتا ہے، پھر آہستہ آہستہ ترقی ہوتی ہے تو دن دہاڑے بازاروں کی گشت ہونے لگتی ہے، پھر وقتاً فوقتاً نقاب الٹ کر منہ کھولنے کا سلسلہ شروع کر دیا جاتا ہے۔ پھر برقع بھی بار معلوم ہونے لگتا ہے تو اسے بھی پھینک کر میم صاحب بن جاتی ہیں۔

مجھے یہ دکھانا ہے کہ برگشتہ بختی کا یہ نتیجہ کہ جو سوچتے ہیں الٹی سوچتے ہیں، نقصان کو نفع سمجھ کر اختیار کرتے ہیں اور نفع کو نقصان جان کر اس سے دست بردار ہو جاتے ہیں۔ اسلام نے جو خوبیاں تعلیم فرمائیں اور جو نعمتیں عطا کی ہیں، ان سے کم نصیب مسلمان تو محروم ہوتے چلے جاتے ہیں اور غیر مسلم اقوام ان کو اپنا شعار بنانے میں شب و روز سرگرم ہیں، عواقب امور اور انجام کار کا عالم تو خدا ہی جانتا ہے جو کچھ ہوتا ہے مگر زمانہ کی رفتار بتا رہی ہے کہ مسلمانوں کی یہ بے قید پارٹی اگر اسی چال پر رہی تو ایک ایک کر کے اسلامی خصائل کو چھوڑتے چلے جائیں گے اور ان پر ایک روز سیاہ آجائے گا جب یہ لوگ ملحد ہو کر رہ جائیں گے اور ان کی زندگی کرسٹینوں (عیسائیوں) کی سی رہ جائے گی اور ہندو اگر ایسی ہی ترقی کرتے رہے تو اسلام کے رنگ میں رنگ جائیں گے اور ان کے حق میں ایک روز سعید آئے گا کہ وہ پابندِ شرع متقی مسلمان ہوں گے۔

تفرقہ پردازی

غافلو ہوشیار ہو۔۔۔ کیا کر رہے ہو۔ اپنی گردنیں اپنے ہاتھوں سے نہ کاٹو، وہ امور جو اسلام نے تعلیم فرمائے تھے اور مسلمان ان کو چھوڑتے اور ہندو اختیار کرتے چلے جاتے ہیں، بہت زیادہ ہیں۔ اگر سب کو جمع کیا جائے تو ایک طویل فہرست تیار ہو۔ ان میں بہت بڑا امر تفرقہ پردازی ہے جس کو قومی فرقہ سازیوں سے ترقی دی جاتی ہے۔ یہ طریقہ تو قدیم سے ہندوؤں کا تھا جس کو میں اوپر ذکر کر آیا ہوں، ان کی قومیں مختلف تھیں، احکام جداگانہ، ماکولات ممتاز، ایک گوشت کھاتا ہے اور ایک نہیں کھاتا۔ ایک شکار کرتا ہے ایک نہیں کرتا،

اور طرح طرح کے فرق جن کی بدولت وہ ایک دوسرے سے مل ہی نہیں سکتے، اس کا انجام یہاں تک پہنچا کہ اس کی کثیر تعداد قومیں انسانی زندگی سے محروم ہوگئیں اور انہیں ان کے کتوں کے برابر بھی جگہ نہ مل سکی۔ ایک کتا ایک جنٹلمین ہندو کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ سکتا ہے کھانے کے وقت میں پاس آسکتا ہے لیکن ایک انسان چمار اور کسی ایسی قوم کا نہا دھو کر بھی ان کی برابر نہیں بیٹھ سکتا۔ بھانتو، ہبوڑے، سانسیے، بھیل، سنتھال اور پہاڑی قومیں اور کنجر چمار وغیرہ لاکھوں انسان ہندوستان کی زمین میں ہندوؤں کے قومی غرور کی وجہ سے پریشان حال پھر رہے ہیں۔ ان کو گھر بنا کر آدمیوں کی طرح بسنا میسر نہیں اور کسی محنت کسی جانکاہی کسی ریاضت کسی عمل سے وہ کبھی ہندو عقیدہ میں شرافت نہیں پا سکتے، وہ ایسے ناپاک ہوئے ہیں کہ تمام عالم کے سمندر بھی دھو کر انہیں پاک نہیں کر سکتے۔

اسلامی مساوات

ہندوؤں کی چند قوموں کا غرور لاکھوں انسانوں کے ساتھ صدہا برس سے ایسی بے رحمی کا برتاؤ کر رہا ہے کہ وہ آدمی بننے سے بھی مجبور ہیں، کوٹے، بروال، مالی، باغبان شہروں کے بسنے والے کب ہمت کر سکتے ہیں کہ لالہ صاحب سے ہاتھ ملالیں یا ان کے چوکے میں قدم رکھیں یا ان کی لوٹیا سے پانی پی لیں، یا ان کے شوالے میں گھس آئیں، ایک طرف تو وحشیانہ غرور کی یہ بے رحمی دوسری طرف اسلام کی یہ مساوات کہ اگر کیسا ہی ادنیٰ درجے کا انسان لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھے اور طہارت کر کے پاک لباس پہن کر چاہے تو ہر مرتبہ اور ہر قوم کے مسلمانوں سے بے تکلف مصافحہ کر سکتا ہے، ایک عام سا مسلمان ایک بادشاہ کی برابر کھڑے ہو کر مسلمانوں کی صف میں مسجد کے اندر نماز ادا کر سکتا ہے اور اس وقت کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا۔ ہر ملت وقوم کا آدمی ہر پیشہ اور ہر حرفہ کا شخص بڑے سے بڑے عالی نسب دولت مند صاحب منصب مسلمان سے اسلامی مساوات کا مطالبہ کر سکتا ہے اور اس سے کوئی فرد اسلام گریز نہیں کر سکتا۔

اسلام کی یہ عدالت یہ مساوات باعث ہوئی کہ غیر قوموں کے لاکھوں افراد ان میں جذب ہو گئے مگر وہی زمانہ پلٹا، اپنی خوبیوں کو چھوڑ کر دوسروں کے چھین اختیار کرنا

مسلمانوں نے تو قومی تفرقہ پردازی شروع کی اور اپنے حقیقی بھائیوں کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھنا کبر و نخوت سے کج جانا اور انسانیت کے ساتھ ان کا اسلام تک قبول نہ کرنا حماقت اور بے وقوفی کے لیے انہیں ضرب المثل قرار دینا اور جھوٹے قصے تراش کر مضحکے اڑانا اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی آستین و دامن کو چاک چاک کر ڈالنا شروع کر دیا۔

اس کے مقابل ہندوؤں نے اپنی صد ہا سالہ منافرت کو چھوڑ کر اسلامی اخوت و ہمت سے فائدہ اٹھانا چاہا اور آج وہ ہزار سال کی چھوڑی ہوئی اقوام کو بتدریج اپنے میں شامل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، چماروں میں آمدورفت شروع ہو گئی ہے۔ اکثر مقامات پر انہیں اپنے کنوؤں پر بھی چڑھایا جاتا ہے بعض بعض جگہ لٹیا سے پانی بھی دیا جانے لگا ہے۔ پاس بھی بٹھائے جاتے ہیں۔ ساتھ بھی لیے پھرتے ہیں، اپنی ہزار ہا سالہ رسم و راہ کو چھوڑ کر اسلامی فراخ دلی سے کام لے رہے ہیں۔ یہی چیز ہے جو آج سنگٹھن اور شدھی کے ناموں سے ہندوؤں کی قوت اور اکثریت کو بڑھا رہی ہے۔ ارتداد کے لیے جو مشن کام کر رہے ہیں وہ دنیا کو اپنے مذہب کی حقانیت دکھا کر اپنی طرف دعوت نہیں دیتے ہیں۔ نہ اپنی مذہبی کتاب کے علوم اور اس کے روحانی تاثیرات کی کشش سے اپنے مذہب کو ترقی دے سکتے ہیں، نہ اپنی سچائی اور راست بازی کا ثبوت دے کر کسی حق جو اور صداقت طلب کو اپنے میں ملاتے ہیں۔ یہ کچھ نہیں ہے، اسلام کی تعلیم کا ایک مسئلہ جس پر مسلمانوں نے عمل چھوڑ دیا تھا وہ لے اڑے ہیں اور اسی ایک نسخے سے کیمیا بنا کر تونگر ہوتے چلے جاتے ہیں۔

اسلامی اخوت تو اسلاف کرام اور پچھلے بزرگوں کا تذکرہ ہے جس کی لذت سے ہمارے کان و زبان آشنا نہیں مگر آج ہندو مسلمانوں کی اس پاکیزہ اور موثر تعلیم کو اپنے گھر میں رواج دے کر آغوش محبت کھول کر ذات پات کا فرق اور قومی غرور کے افسانے بھول کر ہزار ہا برس کی چھوٹی ہوئی قوموں کو سینہ سے لگا کر اپنی جماعتی طاقت بڑھا رہے ہیں اور انہیں کو بہکا کر مسلمانوں سے لڑا رہے ہیں۔ آئے دن جو مسلمانوں پر حملے ہوتے رہتے ہیں ان میں بیشتر اور اکثر حملہ آور ہندوؤں کے یہی مہمان ہوتے ہیں جن کے لیے ابھی ابھی دستر خوان بچھایا گیا ہے اور جنہیں ہزار ہا برس کے بعد آج پہلی مرتبہ اونچی ذات کے ہندوؤں

کے ساتھ ملنے اور بیٹھنے کا موقع ملا ہے۔

اس نئی عزت سے جوان کے دل میں امنگیں پیدا ہوئی ہیں جو حوصلے بڑھے ہیں جو سرور پیدا ہوا ہے جس کے خمار میں مست ہیں اس نے انہیں بے خود بنا دیا ہے اور وہ ہندوؤں کے زیر کمان ان کے اشارہ کے ساتھ مسلمانوں اور بے خبر مسلمانوں پر بلائے ناگہانی کی طرح ٹوٹ پڑتے ہیں۔ ہمارے پاس اپنے تحفظ کا کوئی سامان نہیں ہوتا۔ مسلمان مارے جاتے ہیں۔ مسجدوں کی بے حرمتی کی جاتی ہے، قرآن پاک کے ساتھ بے ادبیاں ہوتی ہیں اور یہ نئے بہادر دل کھول کر ستم آرائیاں کرتے ہیں، ہندو جنگ سے پہلے حکام کو مسلمانوں کے خلاف اشتعال دلا لیتے ہیں، ان کی طرف سے خوف اور خطرے کا اظہار کر کے حکام کو بدگمان کر لیتے ہیں، جس وقت ان کا یہ خونی لشکر مسلمانوں کو تاراج کرتا ہے، ہندوؤں کی حکام رس جماعتیں حکام کے پاس دوڑ جاتی ہیں اور الٹی مسلمانوں کی شکایت کرتے ہیں اور فریاد فریاد پکار کر ظالم ہندوؤں کو مظلوم قرار دیتے ہیں، حکام پہلے ہی سے بدگمان ہوتے ہیں اور اب فریادی بن کر بھی ہندو ہی ان کے سامنے آتے ہیں، مسلمانوں کی طرف سے کوئی عرض حال کرنے والا نہیں ہے، ان کے امراء و روساء غریبوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، ہندوؤں کی دوستی کی رعایت ان میں ان بے کس مظلوموں کی ترجمانی نہیں کرنے دیتی، حکام غلطی میں مبتلا ہوتے ہیں اور حکومت کے ایوان سے مظلوم مسلمان سزا پا جاتے ہیں۔

گورنمنٹ ہند سے استدعا

میں گورنمنٹ ہند(۱) کو توجہ دلاتا ہوں، رعایا کی حفاظت اور ان کی دادرسی حکمرانوں کا فرض اولین ہے۔ گورنمنٹ برطانیہ کی قلم رو میں بہ لحاظ تعداد دو بڑی قوم میں آباد ہیں، ہندو اور مسلمان۔ ان میں ایک کی تعداد کثیر ہے۔ دوسرے کی اس سے چہارم پہلی قوی

---

(۱) یاد رہے کہ حضرت تاج العلماء کا یہ رسالہ ۱۹۲۶ء میں لکھا گیا تھا، اس وقت برٹش گورنمنٹ تھی اور ملک تقسیم نہیں ہوا تھا۔ (طابع)

ہے، دوسرے نہایت کمزور۔ پہلی میں نظم و ارتباط ہے۔ دوسری میں کمال بے نظمی وانتشار۔ پہلی میں ہر ایک فرد دوسرے کا معین و مددگار ہے۔ دوسری میں بھائی بھائی کا دشمن اور خونخوار، پہلی مالدار ہے اور دوسری نادار۔ پہلی حکام رس ہے اور دوسری بے زبان۔ پہلی کا عنصر حکومت کے ہر دفتر میں کثرت سے ہے اور اپنی قوم کی ہر ممکن اعانت کے لیے ہر وقت مستعد اور دوسری قوم کے افراد حکومت کے محکموں میں برائے نام ہی حالتوں میں۔ پہلی قوم دوسری قوم کو کھائے جارہی ہے اور دوسری قوم کی بے کسی اس درجہ ہوگئی کہ وہ فریاد کے لیے بھی آواز نہیں اٹھا سکتی۔ شکایت کرنے میں بھی ہمسایہ کے ظلم سے ڈرتی ہے۔ ان کی کثیر تعداد ہندوؤں کے ہاتھ سے ظلماً ماری جاتی ہے مگر انہیں مقدمہ میں کامیابی نہیں ہوتی۔ ہندوؤں کے سنگٹھن اور اتحاد کی حالت میں ہندوؤں میں سے انہیں سچے واقعات کی شہادت دینے والا میسر آجانا تو محال ہے لیکن قرض وغیرہ طرح طرح کے ہندوؤں کے وہ دباؤ ہیں جن کی وجہ سے کوئی مسلمان بھی مسلمانوں کی مصیبت کا اظہار ہندوؤں کے مقابل حکومت کے سامنے نہیں کرسکتا بلکہ بجائے اس کے ہندوؤں کے اثر مسلمانوں کو ان کے موافق اور مسلمانوں کے خلاف جھوٹی شہادتوں پر مجبور کرتے ہیں اور روداد سل پر فیصلہ کرنے والے حکام غلطی میں مبتلا ہو کر مظلوم مسلمانوں کو سزائیں دے ڈالتے ہیں۔

آج سے پہلے بھی دنیا میں غالب قوموں نے کمزوروں پر دست تطاول دراز کیا ہے لیکن پچھلے سلاطین کے عدل و انصاف کے تذکرے جو سننے میں آتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حکومتیں مظلوم و مجبور کی کمزوریوں کو محسوس کر کے چیرہ دست ظالم کی اپنے اثر سے حاصل کی ہوئی شہادتوں پر اعتماد کر کے اپنی مظلوم رعایا کی گردنیں نہیں مار دیتے تھے بلکہ وہ انصاف کے کارنامے دکھانے کے لیے اپنی قابلیت اور عدالت گستری کی یادگار تاریخ میں چھوڑنے کے لیے اپنے بیدار دماغی سے کام لیتے تھے اور سچے واقعات تک پہنچنے کے لیے اپنی تفتیش اور تحقیق کے بہترین ذرائع کام میں لاتے تھے اور فریب اور ملمع کاری کے تمام پردے جو غلبہ پایا ہوا ظالم بنا تا تھا اپنی حاکمانہ قوت سے چاک کر ڈالتے تھے۔ جھوٹے گواہوں کی کذب بیانی کا وہ افشاء راز کرتے تھے کہ پھر دنیا کو جھوٹی گواہی دیتے

خوف معلوم ہونے لگتا تھا۔ مثال کے طور پر ایک واقعہ جو میں نے سنا ہے ذکر کرتا ہوں۔

ایک پٹھان اور ایک ہندو کا معاملہ

ایک پٹھان نے ضرورت کے وقت طلائی کنگن ایک ہندو صرّاف کے پاس دو سو روپیہ میں رہن کیے۔ ہندو صرّافوں اور بنیوں کا عام دستور ہے کہ وہ مسلمان کو ایک پیسا بھی دیں گے تو ضابطہ کی تحریر لیں گے مگر ان کے پاس کیسا ہی قیمتی زیور رہن رکھا جائے کبھی رسید نہیں دیتے۔ ضرورت مند مسلمان اپنا قیمتی مال تھوڑے سے روپے لے کر ان کے اعتبار پر حوالہ کر آتا ہے۔

اسی رسم پر خان صاحب بھی لالہ صاحب کے پاس وہ کنگن رکھ آئے، ضرورت رفع ہونے کے بعد جب ان کے مواضعات سے فصل کی آمدنی وصول ہوئی تو روپے لے کر لالہ صاحب کے پاس پہنچے، روپے گن دیئے، سود دے دیا اور لالہ صاحب سے کہا کہ میرے کنگن عنایت کیجیے، لالہ صاحب نے کہا کہ خان صاحب کنگن تو ساہن پہن کر ایک شادی میں گئی ہیں، تین روز کے بعد آئیں گی، جب ملیں گے۔ اعتبار نہ ہو تو آپ روپے واپس لے جائیں۔ خان صاحب کی چشم مروت لالہ صاحب کو کب بے اعتبار کہنے کی اجازت دیتی تھی۔ انہوں نے فرمایا کہ لالہ صاحب کچھ پروا نہیں ہے، روپے رکھئے اور کنگن آپ تین نہیں چار روز کے بعد دے دیجئے، اعتبار نہ ہوتا تو میں بے تحریر وہ کنگن آپ کو دے ہی کیوں جاتا۔

خان صاحب روپے دے کر مکان تشریف لے گئے اور لالہ صاحب کے وعدہ پر ایسے مطمئن ہوئے کہ بجائے تین روز کے پورے ایک ہفتہ کے بعد لالہ صاحب کے پاس آئے۔ آج لالہ صاحب نے یہ کہہ دیا کہ خان صاحب میں بہت پریشان ہوں، میرے گھر کے لوگ جو شادی میں گئے تھے وہاں جا کر بیمار ہو گئے، کل خط آیا ہے، آج تو نہیں کل میں جاؤں گا اور پرسوں انہیں لاؤں گا، چوتھے روز کے بعد آپ کے کنگن آپ کو مل جائیں گے۔ سادہ لوح خان صاحب بنئے کی باتوں پر اعتبار کر کے پھر خاموش چلے آئے۔

اور پھر ایک ہفتہ بعد انہوں نے لالہ صاحب سے تقاضا کیا، لالہ صاحب نے پھر کوئی حیلہ کر دیا۔ اس وقت خان صاحب کو کچھ شک پیدا ہوا اور انہوں نے کہا کہ لالہ صاحب

جب تک کنگن آئیں، اس وقت تک روپیا رکھنے کی کوئی وجہ نہیں، وہ مجھے دے دیجیے۔ اب تو لالہ صاحب انکار کر گئے اور انہوں نے شور مچا دیا کہ قریب کے صراف دوڑ پڑے، پوچھا کیا معاملہ ہے، خان صاحب کہتے ہیں کہ میں کنگن رکھ گیا ہوں، اس کے بدلہ کا روپیا اور سود لالہ صاحب کو دے گیا ہوں، یہ کنگن نہیں دیتے۔ لالہ صاحب کہتے ہیں کہ بدنیت پٹھان مجھے لوٹنا چاہتا ہے، ہر صراف خان صاحب کو شرمندہ کرتا ہے اور کہتا ہے آپ ایسے نادان تھے، بھولے تھے کہ بغیر کنگن لیے روپیا دے گئے۔ کنگن رکھنے کا ثبوت کیا ہے، کوئی تحریر لائیے گواہ پیش کیجیے۔ تحریر تو لکھائی نہ تھی کہاں سے لائیں، کنگن ضرور تار ہن رکھے تھے اس کے ظاہر کرنے میں شرم آتی تھی، کسی کو مطلع کرنا گوارہ نہ تھا، لالہ کو تنہا دیکھ کر ان کے پاس رہن رکھے گئے تھے گواہ کہاں سے لایا جائے۔ بے وقوف بن کر واپس آ گئے، بازار میں جھوٹے اور جعل ساز مشہور ہوئے، ہر دوکان پر ان کی چالاکی کا تذکرہ ہوا، راستوں میں ان کی طرف انگلیاں اٹھائی جانے لگیں، مگر خان صاحب کے پاس اس کا کوئی علاج نہیں تھا۔

بیدار مغز حاکم

وہ پٹھان اپنے داد گستر کے لیے حاکم کے پاس پہنچے اور اس کو حقیقت حال پر مطلع کر کے داد خواہی چاہی۔ عالی دماغ حاکم نے خان صاحب سے کہا کہ آپ دعویٰ دائر کیجیے لیکن اگر آپ کا دعویٰ جھوٹا ثابت ہوا تو میں آپ کو بہت سخت سزا دوں گا، خان صاحب نے دعویٰ دائر کر دیا، لالہ صاحب کچہری میں طلب کیے گئے، بیان ہوئے، لالہ صاحب نے کہا کہ خان صاحب اپنے کنگن لے گئے اور براہ چالاکی بدنیتی کے ساتھ انہوں نے دعویٰ دائر کر دیا ہے، چھ سات گواہ بھی طلب کرا دیے جن میں اکثر ایسے مسلمان جو خود یا ان کے عزیز لالہ صاحب کے قرض دار تھے، دھڑلے سے گواہیاں گزر گئیں اور جھوٹے گواہوں نے دلیری کے ساتھ بیان دیا کہ ہمارے سامنے لالہ صاحب نے خان صاحب کو کنگن دے دیے ہیں اور خان صاحب لے کر چلے گئے۔

شہادتوں کے درمیان ہی میں بیدار مغز حاکم نے لالہ صاحب سے ان کے ہاتھ کی انگوٹھی طلب کی اور ان سے دریافت کیا کہ:

آپ کی معرفت میرے لیے بھی ایسی انگوٹھی تیار ہو سکتی ہے۔؟ لالہ صاحب نے بخوشی فرمایا کہ آج ہی۔ حاکم نے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں مکان بھیج کر اسے پسند کرا لوں، اگر یہ انگوٹھی پسند آ گئی تو آپ کو اس قسم کی انگوٹھی بنوانے کی تکلیف دی جائے گی۔

لالہ صاحب نے اجازت دے دی اور حاکم نے کھانے کے کمرے میں جا کر اپنے اردلی کو وہ انگوٹھی دی کہ لالہ کے گھر جاؤ اور یہ کہو کہ لالہ کنگنوں کے مقدمہ میں پھنس گئے، انہوں نے کہا کہ میری رہائی کی بجز اس کے کوئی صورت نہیں ہے کہ خان صاحب کے کنگن واپس کیے جائیں، اس لیے خان صاحب والے کنگن نکلوا دو اور نشانی کے لیے لالہ کی یہ انگوٹھی موجود ہے، دیکھ لو۔ بنیی نے لالہ کی انگوٹھی پہچان لی اور کنگن اردلی کے حوالے کر دیے۔ وہ کنگن ایک رومال میں لپیٹ کر اردلی حاکم کی خدمت میں حاضر کیے اور لالہ صاحب کی انگشتری بھی ان کو دی۔

حاکم نے لالہ سے کہا کہ آپ کی انگشتری پسند نہیں آئی، اس لیے واپس کی جاتی ہے، مگر ابھی ٹھہریے اور گواہ بھی یہیں حاضر رہیں۔

اب انہوں نے شہر کے پانچ رئیسوں کو رقعے لکھے کہ ایک جوڑی کنگن تھوڑی دیر کے لیے بھیج دیے جائیں۔ ایک گھنٹہ میں پانچ جوڑی کنگن آ گئے۔ تمام کنگن میز پر رکھ کر لالہ صاحب اور ان کے گواہوں کے سامنے حاکم نے کہا کہ:

خان صاحب ان کنگنوں میں سے اپنے کنگن پہچان لو۔ خان صاحب نے اپنے والے ہی کنگن اٹھا لئے۔

لالہ صاحب کو اس دھوکہ کی پاداش میں تین سال اور گواہوں کو سات سات سال کی سزائیں دے کر عدل و انصاف کا ایک عجیب و غریب کارنامہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔

ضرورت ہے کہ موجودہ حکومت اس قسم کی بیدار مغزی سے کام لے اور اپنی دماغی قابلیت سے واقعات اصل و حقیقت تک پہنچ کر ظالم اور مظلوم کا انصاف کرے ورنہ اگر زبردست قوم کمزور کو کھا گئی تو یہ آئندہ زمانہ کی تاریخ میں موجودہ حکومت کے لیے ایک نہایت بدنما دھبا ہوگا اور یقیناً وہ قوم جو ہمسایوں پر ہاتھ صاف کر کے مشاقی بہم پہنچا رہی ہے،

گورنمنٹ کو نقصان پہنچانے میں بھی اپنا پورا زور صرف کر دے گی اور اگر ابھی سے اس کے دست تظلم کو نہ روکا گیا اور اس کا ظلم و جفا کا سیلاب بڑھتا ہی رہا تو آئندہ اس کا قبضہ میں لانا دشوار ہو جائے گا۔

تناسب تعداد کے لحاظ سے ایوان حکومت میں جگہ دینا موجودہ گورنمنٹ کا اصول ہے لیکن یہ ضرور غور طلب ہے کہ اس اصول کا اثر قلیل تعداد والے پر کیا پڑے گا جس کی تعداد زیادہ قوت زیادہ اسی کا حکومت میں دخل اور اثر زیادہ پھر ایسا موقع پا کر بھی وہ اپنے کمزور دشمن کو فنا نہ کر دے۔ یہ کیونکر ہو مسلمانوں کی تعداد کم اور بقدر تعداد بھی وہ جگہ نہیں پا سکتے، ایسی حالت میں ان کے واسطے تحفظ کی راہیں مسدود ہیں، مسلمان غریب ہیں اور حکومت نے اسلحہ رکھنے کے لیے مالیت کی قید لگا رکھی ہے، اس لیے بمقابلہ ہندوؤں کے مسلمان بالکل خالی ہاتھ رہتے ہیں اور جب ہندوؤں کو حملہ کرنا ہوتا ہے، بے دریغ مسلمانوں کو بندوقوں کا نشانہ بنا دیتے ہیں اور اپنے قانون داں طبقہ اور دفتری اکثریت کی بدولت قانون حفاظت خود اختیاری کی آڑ میں اپنے حملہ کو جائز قرار دے کر اپنے گھر میں چین سے بیٹھے رہتے ہیں، ہر قسم کی طاقت وقوت و شورش کے باوجود سنگھٹن کی کوششیں جاری ہیں، حربی فنون کی مشقیں ہو رہی ہیں اور بھوکے پیاسے، نہتے، بے بس، بے کس، کمزور اور قلیل التعداد مسلمانوں سے خوف کا اظہار کیا جاتا ہے جنہیں اپنی مصیبت کا اظہار کرنے کی بھی جرأت نہیں، ایسی حالت میں اگر گورنمنٹ واقعات کی تحقیق اور ظالم و مظلوم کی تفتیش کے لیے خاص توجہ مبذول نہ کرے تو باسباب ظاہر تھوڑے دنوں میں اس کی حکومت کا تعلق ہندوستان میں صرف ایک ہی قوم سے رہ جائے گا اور اس کے جو نتائج ہوں گے، ان پر گورنمنٹ کو خود غور کرنا چاہیے۔

مسلمانوں کا فرض

اس وقت کی نزاکت اور ملکی فضا کو دیکھ کر مسلمانوں کو اپنے حفظ و بقا کے لیے اپنے نظم کا درست کرنا اور پراگندگی کو ہٹانا لازم تر ہو جاتا ہے، بغیر اس کے وہ اپنی زندگی قائم نہیں رکھ سکتے اور یہ طریق عمل آج ہی نہیں تجویز کیا جاتا بلکہ اسلام کی تعلیمات میں ابتدا ہی سے اس کی ہدایت کی گئی ہے۔ دو آیتیں اوپر پیش کی جا چکی ہیں۔ حدیث شریف میں حضور سرور

انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان ایک جسم کے اعضاء کی طرح سے ہیں۔

دوسری حدیث شریف میں ارشاد فرمایا:

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ۔

ترجمہ: ''مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے کسی مسلمان کو ایذا نہ پہنچے''۔

اس زرین اصول پر عمل کیا جائے تو کروڑوں مسلمان یک دل یک خیال یک زبان ہوں اور دنیا ان کے وقار کو عزت کی نگاہ سے دیکھے۔

ایک اور حدیث شریف میں جو امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ:

''اللہ عزوجل روز قیامت فرمائے گا کہ کہاں ہیں میرے لیے محبت کرنے والے، آج میں انہیں اپنے سایۂ رحمت میں عزت وکرامت کی جگہ عطا فرماؤں گا''۔

ترمذی کی روایت میں ہے کہ اللہ رب العزت نے فرمایا کہ جو اللہ کے لیے محبت کرنے والے ہیں، انہیں روز قیامت نور کے منبر عنایت کیے جائیں گے۔

امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب مسلمان اپنے بھائی کی عیادت کرتا ہے یا ملنے جاتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے تیرا چلنا مبارک، تو نے جنت میں گھر بنالیا۔

ترمذی ہی میں مقدام بن معدیکرب سے مروی ہے کہ جب مرد (مسلمان) اپنے بھائی مسلمان سے محبت کرے تو اسے مطلع کردے (تاکہ طرفین میں محبت زیادہ ہو)۔

بیہقی نے ابورزین سے روایت کیا کہ جب آدمی اپنے مسلمان بھائی سے ملنے کے لیے جاتا ہے تو ستر ہزار فرشتے اس کے ساتھ اس کے حق میں دعائیں کرتے جاتے ہیں۔

بے شمار احادیث ہیں جن میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو باہمی محبت کا امر فرمایا، اس کے برکات سے مطلع کیا۔ رب عزوجل کی رضا وخوشنودی اس میں بتائی۔

کاش آج مسلمان اس حقانی وربانی تعلیم سے بہرہ مند ہوتے۔ افسوس بجائے اس کے کہ ہم یک دل ہوں یک زبان ہوں، ہم میں اخلاص وایثار ہو، محبت ووداد ہو، انس والفت

ہو۔ایک دوسرے کو دیکھ کر خوش ہوں، اپنے بھائی کی تعظیم وتوقیر بڑھانے کی فکر میں رہیں، اسی میں اپنی عزت جانیں، چھوٹوں پر شفقت اور بروں کا ادب ملحوظ رکھیں، کیونکہ حضور سرورانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”جو ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے جو ہمارے بڑوں کی توقیر نہ کرے وہ ہمیں سے نہیں“۔ مگر ہم نے بغض وعداوت، کینہ،عناد، رشک وحسد، ایذا رسانی، ستم رانی، جفا کاری، دل آزاری وغیرہ خصلتوں کا انبار جمع کرلیا ہے اور اس سب کا مصرف اپنے مسلمان بھائیوں ہی کو سمجھا ہے۔ ان کی ترقی ان کی خوش حالی ہم سے نہیں دیکھی جاتی ۔آہ کیا بلا ہے ہم اپنے خود دشمن ہورہے ہیں، اپنا وقار خاک میں ملا رہے ہیں۔ اپنے بھائیوں اور حقیقی بھائیوں کے ساتھ دشمن کا سا سلوک کر رہے ہیں ۔ ہم نے مسلمانوں کو قوموں میں تقسیم کر کے اسلامی اتحاد کو چکنا چور کر دیا ہے۔ شریعت تاکید فرماتی ہے کہ مسلمانوں سے محبتیں بڑھاؤ، اتحاد کو ترقی دو، مگر ہم قوم قوم کر کے علیحدہ علیحدہ فرقے بناتے جا رہے ہیں۔ اور سرورانبیاء ﷺ کے احکام سے آنکھیں میچ کرنشۂ غرور میں سرشار ہیں۔ اب میں یہ بھی بتاؤں کہ مسلمانوں کو چھوڑنا ان سے محبت قطع کرنا ایسا طریق عمل اختیار کرنا جس سے اتحاد کمزور ہو، شرعاً ممنوع اور اس کی ممانعت پر تاکیدیں وارد ہیں۔

بخاری اور مسلم میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

”آدمی کو حلال نہیں کہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے، جب دونوں ملیں، یہ اس سے منہ پھیرے اور وہ اس سے اعراض کرے، ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام کے ساتھ ابتدا کر کے صلح کے لیے پہلے قدم بڑھائے“۔

بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: ”تم بدگمانی سے بچو، بدگمانی بہت جھوٹی بات ہے۔ حسد، بغض، عیب چینی، عیب جوئی، غیبت نہ کرو اور اللہ کے بندو بھائی ہو جاؤ“۔

مسلم شریف کی حدیث ہے حضور فرماتے ہیں:

''لوگوں کے اعمال ہر ہفتہ دوشنبہ اور پنجشنبہ کو پیش ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہر ایماندار بندے کی مغفرت فرماتا ہے، سوائے ان دو بندوں کے جن میں آپس میں عداوت ہو۔ ان کے حق میں فرمایا جاتا ہے انہیں تا صلح چھوڑ دو''۔

ابوداؤد شریف کی حدیث میں حضور سے مروی ہے: جس نے اپنے بھائی کو ایک سال چھوڑ دیا گویا اس نے اس کو قتل کر دیا۔

ترمذی نے حضرت ابوالدرداء سے روایت کیا، حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تمہیں روزے صدقے نماز سے افضل درجہ والی چیز کی خبر دوں، صحابہ نے عرض کیا: ہاں!، فرمایا: مسلمانوں سے مابین صلح کرا دینا اور آپس کا فساد مہلک ہے۔ آمنا باللہ ورسولہ حق فرمایا۔

بے شک روزے، صدقہ نماز سے آدمی اپنی عاقبت درست کر لیتا ہے لیکن دو مسلمانوں کے درمیان صلح کرا کے قوموں کے فساد خاندانوں کی لڑائیاں، قتل وخونریزیاں، اموال کے ناجائز تصرفات، حقوق کا اتلاف، منہیات کا ارتکاب روکا جا سکتا ہے۔ دو آدمیوں میں لڑائی بے شمار مفاسد کی بنیاد ہے۔

امام احمد ترمذی نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا:

''تمہیں بھی پچھلی امتوں کی بیماری لگ گئی، یعنی حسد اور عداوت یہ مہلک اور دین کو تباہ کرنے والی ہے''۔

ابوداؤد کی حدیث میں فرمایا:

''حسد سے بچو، حسد نیکیوں کو ایسا کھا جاتا ہے جیسے لکڑی کو آگ''۔

ترمذی کی ایک حدیث میں ہے: حضور ﷺ نے فرمایا:

''جو مسلمان کو نقصان پہنچائے یا اسے دھوکا دے اس پر لعنت''۔

مسلمانوں کے ساتھ بدسلوکی یا بے مہری ہجران وقطع محبت کی ممانعت میں بڑی بڑی تاکیدیں وارد ہیں اور احادیث کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کا مسلمان بھائی

کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آنا حضور سرور انبیاء ﷺ کی خاطر مبارک پر بہت ناگوار گزرتا ہے۔ مسلمانو! اللہ ان خصلتوں کو چھوڑ دو، قومی تفرقوں نے تمہیں مٹا ڈالا، تم ان نفرتوں کو مٹا ڈالو۔ مسلمانوں کو ذلت کی نگاہوں سے نہ دیکھو، وہ گرے ہوں تو انہیں اٹھاؤ، بگڑے ہوں تو سنبھالو، بھائی جانو اور بھائی کا سا برتاؤ کرو، جب تک وہ دین پر قائم ہوں جب تک مصطفیٰ ﷺ کے غلام ہیں تمہارے بھائی ہیں، محبت ومودت کے مستحق ہیں، اس آقا علیہ السلام کی غلامی ہر رشتہ سے قوی تر رشتہ ہے۔

حرفے اور پیشے:

عام طور پر آدمی کے اسباب معیشت چار حصوں میں منقسم دیکھے جاتے ہیں۔

ا۔ زمین داری	۲۔ تجارت
۳۔ صنعت وحرفت	۴۔ ملازمت

زمین داری

زمین داری ایک بڑی نعمت اور نہایت عمدہ وجہِ معاش ہے جس میں آدمی محنتی اور دین دار ہو تو نیک نامی اور عزت کے ساتھ اطمینان وآسائش کی زندگی بسر کرسکتا ہے لیکن اس میں دوسروں کے حقوق کا لحاظ اور معاملات کا شرعی طور پر انجام دینا اور فراغ سالی اور تنگ سالی وغیرہ تغیرات اور دیگر آفات سماوی اور قوانین حکومت وغیرہ تمام امور کے ہجوم میں مستقل رہنا اور حق سے قدم متجاوز نہ کرنا ہمت اور استقلال والوں کو بتوفیقِ الٰہی میسر ہوتا ہے ورنہ بالعموم زمین داروں کی گردنوں میں مخلوق خدا کے حقوق اور شرعی مواخذات کے اتنے طوق پڑے ہوتے ہیں جنہیں آنکھ والا دیکھ کر گھبرا اٹھتا ہے۔

اس کے علاوہ زمین داری ایسی اختیاری چیز نہیں جس کو ہر شخص اپنی وجہ معاش قرار دے لے۔ زمین داروں کا ہاتھ آنا تو کجا آج مسلمان زمین داروں کو باپ دادا سے پہنچی ہوئی اور بے محنت ملی ہوئی جاگیریں اپنے قبضہ میں رکھنا دشوار ہورہا ہے اور قریب قریب کل کی کل زمین داری مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل چکی ہے اور قدرے قلیل جو باقی ہے

ہو جانے کو تیار ہے، کفالتوں کے بار بڑھتے چلے جارہے ہیں، اس کی طرف بھی مسلمانوں کو توجہ لازم ہے کہ وہ اپنے خرچ کم کر کے محنتیں اٹھا کر جس طرح بھی ہو سکے ہر شخص کچھ نہ کچھ مقدار زمین کی خریدے خواہ وہ کتنی ہی قلیل ہو مگر اس کی ساری عمر زمین خریدنے اور اولاد کے لیے چھوڑ جانے سے خالی نہ گزرے، ایسا کیا تو ملک میں مسلمانوں کو وقار کے ساتھ رہنے کا حق ہوگا، یہ تو مشورۂ نیک کے طور پر عرض کیا گیا۔

بحث مجھے صرف اتنی بات سے ہے کہ زمینداری اگرچہ بہت عمدہ وجہ معاش ہے مگر اختیار نہیں جسے خدا میسر کرے اس کے لیے ہے، پھر اس کو بھی سلیقہ اور خوبی کے ساتھ انجام دینا کارے دارد۔

تجارت:

زمین داری کے بعد تجارت ایک چیز ہے اور یہ وہی چیز ہے جو ابتداء سے مسلمانوں کی عام وجہ معاش رہی ہے۔ دنیا کی جس قوم نے تجارت ہاتھ میں لی، وہ ترقی کے میدانوں میں دوسری قوموں سے سبقت لے گئی۔ افسوس ہندوستان کے مسلمانوں نے اس کے ساتھ دلچسپی نہیں لی بلکہ اس کو اپنے لیے عار سمجھ لیا اور جس طرح کوئی جاہل یا مسخرہ کریلے اور کوئی شلجم سے چڑتا ہے، اس طرح یہ لفظوں کے وہی ہوئے بنا کر تجارت سے چڑنے لگیں۔ اب دنیا میں ان کے لیے تجارت نہیں ہے، کپڑا بیچیں تو بزاز بننا چڑ ہے، غلہ فروخت کریں تو بنئے کہلانے سے عار ہے۔ سبزی بیچیں تو کنجڑے کہلائیں، شیرینی کی تجارت کریں تو حلوائی ہو جائیں، سونا چاندی لے کر بیٹھیں تو صرافی کا بٹا لگے۔

غرض ان کے لیے تجارت کا ہر دروازہ ناموں کے وہمی خوف اور فرضی عار و ننگ کی فوجوں نے بند کر رکھا ہے، وہ تجارت میں اپنی اہانت جانتے ہے، یہاں تک کہ دنیا کی قومیں ترقی کر کے دولت و ثروت کی مالک بن گئیں اور یہ گداگری کے لیے ان کے سامنے ہاتھ پھیلانے کے قابل ہو گئے۔ مگر تجارت سے مانوس نہ ہونا تھا نہ ہوئے۔

اب بھی آنکھیں کھولیں اور ہوش میں آئیں، تجارتیں ہاتھ میں لیں، بڑا سرمایہ میسر

نہ آئے تو چھوڑے پیمانہ پر شروع کر دیں۔ دانہ زمین میں پڑتے ہی شجر بار آور نہیں بن جاتا پودے ہی ترقی کر کے تن آور درخت بنتے ہیں۔

آدمی پہلے بچہ ہی ہوتا ہے، اسی حالت سے ترقی کر کے شیر افگن جوان بنتا ہے، چھوٹی تجارتیں بڑھتے بڑھتے ہی بڑی اور بہت بڑی ہو جائیں گی لیکن شروع ہی نہ کی گئی تو کیونکر ہوں گی، تجارت میں نیک نیتی، دیانت، صدق معاملت اور ممنوعات سے بچنا ضرور ہے اور ایسا کرنے سے برکت ہوتی ہے اور آدمی جلد فائز المرام ہو جاتا ہے لیکن کتنا بھی قلیل ہو تجارت کے لیے کچھ نہ کچھ سرمایہ ضروری ہے، بغیر سرمایہ کے تجارت نہیں ہو سکتی۔

حرفت اور پیشہ:

تیسرا طریق معاش حرفت اور پیشہ ہے، اس کے لیے نہ بزرگوں سے ورثہ میں جائیدادیں پانا درکار نہ سرمایہ ضرور بے مایہ پیشے اور حرفے کی وجہ سے تونگر ہو جاتا ہے۔ اگر زمین دار کے پاس سے اراضی نکل جائے تو وہ زمینداری نہیں کر سکتا۔ تاجر کے پاس سرمایہ نہ رہے تو تجارت نہیں کر سکتا لیکن صاحب حرفت کسی وقت مجبور نہیں ہوتا، نہ اس کے پیشے کو کسی ڈگری میں قرق کیا جا سکتا ہے نہ کبھی پیشہ کا دیوالیہ نکلتا ہے بلکہ پیشہ ور آزادی کے ساتھ اپنی ضرورت کے لائق معاش پیدا کر لیتا ہے اور اس کسب حلال سے اوقات گزاری کرتا ہے جہاں ہندوستانیوں نے تجارت کو ننگ و عار سمجھ لیا ہے، وہاں پیشوں کو اس سے زیادہ ذلیل وخوار جانا ہے۔

یہ نہایت بدنصیبی ہے کہ اپنی معاش کے تمام دروازے وہم وغرور کے ہاتھوں بند کر ڈالتے ہیں جس کا انجام ضرورتوں سے مجبور ہونے کے بعد یا چوری کرنا ہوتا ہے یا بھیک مانگنا۔ بدعقلی و کم نصیبی دیکھیے، یہ گوارا ہے مگر پیشہ کے ذریعہ سے کسب حلال اور دفع حاجت منظور نہیں۔ اس کو ذلیل ہی دیکھے جاتے ہیں اور جو کوئی پیشہ ور مل جاتا ہے اس کا کوئی نام رکھ کر اس کو عار دلاتے ہیں کمینہ بتاتے ہیں، اپنی مجلس میں بٹھانے کے قابل نہیں جانتے، اس کے سلام کے جواب میں تیوری چڑھا لیتے ہیں، اس طرح اپنے بھائی کی دل شکنی ہی کرتے ہیں اور پیشہ سے عار دلا کر وہ معاش کا یہ راستہ بھی مسلمانوں کے لیے بند کر ڈالنا چاہتے ہیں

اور حریف قومیں مسلمانوں کے پیشے بھی لیتی جارہی ہیں، گزشتہ دس سال کے عرصہ میں ہزارہا ہندو کپڑا بننے لگے۔کھدر کی تحریک کے سلسلہ میں مسلم پیشہ وروں کی روزی پر ہندوؤں نے کامیاب حملہ کیا ہے اورانہوں نے ہزارہا کھدر بننے والے ہندو جولاہے بنادیے۔

ہمارے فقہ مستان نخوت آگیں اور متکبران فاقہ کش تو خود بے ہنر ہیں بیوی بچوں کی شکم سیری کا کوئی بندوبست نہیں کرسکتا، مگر جو بھائی اپنی قوت بازو سے کپڑا بن کر اپنے گھر والوں کے لیے روزی بہم پہنچاتا ہے اس کو جولاہا کہتے ہیں، حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، باوجودیکہ شریعت نے شرافت کا مدار تقوی، پرہیزگاری پر رکھا ہے۔ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ،اللہ کے نزدیک تم میں گرامی معزز صاحب منزلت وہ ہے جو پرہیزگار ہو۔

آیت میں شرافت کے لیے کسی نسب خاندان قبیلے کی تخصیص نہیں کی گئی، پھر یہ تفریق پیدا کر کے کیوں مسلمانوں کے شیرازہ کو درہم برہم اور ان کے اسباب معاش کو نقصان اور تباہ کیا جاتا ہے، پچھلے زمانہ میں اور ہند کے علاوہ دوسرے ملکوں میں مسلمان اس بیماری سے پاک رہے۔ہر مسلمان بھائی سمجھا جاتا تھا چاہے وہ کوئی تجارت یا کوئی پیشہ کرتا ہو۔مسلمان صرف یہ دیکھتے تھے کہ ہمارا بھائی کسب حلال سے اپنی ضروریات رفع کرے جس طرح ایک شخص ایک صاحب تدبیر اقبال مند وزیر کو اپنا بھائی جانتا، اسی طرح وہ ایک غریب سے غریب سوداگر یا پیشہ ور بھائی کے لیے بھی فراخ دلی سے محبت کے ہاتھ بڑھا کر ملتا اور اس کو سینہ سے لگاتا اور اگر وہ بھائی صاحب علم وتقوی ہوتا تو خاندانی رئیسوں اور حکومت کے منصب داروں سے بھی زیادہ اس کی وقعت کرتا چاہے وہ کوئی پیشہ کرتا ہو۔

• میں اس مضمون کو طویل نہیں کرنا چاہتا۔شمس الائمہ حلوائی اور مسعود فرا البغوی کیسے بڑے اکابر اجلہ ہیں، پیشہ تو ان کے نام ہی سے ظاہر ہے لیکن دنیائے اسلام میں اتنا ہی نہیں کہ ان کے زمانہ میں عظمت تھی، بلکہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی دنیائے اسلام کا ہر طبقہ ان کے سامنے سرنیاز جھکاتا ہے اور ان کے احکام کو عزت کے ساتھ تسلیم کرتا ہے۔جن بزرگوں نے پیشہ کیے ان کی اسم شماری کروں تو طویل دفتر بنے اور اس کی ضرورت بھی نہیں۔

اتنا معلوم ہوگیا کہ پچھلے مسلمانوں میں پیشہ کی وجہ سے عار نہ تھی۔علامہ شامی نے

جامہ بافی وغیرہ پیشوں کی نسبت لکھا ہے:

قد تولاھا قوم صالحون یعنی کپڑا بننے کے پیشہ کو قوم صالحین نے اختیار کیا ہے۔

دیکھئے فقہ کے ایسے بڑے فتاوے میں اس پیشہ کو صالحین کا پیشہ اور اس قوم کو صالحین بتایا، پھر کہاں سے مسلمان ایسے پیشوں کی وجہ سے اپنے بھائیوں کو حقارت کی نظر سے دیکھ کر مسلمانوں کی قوتوں کو گھٹا رہے ہیں، پچھلے زمانہ کے لوگ خود بھی پیشہ کو عیب نہیں جانتے تھے۔

حکم عمر خیام جو ایک مشہور فلسفی ہے، خیام تو اس کے نام کے ساتھ ہی ہے جس سے پیشہ پر روشنی پڑ رہی ہے۔ نظام الملک طوسی کی دوسری جلد میں لکھا ہے:

عمر خیام کا باپ عثمان ایک پیشہ ور آدمی تھا اور جامہ بافی اس کا پیشہ تھا۔ چنانچہ خاقانی نے جہاں اپنے بزرگوں کے حالات لکھے ہیں، اسی میں اپنے دادا کو نستاج (جامہ باف) لکھا ہے، چنانچہ لکھتا ہے:

جولاہہ نژادم از سوئے جد
در صنعت من کمال ابجد
شاگرد از بہ کلبہ من
ماشورہ کن است ریسماں تن

نستاجی ایک اعلیٰ قسم کی دست کاری ہے اور مسلمانوں کے نہایت نامور ائمہ اس پیشہ سے منسوب ہیں مگر اس عہد میں قومی غرور نے جو حقارت آمیز خیال اس پیشہ کی نسبت قائم کر لیا ہے، وہ البتہ قابل تاسف ہے۔ (نظام الملک طوسی جلد: ۲، ص: ۴۵۰)

اس مدعا پر بہ کثرت شواہد پیش کیے جاسکتے ہیں لیکن عاقل فہیم کے لیے جس قدر عرض کیا گیا، نا کافی نہیں اور اس سے یقینی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حرفت پیشہ اگر وہ شرعاً حرام نہیں ہے تو ہرگز وہ باعث ذلت وخوار نہیں ہو سکتا۔ ہاں برے اخلاق برے اطوار رذیل خصائص بے شک موجب ننگ وعار ہیں کسی شخص میں ہوں، قومیت ونسب اس کو ان برائیوں سے بری نہیں کر سکتے، جو اس کے نفس میں دخیل اور افعال میں ظاہر ہو چکے ہیں، ناقص افعال

خواہ کسی شاہی خاندان کے فرد سے ظاہر ہوں، موجب ملامت اور مستحق نفرت ہی رہیں گے۔

سخت ناانصافی ہے کہ ایک غریب قوم کے افعال حسنہ سے چشم پوشی کی جائے اور مالدار و متمول طبقہ کے اوباشوں کو بھی ذلیل نہ سمجھا جائے، وہ کس قانون سے شریف کہلانے کے مستحق ہیں جنہوں نے مباح پیشہ سے کسب حلال کر کے اپنے آپ کو اتباع شریعت کے سایہ میں رکھا ہو۔

سادات کرام

مسلمان کے لیے جو اللہ کے حبیب حضور سید الانبیاء ﷺ پر ایمان لاتا ہے اور جان و مال سے ان پر فدا ہوتا ہے اور اپنی بہترین عزت اعتقاد کرتا ہے، آپ کی آل پاک سادات کرام کی عظمت فطری طور پر ضروری اور اس کی شرافت کا ثبوت ہے کہ اگر اس نے محسن شناسی نہ کی اور آقازادوں کے ساتھ مغرورانہ برتاؤ کیا تو یقیناً وہ کم ظرف، دنی الطبع اور کمینہ ہے کہ اس نے سپاس گزاری اور منعم شناسی جیسے قابل قدر اور مدار شرافت جوہر سے حصہ نہ پایا۔

علاوہ بریں شریعت اسلامیہ نے اگر کسی خاندان کی عزت کا پتا دیا ہے اور احادیث کریمہ سے اگر کسی نسب و نسل کے بے شمار فضائل اخذ کیے جاسکتے ہیں تو وہ خاندان سادات ہے اور اُن کی محبت و عظمت مومن کے لیے دنیا و آخرت میں بے شمار برکات کا سرچشمہ ہے۔ وہ نسب جو قیامت میں منقطع نہ ہو، نسب رسول ہی ہے، وہ ذات جن کے فضائل کا ہم اندازہ نہ کرسکیں، سادات کرام ہی ہیں۔

اس مدعا پر اگر میں احادیث پیش کروں تو ایک نئی کتاب ہی تیار ہوجائے اور ائمہ و علمائے بہت مبسوط کتابیں سادات کرام کے فضائل میں تحریر فرمائی ہیں لیکن چونکہ مسئلہ اتفاقی ہے اور تمام اہل اسلام اس کو بے اختلاف تسلیم کرتے ہیں اور بحمد اللہ عملاً سادات کرام کی عزت و احترام کو ملحوظ رکھتے ہیں، اس لیے اس پر نصب دلائل کی حاجت نہیں۔ سادات کرام کے سوا باقی جس قدر گروہ خاندان اور قبیلہ ہیں، ان میں مدار شرافت حسن عمل اور اتباع

رسول ہے اور اصل مسئلہ یہی ہے کہ اشرف خلق اور افضل خلق حضور سیّد انبیاء ﷺ ہیں، باقی جس کسی کو شرف ہے، وہ حضور کے ساتھ انتساب رکھنے سے ہے۔

حدیث میں ارشاد فرمایا: موالی القوم منهم ۔فرمانبردار غلام آقا کی حاشیہ نشینی کی عزت پاتا ہے جو فرماں بردار ہوگا اور جس کی غلامی کامل ہوگی، اس کا قدم شرافت کے میدان میں آگے ہے۔ یہ مضمون حدیث کی صراحت سے بھی پایا جاتا ہے جہاں ارشاد فرمایا:

کل مومن تقی فهو آلی۔

یعنی ہر پرہیزگاری اور ایمانداری میری اولاد ہے۔

اے آقائے کریم علیک الصلوٰۃ والسلام آپ کی اولادوں کی غلامی کیا کم عزت ہے، ترے کرم بندہ نواز کے قربان کہ" آل" کے لفظ سے شرافت عطا فرمائی، تو ہر مومن صالح جس کو بارگاہ رسالت سے یہ شرافت ملی، اس کے اس شرف کو کون چھین سکتا ہے اور جو اس تعریف میں نہیں آتا وہ کیسے شریف بنا جاتا ہے۔

قصہ مختصر پیشہ کو عیب کی نگاہ سے دیکھنا غلط اور اسلامی اتحاد کا پاش پاش کر ڈالنے والا اور مسلمانوں کو معاشرتی ترقیات سے محروم کرنے والا ہے۔ خدارا وقت کی نزاکتوں کو دیکھ کر دشمنوں کی چیرہ دستیوں پر نظر ڈال کر اپنے قویٰ ضائع کرنے سے باز آؤ اور استعداد دین فنا مت کرو، مسلمان سے مت سوال کرو کہ وہ افراسیاب کی اولاد ہے یا فریدوں اور کیخسرو کی۔ آج اسلام کی نظر میں افراسیاب و کیخسرو کو ہرگز وہ عزت حاصل نہیں ہے جو ایک گھاس کے بیچنے والے مومن صالح کو ہے، تم اسے گھسیرا کہہ کر مت شرماؤ، بھائی سمجھو، بھائی بناؤ، سلام کرو اور محبت سے سلام کا جواب دو، وہ کچھ کہنا چاہے تو محبت سے سنو اور شفقت و ہمدردی کے لب ولہجہ میں اس سے گفتگو کرو، اسلام کو قوموں، نسلوں اور خاندانوں، پیشوں حرفوں میں مت تقسیم کر ڈالو۔

قومی انجمنیں

اس سلسلہ میں قومی انجمنوں کا تذکرہ بھی ضروری ہے جن کا مقصد ترقی اور اصول

عمل اتحاد ہے، یہ دونوں چیزیں پسندیدہ اور قابل تعریف ہیں لیکن ہر پسندیدہ اور قابل تعریف چیز کو اس کے محل پر صرف کرنا نافع اور مفید ہوتا ہے اور بے محل یا بے اصول خرچ کرنا برعکس نتائج لاتا ہے۔ میں تو آج مسلمانوں کے اتفاق و اتحاد اور ان کی شیرازہ بندی کو اتنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر وہ کسی جان کی قربانی سے حاصل ہو سکے تو میں اس کے لیے اپنی جان بے دریغ پیش کر دوں مگر امر حق کے اظہار میں زبان روکنا شرعاً جرم ہے۔

اس لیے مجھے اعلان کے ساتھ کہہ دینا چاہیے اور میں بے دریغ کہتا ہوں کہ قومی جماعتیں خواہ وہ شیخان پنجابی کی ہوں یا راعیان کی یا مشائخان کی یا قوم مومن کی یا اور دوسری، ان کا موجودہ طریق عمل اسلام کے لیے اور خود ان کے لیے ایک خطرہ عظیمہ ہے۔ ان کی بنیاد تنگ خیالی پر رکھی جاتی ہے اور وہ اپنی قوم کی درستی اور ترقی کی تدابیر کے ساتھ ساتھ دوسرے مسلمانوں کو اغیار جاننا اور ان کے ساتھ تعصب رکھنا اپنے نظام عمل کا جزو لازم بنائے ہوئے ہیں گو یہ بات کسی لائحہ عمل میں بقید تحریر نہ لائی گئی ہو لیکن طریقہ کار اس کا شاہد ہے، تو جہاں وہ اپنی قوم میں ایک ارتباط پیدا کرتے ہیں، دوسروں کے ساتھ منافرت کی بھی ایک روح پیدا ہوتی جاتی ہے جس سے اس اسلامی اتحاد کو صدمہ پہنچا ہے، جس کے لیے میں درخواست کر رہا ہوں کہ:

قومی تفرقے مٹا دو اور اس اتحاد عام و تام کے فوائد حاصل کرو اور اپنی اکثرت سے دنیا کو مرعوب کر دو لیکن یہ بات قومی اتحاد حاصل نہیں کر سکتی بلکہ ان کا انجام آپس میں ٹکرا جانا نظر آتا ہے۔ جب کئی جتھے بنا لیے جاتے ہیں اور ہر ایک جتھے کو مضبوط کیا جاتا ہے تو ہر جتھا طاقت پانے کے بعد قوت کے غرور میں دوسرے جتھے پر اپنی فوقیت ثابت کرنا ضروری سمجھتا ہے، پچھلے زمانہ کی تاریخ اس پر شاہد ہے، اور موجودہ زمانہ میں بھی رات دن اس کے نظائر سامنے آتے رہتے ہیں۔

کاش ان قومی جماعتوں کے قائد اور سردار وسعت نظر پیدا کریں اور علیحدہ علیحدہ ٹولی اور جماعت بنا کر اسلامی قوت کو تقسیم کرنے کی بجائے عام اسلامی اتحاد کو مضبوط کرنے

اور باہمی منافرت کو بکلی اٹھا دینے کی سعی میں سرگرم ہوں اور دنیا کا کوئی مسلمان شریعت اسلامیہ کی شاہراہ پر سیدھا چل رہا ہو، ان کو غیر نظر نہ آئے اور قومی اور نسلی امتیاز اسلامی اخوت ومحبت کے رشتہ کو منقطع نہ کر سکے۔

اگر ہر قوم نے اپنا اپنا اجتماع کیا تو دنیا میں رائی کانفرنس، چوہدری کانفرنس، مومن کانفرنس، لوہار کانفرنس، بڑھئی کانفرنس وغیرہ صدہا کانفرنسیں تو ملیں گی مگر اسلامی کانفرنس کا پتا نہ چل سکے گا۔ مسلم کانفرنس کہاں سے آئیں گی۔

میرا مدعا یہ ہے کہ جب اللہ نے کسی قوم کو اس قابل کیا ہے کہ وہ کچھ کام کر سکیں تو انہیں چاہیے کہ اسلام کی وسیع فضا میں سرگرمی اور جدوجہد کریں اور چھوٹے چھوٹے احاطوں میں نظم وترتیب عام انتشار کو رفع نہیں کر سکتی۔ نہ مسلمانوں کی گری ہوئی حالت اس سے سنبھل سکتی ہے، نہ دوسری قوموں کو ان سے ہمدردی ہو سکتی ہے، نہ دیرینہ منافرت اس طریق عمل سے دفع کی جا سکتی ہے۔

اس کا یہی طریقہ ہے کہ قومی گروہ بندیاں اور قومی تعصبات مٹا ڈالے جائیں۔ معیار شرافت وعزت حقیقتاً اسلام ہے اس کو ایسا دل نشین کیا جائے کہ اپنا غریب سے غریب بھائی ہمیں غیر مسلم کروڑ پتی سے زیادہ عزت دار نظر آئے اور ہم بلا لحاظ قوم ونسل اس کی ہمدردی ومحبت اپنے دل میں رکھیں اور جو اخوت اسلام نے عنایت فرمائی ہے اس کی خوشبو سے عالم کو مہکا ڈالیں تو وہ لفظ جو آج دنیا میں قوموں کے لیے ذلت کے معنی میں استعمال کیے جاتے ہیں، بکل عزت کی نظر سے دیکھے جائیں گے۔

اب میں اس بحث کو طویل نہیں کرنا چاہتا اور امید کرتا ہوں کہ ارباب نظر سنجیدگی سے غور فرما کر میری معروضات کی عمل سے داد دیں گے۔ ایک بات نہایت ضروری عرض کرنے کے قابل ہے، وہ بھی آخر میں گزارش کر دوں۔

اپنے اور بیگانے

مذکورہ بالا بیان سے اگرچہ صاحب فہم بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ اخوت اور اتفاق کا محل کیا ہے اور کون ہیں جن کا ملانا اور شیر وشکر کرنا قوت اسلام کے لیے ازبس ضروری ہے،

لیکن مسئلہ مہتم بالشان ہے، اس لیے دوبارہ تصریح کر دینا زیادہ مناسب ہوگا۔ اسلام کسی قوم کا نام نہیں ہے۔ اس لیے ہر ایک مسلمان اسلامی عزت و شرافت کا یکساں حق دار ہے اور اس کے خلاف سلوک کرنا اس کی حق تلفی ہے، تمام رشتوں سے قوی تر رشتہ اسلام ہے اور حقیقی بھائی کہلانے کا مستحق صرف مسلمان ہی ہو سکتا ہے۔ وہ بھائی جو والدین میں ہمارا شریک ہے، میں تسلیم کرتا ہوں کہ بھائی ہے اور میرا اس کا یہ رشتہ ہے کہ ہم دونوں ایک ماں اور ایک باپ کے فرزند ہیں، ہم نے اور اس نے ایک ہی گود میں پرورش پائی ہے اور ایک ہی مربی کے دست شفقت سے بہرہ مند ہوئے، جیسے ایک استاذ کے چند شاگرد خواجہ تاش ہونے کا رشتہ رکھتے ہیں اور انہیں تھوڑے دن ایک ساتھ رہنے یا ایک استاذ سے فیض پانے کا تعلق باہم دگر رفیق بنا دیتا ہے، اس سے زیادہ اور بدرجہا زیادہ ہمارا تعلق اس بھائی سے ہے جس کا ہم سے مولد میں ساتھ ہے مسکن میں ساتھ ہے، مربی باپ کی شفقت اور مہربان والدہ کی محبت میں وہ ہمارا شریک ہے۔

یہ بھائی کے رشتہ کی حقیقت ہے، اس بھائی کو جو ہمارا سگا بھائی ہے، اس کے رشتہ کو پہچان کر اور اس کی حقیقت پر غور کرنے کے بعد میں حقیقی بھائی کہنے میں متامل ہوں کیونکہ میں نے قرآن پاک میں اس بھائی کے لیے وہ الفاظ نہیں پائے جس سے میں اس کو حقیقی بھائی کہہ دیتا لیکن جس کے لیے قرآن پاک میں مجھے میرے رب کا فرمان ملتا ہے اور جس کے بھائی ہونے کی شہادت اللہ کی کتاب دیتی ہے اور جس سے ملنے کی ترغیب فرمائی ہے وہ اسلامی بھائی ہے۔ لہٰذا میں یقین کرتا ہوں کہ وہی حقیقی بھائی ہے جس کے لیے قرآن نے:

انما المؤمنون اخوۃ۔

(تمام اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں) فرمایا۔ یہ بھائی جو ماں باپ کی تربیت میں میرے ساتھ رہا، یقیناً اس بھائی سے رشتہ اور قرابت میں کم ہے جو خدا کا فرماں بردار بندہ ہونے میں میرے ساتھ ہے، ماں باپ کے احسان بہت زیادہ ہیں اور ان کا شکر واجب، لیکن ماں باپ نے پیدا نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تو والدین کی تربیت میں ساتھ رہنے سے جو بھائی ہوگیا، وہ ضرور اس سے دور کا بھائی ہوگا جو پروردگار کی فرماں برداری اور

خدا پرستی میں ساتھ ہو، کیونکہ وہ اصل ہستی پانے میں ہستی دینے والے سے فیض حاصل کرنے میں ہمارا ساتھی ہے، ماں باپ اسی کے فضل وکرم کے مظاہر ہیں، اس بھائی کے حقوق بھی اسلام نے بتائے ہیں۔ اس سے خلق ومحبت کا برتاؤ، اس سے ہمدردی اس کا اعزاز اس کی ہر ناگوار گزرنے والی بات سے احتراز اس سے بہ کشادہ روئی وخندہ پیشانی ملنا احادیث میں تعلیم فرمایا گیا، آپ کو یہ شبہ نہ گزرے کہ سگا بھائی وارث ہوتا ہے اور اسلامی بھائی اگرچہ حقیقی بھائی ہے تو وارث کیوں نہیں ہوتا، کیونکہ کوئی شخص سگا بھائی ہونے سے وارث نہیں ہوسکتا، ایک ماں باپ سے ہونا اس کو ورثہ نہیں دلاتا، وہ ورثہ جب ہی پائے گا جب کہ وہ اسلامی بھائی بھی ہو۔ اگر اس کے دین میں فرق آ گیا معاذ اللہ تو وہ وراثت سے بھی محروم ہے، ہاں مومن ہونے کی صورت میں وہ دو رشتہ والا ہے اور بہ قوت قرابت اسے حاصل ہے لیکن اس کی دونوں قرابتوں میں سے قریب والی قرابت اس کا اسلام ہے۔

الحاصل اسلام ایک دولت ونعمت ہے جس سے ہم سب بہرہ ور ہیں، اسلام ایک رشتہ ہے جس میں ہم سب مربوط ہیں، اسلام ایک شرافت ہے جو ہمارا مایہ فخر ہے، جو کچھ ہے ہمارا دین ہی ہے اور ہمارے باہمی تعلقات سب اس کے واسطہ سے ہیں، تو جو اسلام میں پختہ ہے دین میں غیر متزلزل ہے، عقیدہ میں راسخ ہے، ایمان میں کامل ہے، وہ شریف وہ محبتوں کا مستحق اس کی عزت ہم پر لازم اور جو دین سے شمہ بھر منحرف ہے، بے دینی، بدعقیدگی، لامذہبی کا کوئی شائبہ بھی رکھتا ہے، تو وہ ہم سے جدا ہے، اس سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں۔ برادر عینی بھی ہو تو اس سے ہماری برادری نہیں، فرزند ہو تو اس سے ہمارے علاقے ختم۔

الحب للہ والبغض للہ۔

خدا کے لیے محبت اور خدا کے لیے عداوت۔ مومن کی علامت چہ جائیکہ بے دینوں کی رعایت۔

لا تجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الآخر یوادّون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا اٰباءھم او اخوانھم او عشیرتھم۔

مومن کے قلب میں بے دین کی طرف میل ہوتا ہی نہیں، نہ شرعاً جائز بکثرت آیات قرآنیہ

واحادیث نبویہ ﷺ اس پر شاہد ہیں، تو جس کے دین میں کھوٹ ہے، نہ ہمیں اس کو برادر سمجھنا چاہیے نہ شریف، وہ بے شک رذیل ہے جو خدا اور اس کے رسول سے منحرف ہے، وہ یقیناً کمینہ ہے، ہم اللہ والوں سے خالص مسلمانوں سے صحیح العقیدہ سنیوں سے اخوت اور برادری رکھیں گے اور یہی ہم پر لازم ہے اور اس پر تیرہ سو برس سے اہل اسلام کا عمل رہا ہے لیکن اگر ہماری نسل وقوم کا کوئی شخص معاذ اللہ بدمذہب وہابی رافضی قادیانی نیچری ہو جائے تو ہم پر لازم ہوگا کہ ہم اس سے متارکت وانقطاع کر دیں، رسم وراہ برادری چھوڑ دیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ.

ترجمہ: ''اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ''۔

جو وہابی ہو، انبیاء واولیاء کی توہین کرے، اللہ رب العزت تبارک وتعالیٰ کی طرف کذب کی نسبت کرے، حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی سخت تشنیع وتوہین کرے یا توہین کرنے والے کو مسلمان جانے اور ان کی تائید وحمایت عزت وتوقیر کرے وہ ہمارا بھائی نہیں ہو سکتا، یہ تو وہابی کا حال ہے، اس کے مذہب میں اولیاء وانبیاء کی توہین ضروری ہے، مولوی اشرفعلی (تھانوی) کی حفظ الایمان، مولوی قاسم (نانوتوی) کی تحذیر الناس، مولوی خلیل احمد (انبیٹھوی) ورشید احمد (گنگوہی) کی براہین قاطعہ دیوبند کی تصانیف اس کی شاہد ہیں، ایسے لوگوں سے نہ ہمیں واسطہ رکھنا جائز، نہ ہم انہیں بھائی سمجھ سکتے ہیں، نہ ان سے ہمارا اتحاد ممکن ہے۔۔۔

آب چوں در روغنی افتد نالہ خیزد از چراغ
صحبت نا جنس باشد شر آزار ہا

ایسے ہی غیر مقلد جن کی زبان کی چھریاں ہمارے دل وجگر کو گھائل کرتی رہتی ہیں، ہمارے امام عالی مقام امام الائمہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ودیگر ائمہ دین واولیاء عارفین کی شان میں بدگوئی کرنا اور مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ اندازہ کر کے کفار کو خوش کرنا اس فرقہ کا خاص کام اسی طرح اور دوسرے باطل فرقے سب ہم سے علیحدہ ہیں۔ ان کو

برادری میں داخل کرنا گویا مخالف قوموں کو جمع کر کے ایک نہ مٹنے والی جنگ اور تباہی انگیز فساد پیدا کرتا ہے جو شریر النفس ہم میں سے نکل گئے اور انھوں نے ہمارا اور اپنے آباؤ اجداد کا طریقہ چھوڑ دیا اور وہ ہمارے ساتھ اتفاق نہ رکھ سکے ان کو اپنا جز سمجھے جانا بھائی کہنا برادری کے حقوق دینا مجانست موانست مناکحت جاری رکھنا مسلمان کیلئے خودکشی کے برابر ہے۔

مسلمان ذرا سی دنیوی بات میں اپنے بھائی سے لڑجاتے ہیں ،طویل طویل مقدمہ بازی شروع کرتے رہتے ہیں توہین قرار دے کر ان سے برادرانہ میل جول ترک کردیتے ہیں۔ یوں تو اتفاق واتحاد کا خون کرتے رہتے ہیں مگر کسی شخص کی بدمذہبی وبے دینی کی وجہ سے اس سے چیں بہ جبیں بھی نہیں ہوتے۔ الا ماشاء اللہ یہی وجہ ہے کہ آج تک باوجود مسلسل کوششوں کے اتفاق کے مقصد میں کامیابی نہیں ہوسکی ہے، اگر تمام بدمذہبوں کو علیحدہ کردیا جائے اور مسلمان آپس میں محبت واخلاص کے ساتھ برادری قائم کریں تو یہ وہ اتحاد ہے جو پائیدار ہے اور جس کی برکات سے وہ فائدے اٹھاتے رہیں۔ یارب میری عرض گوش دل سے سب قوم سنے، یہ مدعا ہے۔

ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین
وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه ونور عرشه
سیدنا ومولانا محمد وآله وصحابه اجمعین۔

(خاکسار عمر نعیمی)*

❊❊❊

....

* یہ رسالہ حکیم سید غلام معین الدین نعیمی ناشر نے باہتمام ملک نور الٰہی طابع تعلیمی پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر نعیمی دواخانہ موچی گیٹ لاہور سے شائع کیا۔

عید الفطر: مسائل واحکام

از قلم

مفتی اہلسنت مفتی محمد عمر نعیمی مرادآبادی علیہ الرحمۃ

منجانب: مخزن عربیہ بحر العلوم

رابسن روڈ عقب کاملین مارکیٹ مطبوعہ مشہور آفسٹ پریس کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام

علی خاتم الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

اس وقت مسلمان جس دور سے گزر رہا ہے محتاج بیان نہیں دینی معلومات کی کمی اور فرائض وواجبات کی طرف سے بے پروائی دنیا کے مقابلہ میں دین کو بھولے ہوئے، نہ رمضان کا احترام، نہ تراویح کا اہتمام، نہ عید کی فرحت وسرور سے باخبر ہیں۔ اس لئے یہ ایک چھوٹا سا نہایت مختصر رسالہ پیش کرتا ہوں جس میں عید کے احکام اور ضروری ضروری چند مسائل درج ہیں۔ مسلمان اس چھوٹے رسالہ کو قدر کے ساتھ محفوظ رکھیں اور اس سے خود بھی کام لیں اور اپنے اعزہ واحباب کو بھی فائدہ پہنچائیں۔

دار العلوم مخزن عربیہ بحر العلوم کی طرف سے مسلمانوں میں دینی احساس پیدا کرنے کے لیے رسالے، مضامین، نقشہ سحر واوقات مختلف اوقات میں شائع کئے جاتے ہیں۔ آپ اس دار العلوم کی امداد فرمائیں۔ (عمر نعیمی غفرلہٗ)

یہ فرحت وسرور کا دن ہے جس میں مسلمان حضرات حق تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے اپنے فضل سے رمضان مبارک کے روزے رکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ دوسری قوم کے تہواروں پر ہم نظر ڈالتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ ان کے تہوار کس قدر گندے اور گھناؤنے ہیں، اپنے تہواروں میں ایسی گندی اور پلید حرکتیں کرتے ہیں جن سے انسانیت ذلیل ہوتی ہے شرابیں پی کر مست ہونا بازاروں سڑکوں پر رنگ اچھالتے، منہ کالے کرکے کودتے پھرنا ایک دوسرے پر نجاستیں پھینکنا غرض ان کے تہوار مضحکہ کے لائق ہیں۔ حضور اقدس سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کرم کے قربان اپنے غلاموں کو کیسا پاک بنایا۔ تہوار مقرر فرمائے تو کیسے نفیس وپاکیزہ جن میں غسل کرنے، کپڑے بدلنے، خوشبو لگانے اور رب تعالیٰ کی عبادت بجالانے کا حکم فرمایا۔ تمام گندگیوں سے اور نجاستوں سے بچایا۔

عید الفطر کی سنتیں

غسل کرنا، مسواک کرنا، خوشبو لگانا، عمدہ لباس پہننا، عیدگاہ کو پیادہ پا جانا، ایک راہ سے جانا دوسری راہ سے واپس آنا، نماز عید کو جانے سے قبل کوئی شیریں چیز مثلاً کھجور وغیرہ کھانا (اسی بنا پر ہمارے ملک میں سویاں رائج ہوگئیں کہ کھانا شیریں ہو اور سنت بھی ادا ہوجائے)، نماز سے قبل صدقہ فطر ادا کرنا (تاکہ فقیر بھی اپنی ضروریات سے بے پرواہ ہوکر عید کی فرحت میں حصہ لے سکے)۔

مباحات ومستحبات

صدقہ کی کثرت کرنا، باہم ملنا، مبارک باد دینا، فرحت وخوشی کا اظہار کرنا، مصافحہ اور معانقہ کرنا۔ شاہ ولی اللہ صاحب مُسَوّیٰ میں امام نووی کا قول نقل کرتے فرماتے ہیں:

هٰكَذَا يَنْبَغِيْ اَنْ يُقَالَ فِيْ مُصَافَحَةِ يَوْمِ الْعِيْدِ وَالْمُعَانَقَةِ يَوْمِ الْعِيْدِ

اور غنیۃ میں ہے:

كَمَا اَلْمُصَافَحَةُ بَلْ هِيَ سُنَّةٌ عَقِيْبَ الصَّلٰوةِ كُلِّهَا

راہ میں یہ تکبیر اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ آہستہ پڑھتے ہوئے جانا۔

صدقہ فطر

۱۔ صحیح بخاری ومسلم میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے زکوۃ فطر ایک صاع جو ہر مسلمان مرد وعورت چھوٹے اور بڑے پر مقرر فرمائی اور حکم دیا کہ نماز کو جانے سے پہلے ادا کردیں۔

۲۔ ابوداؤد ونسائی کی روایت میں ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آخر رمضان میں فرمایا اپنے روزوں کا صدقہ ادا کرو یہ صدقہ رسول کریم ﷺ نے مقرر فرمایا ہے۔

۳۔ ابوداؤد وابن ماجہ میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے زکوۃ فطر مقرر فرمائی کہ لغو اور بے ہودہ کلام سے ان کی طہارت ہوجائے اور مساکین کی خوراک ہوجائے۔

۴۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا بندہ کا روزہ آسمان وزمین کے درمیان رکا رہتا ہے جب تک صدقہ فطر ادا نہ کرے۔

صدقہ فطر ہر مسلمان مالک نصاب پر نصف صاع (اسی (۸۰) کے سیر سے دو سیر تین چھٹانک) گیہوں یا آٹا یا ستو یا مویز۔ یا ایک صاع جو یا کھجور کا صدقہ دینا عیدالفطر کا چاند دیکھنے کے بعد سے واجب ہے۔ اپنی طرف سے اور اپنے نابالغ بچوں کی طرف سے دینا بھی واجب ہے۔ خواہ مرض یا سفر یا ضعف پیری یا اور کسی وجہ سے روزے نہ رکھے ہوں تب بھی صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہے۔

کسی شخص پر اس کی بی بی یا بڑی اولاد یا مالدار بچہ کی طرف سے صدقہ فطر دینا واجب نہیں ہے۔ بی بی یا بڑی اولاد مالدار ہے تو وہ اپنا صدقہ خود ادا کریں۔ نابالغ بچہ مالدار ہے تو اس کا صدقہ اس کے مال میں سے دیا جائے۔

اگر بی بی نے شوہر کو یا شوہر نے بی بی سے کہہ دیا کہ تم ہمارا صدقہ ادا کر دو اور اس نے ادا کر دیا صدقہ ادا ہو جائے گا۔

ایک شخص کا فطرہ ایک مسکین کو دینا بہتر ہے اور اگر چند مساکین کو دے دیا جب بھی جائز ہے۔ چند شخصوں کا فطر ایک مسکین کو دینا بھی جائز ہے۔

صدقہ فطر میں گیہوں یا جو کی قیمت فقیر کو دینا افضل ہے۔ صدقہ فطر کے مصارف وہی ہیں جو زکوۃ کے ہیں۔ یعنی جن کو زکوۃ دے سکتے ہیں انہیں فطرہ بھی دے سکتے ہیں۔ جنہیں زکوۃ نہیں دے سکتے انہیں فطرہ بھی نہیں دے سکتے۔ فطرہ عید کے دن نماز عید سے قبل ادا کیا جائے اور اگر اس سے قبل رمضان مبارک ہی میں ادا کر دیا تو بھی جائز ہے۔

نماز عید

عید کی دو رکعت نماز ہر عاقل بالغ مقیم تندرست پر شہر میں واجب ہے۔ گاؤں میں عید اور جمعہ کی نماز جائز نہیں۔ مگر وہ بڑے گاؤں یعنی قصبے جو شرعاً شہر کا حکم رکھتے ہیں، اس میں جمعہ اور عیدین دونوں کی نمازیں جائز ہیں۔

جمعہ اور عیدین دونوں نمازوں کی صحت وادا کی شرطیں ایک ہیں۔ مگر یہ فرق ہے کہ جمعہ میں خطبہ فرض ہے اور عیدین میں سنت۔ دوم جمعہ میں خطبہ قبل نماز ہے اور عید میں بعد نماز۔ اگر کسی نے عید کی نماز کے بعد خطبہ نہ پڑھا یا نماز سے قبل پڑھ لیا دونوں صورتوں میں نماز ہو گئی مگر یہ شخص گناہگار ہیں۔

عید کی نماز کا وقت

آفتاب کے بعد ایک نیزہ بلند ہونے سے زوال تک ہے، اگر نماز پڑھتے میں زوال کا وقت آ گیا نماز فاسد ہو جائے گی۔

نماز عید کی ترکیب

میں نیت کرتا ہوں دو رکعت نماز عید الفطر واجب مع چھ تکبیروں کے پیچھے اس امام کے اللہ جلالہ کے لئے قبلہ رو ہو کر اللہ اکبر۔

نیت کر کے ہاتھ باندھ لیں اور سبحانك اللھم ... ولا الہ غیرك تک پڑھ کر امام کے ساتھ کانوں کی لوتک ہاتھ اٹھائیں اور اللہ اکبر کہیں اور ہاتھ چھوڑ دیں اسی طرح تین تکبیریں کہیں پھر ہاتھ باندھ لیں ہر تکبیر میں بقدر ایک تسبیح کے فاصلہ ہو۔ اس کے بعد امام قراءت شروع کرے، مقتدی چپ کے سنیں دوسری رکعت میں قراءت کے بعد اسی طرح تین تکبیریں کہیں اور ہر مرتبہ کانوں تک ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دیں، چوتھی مرتبہ تکبیر کہہ کر رکوع میں جائیں اور ہاتھ نہ اٹھائیں باقی نماز حسب معمول ادا کریں۔

اگر عیدگاہ میں ایسے وقت پہنچے کہ امام نے تکبیروں سے فارغ ہو کر قراءت شروع کردی تھی تو تم بھی نماز میں شریک ہو جاؤ اور فوراً تکبیریں کہہ لو اور اگر امام کے رکوع میں جانے سے قبل تکبیریں نہ کہہ سکے تو رکوع میں تکبیریں کہہ لو، مگر ہاتھ نہ اٹھاؤ۔

نماز کے بعد امام خطبہ پڑھے لوگ خاموشی کے ساتھ سنیں۔ بعد خطبہ سب دعا مانگیں کیونکہ ذکر وعبادت کے بعد دعا قبول ہوتی ہے۔ خطبہ اور نماز دونوں ذکر بھی ہیں اور عبادت بھی۔

اہل اسلام! اس وقت دینی مدارس کی اشد ضرورت ہے۔ پاکستان میں علوم دین پڑھنے کی درسگاہیں ناپید ہیں۔ دینی علوم کی خدمت اسلام کی بہترین خدمت ہے، اسی ضرورت کو محسوس کر کے دارالعلوم مخزن عربیہ بحر العلوم کا اجرا کیا گیا جس میں تفسیر حدیث، فقہ، منطق، معانی، بیان، صرف، نحو کی تعلیم مفت دی جاتی ہے۔

غریب طلبہ کے لئے خوراک و پوشاک اور کتابوں کا انتظام بھی کیا جاتا ہے۔ دارالعلوم کی کوئی آمدنی نہیں ہے، ارباب کرم کے کرم پر ان کا دارومدار ہے۔ اگر آپ نے اس دارالعلوم کی امداد فرمائی تو آپ کی یہ ایک پائدار نیکی ہوگی۔ مدرسہ کے غریب طلبہ آپ کے سخی ہاتھوں کو دیکھ رہے ہیں اور آپ کے لئے مصروف دعا ہیں۔

منجانب: مخزن عربیہ بحر العلوم، رابسن روڈ عقب کاملین مارکیٹ کراچی

صدرالافاضل بہ حیثیتِ مفسر

صدرالافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی اشرفی رحمۃ اللہ علیہ

کی تفسیری خدمات کا ایک تحقیقی جائزہ

از قلم: کنور سلطان احمد

صدر الافاضل فخر الاماثل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی ایک عہد ساز شخصیت ہیں۔ موجودہ دور میں کئی جلیل القدر شخصیات نے دین وملت کی خدمت کی ہے اور متعدد قد آور شخصیات کے تذکروں سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں، جہاں آپ کی علمی خدمات مسلمہ ہیں، وہاں سیاسی اور ملی حوالے سے بھی خدمات ناقابل فراموش اور انتہائی قابل قدر ہیں لیکن آئندہ سطور میں صرف آپ کی تفسیری خدمات کے حوالے سے گفتگو کی جائے گی۔ اس حوالے سے آپ کا مختصر تعارف بھی کرایا جا رہا ہے۔

مراد آباد۔۔۔پس منظر:

ہندی دارالحکومت دہلی سے سو میل دور مشرق میں رام گنگا کے کنارے آباد مغرب سے مشرق جانے والوں کی گزرگاہ، خانقاہوں، درس گاہوں اور برصغیر کے ممتاز خانوادوں

کا وطن، شیر شاہ سوری کی تاریخی جرنیلی سڑک پر واقع باؤلیوں، حویلیوں، باغی، سراؤں اور تہذیبوں کا شہر، شہنشاہِ تغزل جگر کا دیس، روہیلوں کا گڑھ، ایک طرف پانچ ہزار سال قدیم تہذیب کا علاقہ سنبھل، دوسری جانب علم و دانش کا مرکز امروہہ، صوفیائے کرام اور اولیائے کرام کی بارگاہ، شہر آرزو، شہر سخنوراں، نامیوں اور ناموروں کی سرزمین، شعلہ رخوں اور آتش بیانوں کا شہر، نام مراد آباد ہے۔

شاہ جہاں بادشاہ کے بیٹے مراد کے نام پر رستم خاں جرنیل نے اس کا نام مراد آباد رکھا۔ 7581ء کی جنگ آزادی کے ہراول دستے اسی دیارِ غیرت منداں سے کوچ کرتے تھے۔ شہیدوں کے لہو کے امانت دار تاریخی محلے کٹار شہید اسی شہر کے ماتھے کے جھومر ہیں۔ زمیں ایسی کہ سونا اگلے، موسم ایسے شریر کہ جسموں کو گدگدائیں، تہوار ایسے دلکش کہ رنگوں کی دھنک پھیل جائے، گلی گلی ایک ہنر، گھر گھر ایک فنکار۔ (۱)

اسی شہرِ بے مثال میں ماضی قریب میں ایک نابغۂ روزگار ہستی نے جنم لیا یعنی سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی، آپ کے آباء واجداد اورنگزیب عالمگیر کے عہد میں مشہد (ایران) سے آئے، بادشاہ نے ان کے علم وفضل کی قدر افزائی کی، مسند پر بٹھایا اور جاگیر بھی عطا کی اور پھر یہ خاندان یہیں قیام پذیر ہوگیا۔

ولادت وابتدائی حالات:

سیّد محمد نعیم الدین مراد آباد میں 1300ھ/1883ء میں پیدا ہوئے۔(2) تاریخی نام ''غلام مصطفیٰ'' رکھا گیا مگر ''سیّد محمد نعیم الدین'' کے نام سے معروف ہوئے۔ حافظہ کا یہ عالم تھا کہ صرف آٹھ سال کی عمر میں قرآن حکیم حفظ کرلیا۔ ذہانت کی یہ نیرنگیاں کہ مولانا شاہ فضل احمد امروہوی سے ''ملا حسن'' تک درسِ نظامی کی کتابیں پڑھیں۔ عربی میں کمال اور طب میں مہارت حاصل کی۔ مولانا شاہ محمد گل سے فلسفہ منطق، اقلیدس اور حدیث وتفسیر کی تعلیم حاصل کی، انہی سے سند لی، پھر بیعت کرلی۔ زندگی کی انیسویں بہار میں یہ گل نو بہار ایسا مہکا کہ اس کی خوشبو سے فضائیں معطر ہوگئیں۔ بیسویں برس میں ''الکلمۃ العلیا'' لکھ کر

باکمالوں سے داد و تحسین حاصل کی۔ ذہانت کی شہرت دور دور پھیلنے لگی۔ اہل کمال اس کے گرد جمع ہونے لگے۔(3)

درس و تدریس:

علوم دینیہ کی تدریس میں آپ یکتائے روزگار تھے، حدیث شریف پڑھاتے یوں محسوس ہوتا کہ اپنے دور کے ابن حجر اور ابن ہمام یہی ہیں، معقولات کا درس ہوتا تو امام رازی اور مولانا فضل حق خیر آبادی کا پرتو معلوم ہوتے، فقہی مسائل حل کرتے تو امام ابوحنیفہ کے تلمیذ دکھائی دیتے، علم ہیئات میں کامل دسترس رکھتے تھے، آپ کے تیار کرائے ہوئے فلکی کرّے دیکھ کر ماہرین ریاضی آپ کی اس فنی جلالتِ علمی کو ماننے پر مجبور ہو جاتے۔(4)

پروفیسر اشتیاق طالب لکھتے ہیں:

”اس دربارِ علم و فضل میں خاص و عام کی تفریق نہ تھی، اپنے بیگانے کا امتیاز نہ تھا نہ طرہ و دستار کا رعب تھا اور نہ جاہ و منصب کا، رعب تھا تو نکتہ رسی کا۔ اس کا دربار تشنگانِ علم کا سرچشمہ، عالموں اور باکمالوں کا مرکز، علم کی روشنی سے اس کا چہرہ سورج کی طرح تابناک مگر عجز و انکسار کا مجسمہ تھا۔ لہجے میں وہ نرمی جیسے خوشبو کی پھوار، اندازِ استدلال ایسا کہ دشمن کو بھی داد پر مجبور کر دے۔ ذہانت وہ کہ فلسفی و منطقی حیرت سے منہ تکیں“۔(5)

مزید لکھتے ہیں: ”آپ کے درس و تدریس کو خراجِ تحسین کے طور پر علماء نے صدر الافاضل اور استاذ العلماء کے القاب سے ملقب کیا“۔(6)

مناظرانہ مہارت:

آپ کو مناظرہ میں بے پناہ مہارت اور زبردست کمال حاصل تھا۔ بڑے سے بڑے مناظر کو چند جملوں میں لاجواب کر دینا آپ کے لیے معمولی سی بات تھی۔ عیسائی، آریہ، روافض، خوارج، قادیانی وغیرہم سے بارہا مناظرے کا اتفاق ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہر میدان میں غلبہ پایا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو حضرت صدر الافاضل قدس سرہ پر اس قدر

اعتماد تھا کہ جہاں کہیں مناظرہ ہوتا، حضرت صدرالافاضل کو بھیجتے۔(7)

الغرض جس وقت، جس جگہ مخالف نے دعوتِ مبارزت دی، حضرت صدرالافاضل فوراً تشریف لے گئے، مدِ مقابل اوّل تو سامنے آنے کی جرأت ہی نہ کر سکا اور اگر سامنے آیا بھی تو اسے جلد ہی ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا"۔(8)

مدرسہ کا قیام

1328ھ میں سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی نے مرادآباد میں "مدرسہ انجمن اہل سنت وجماعت" کی بنیاد رکھی۔ جس میں معقول ومنقول (حدیث وفقہ) کی تعلیم کا اعلیٰ پیمانے پر انتظام کیا گیا، 1352ھ میں حضرت صدرالافاضل کی نسبت سے اس کا نام "جامعہ نعیمیہ" رکھا گیا۔ حضرت صدرالافاضل اس مدرسہ میں حدیث شریف کے علاوہ دیگر درسی کتب کا بھی درس دیتے تھے۔ جلد ہی یہ مدرسہ پورے برصغیر میں عظیم الشان دینی یونیورسٹی کی حیثیت اختیار کر گیا، جہاں سے متحدہ ہندوستان (پاک وہند) کے علاوہ غیر ممالک کے اہلِ علم بھی فیضیاب ہوئے۔ آج برصغیر پاک وہند کے اکثر مدارس وہ ہیں جہاں بالواسطہ یا بلاواسطہ آپ کے فیض یافتہ حضرات گراں قدر دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔(9)

بلکہ اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ کے فاضل مقالہ نگار نے یوں اظہارِ خیال کیا ہے:

> "اس مکتبِ فکر (بریلوی) کا دوسرا اہم فکری وتعلیمی مرکز مرادآباد ہے۔ اس مکتب فکر کے ممتاز علماء کی اکثریت اسی درسگاہ کی فارغ التحصیل نظر آتی ہے"۔(10)

سیاسی خدمات:

صدرالافاضل، فاضل بریلوی کے رازدار اور رمز شناس تھے۔ آپ نے ان کے مشن کو بڑی کامیابی کے ساتھ آگے بڑھایا اور مسلمانانِ ہند کی سیاسی اور مذہبی امور میں رہنمائی فرمائی۔ 1919ء / 1338ھ اور 1920ء / 1339ھ میں تحریک خلافت اور تحریک ترکِ موالات کے جذباتی دور میں آپ نے تحریر وتقریر کے ذریعہ مسلمانوں تک اسلام کے سچے پیغام کو پہنچایا اور جمعیۃ العلماء ہند کو ہندو مسلم اتحاد کے خطرات سے آگاہ

کر کے مسلمانوں کو ان کی ملی ذمہ داریوں کو یاد دلایا کے اسلامی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے سے روکا۔(11) گوکل تحریک چلائی گئی تو صدر الا فاضل نے اس مقابلے کے لیے اعاظم و اکابر اہلسنت کو مراد آباد میں جمع کیا، جہاں 1925ء / 1344ھ میں آل انڈیا سنی کانفرنس (الجمعیۃ العالیہ المرکزیہ) کی بنیاد رکھی گئی، جس کے ناظم اعلیٰ صدر الا فاضل اور مستقل صدر امیر ملت پیر سیّد جماعت علی شاہ محدث علی پوری منتخب ہوئے۔(12)

1924ء اور 1925ء کے درمیان شدھی تحریک چلی تو صدر الا فاضل نے بریلی میں ''جماعت رضائے مصطفیٰ'' قائم کی۔ اس فتنہ ارتداد کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، صدر الا فاضل نے آگرہ کو ہیڈ کوارٹر بنایا اور بالآخر تبلیغی جدوجہد سے شردھانند کے اس فتنے کا خاتمہ ہو گیا۔(13)

1946ء میں آپ کی کوششوں سے بنارس (بھارت) میں آل انڈیا سنی کانفرنس کے چار روزہ تاریخی اجلاس 27 تا 30 اپریل ہوئے، اس میں پاک و ہند کے دو ہزار علماء و مشائخ اور ساٹھ ہزار سے زائد دوسرے حاضرین شریک تھے۔ اس میں یہ قرارداد پاس ہوئی:

''آل انڈیا سنی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبۂ پاکستان کی پرزور حمایت کرتا ہے۔''

مطالبہ پاکستان کی حمایت میں ہندوستان کے دور دراز علاقوں کا دورہ کیا، حتیٰ کہ بنگال کے تمام بڑے بڑے اضلاع کے دورے کیے۔(14)

تحریک پاکستان سے آپ کے گہرے لگاؤ کا اندازہ مولانا ابوالحسنات قادری کے نام مکتوب سے ہوتا ہے، لکھتے ہیں:

''پاکستان کی تجویز سے جمہوریتِ اسلامیہ (آل انڈیا سنی کانفرنس کا دوسرا نام) کو کسی طرح دست بردار ہونا منظور نہیں، چاہے خود جناح اس کے حامی رہیں یا نہ رہیں۔''(15)

صحافتی خدمات:

1918ء میں مراد آباد سے ماہنامہ ''السواد الاعظم'' جاری کیا اور اس کے ذریعہ مذہبی اور سیاسی میدانوں میں مسلمانانِ ہند کی رہنمائی فرمائی۔ 1912ء اور 1914ء کے

درمیان مولانا ابوالکلام آزاد کے ''البلاغ'' اور ''الہلال'' میں بھی مستقل مضمون لکھتے رہے۔

1931ء میں علامہ اقبال نے دوسری گول میز کانفرنس لندن میں تقسیم ہند کی تجویز پیش کی تو آپ نے اس کی پرزور تائید کی اور اس کے مخالف ہندو اخبارات ورسائل کا خوب تعاقب فرمایا۔(16)

چند نامور تلامذہ:

معمار کی عظمت کا اندازہ عمارت دیکھ کر، بہار کی آمد کا اندازہ تختہ ہائے گل کی دلکشی دیکھ کر اور باپ کے اخلاق کا اندازہ اس کی اولاد کو دیکھ کر کیا جا سکتا ہے۔ بالکل اسی طرح اگر استاذ کی عظمت کا اندازہ لگانا ہو تو اس کے تلامذہ کی ذہنی وعلمی استعداد دیکھ کر لگایا جا سکتا ہے۔ صدرالافاضل کے تلامذہ برصغیر کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں اور مینار ہائے نور بن کر علم وعمل اور شعور وآگہی کی ضیاء پاشیاں کر رہے ہیں، ان میں سے چند ایک کا مختصر تعارف درج ذیل ہے:

مفتی محمد عمر نعیمی : (بانی مدرسہ مخزن عربیہ بحرالعلوم) اب اس کا نام دارالعلوم نعیمیہ کراچی ہے۔

علامہ ابوالحسنات محمد احمد قادری:

1940ء میں قراردادِ پاکستان کی منظوری کے وقت اجلاس لاہور میں موجود تھے، 1946 میں آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں شرکت کی، 1948 میں تحریکِ آزادیٔ کشمیر میں حصہ لیا۔ 1953ء میں تحریکِ ختمِ نبوت میں سرگرمی سے حصہ لیا، جمعیت علماء پاکستان کے پہلے صدر تھے، درج ذیل تصانیف یادگار ہیں:

۱۔ تفسیر الحسنات	۲۔ ترجمہ کشف المحجوب	۳۔ شمیم رسالت
۴۔ شرح قصیدہ بردہ شریف	۵۔ اوراقِ غم	۶۔ صبح نور
۷۔ قراطیس المواعظ	۸۔ فرشتۂ رحمت	۹۔ اظہار الاسقام
۱۰۔ مظہر الاسرار	۱۱۔ التبیان	۱۲۔ مونس الاطباء

ابوالبرکات سید احمد قادری:

ناظم مرکزی مدرسہ انجمن حزب الاحناف، لاہور، آپ کے صاحبزادے علامہ محمود

احمد رضوی فیوض الباری شرح بخاری کے مصنف اور ماہنامہ رضوان کے مدیر ہیں۔

ابوالخیر مفتی محمد نوراللہ نعیمی:

بانی مدرسہ دارالعلوم حنفیہ، بصیر پور، اوکاڑا، فتاویٰ نوریہ (۶ جلد) کے مصنف ہیں ماہنامہ ''نورالحبیب'' آپ کی سرپرستی میں جاری ہوا۔

علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری:

بانی دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف، آپ کی تصانیف میں یادگار یہ ہیں:

تفسیر ضیاء القرآن (۵ جلد)، ضیاء النبی (۷ جلد)، سنت خیرالانام، مقالات (۲ جلد)

پیر صاحب نے وفاقی شرعی عدالت کے جسٹس کے طور پر فرائض سرانجام دیے۔ چیئرمین رویت ہلال کمیٹی بھی رہے۔ آپ کی یادگار منفرد علمی اور مذہبی مجلہ ''ضیائے حرم'' بڑی کامیابی سے نکل رہا ہے۔

مفتی محمد حسین نعیمی:

بانی جامعہ نعیمیہ، لاہور۔ آپ کی یادگار ماہنامہ ''عرفات'' ہے، جو آج بھی جامعہ نعیمیہ سے کامیابی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔

مفتی احمد یار خان نعیمی:

آپ کی بے مثال تفسیر گیارہ جلد میں پہلے گیارہ پاروں کی تفسیر ہے، جو تفسیر نعیمی کے نام سے دستیاب ہے۔ اس کے علاوہ درج ذیل تصانیف یادگار ہیں:

جاء الحق، شانِ حبیب الرحمن، سلطنتِ مصطفی، دیوانِ سالک، علم المیراث، علم القرآن، اسرارالاحکام، مراۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ (۸ جلدیں)، نورالعرفان (کنزالایمان پر علمی انداز سے مختصر حواشی)، نعیم الباری شرح بخاری، مواعظ نعیمیہ، فتاویٰ نعیمیہ، اسلامی زندگی وغیرہ۔ (17)

مفتی غلام معین الدین نعیمی: مصنف حیات صدرالافاضل، مدیر ماہنامہ سوادِ اعظم، لاہور۔

مفتی محمد امین الدین، کامونکی

مولانا غلام فخرالدین گانگوری، شیخ الحدیث جامعہ شمس العلوم، میانوالی۔ (18)

قیامِ پاکستان کے بعد:

قیام پاکستان کے بعد آپ 1948ء میں سید محمد محدث کچھوچھوی، مفتی محمد عمر نعیمی اور مفتی غلام معین الدین نعیمی کے ساتھ ہوائی جہاز پر پہلے لاہور آئے، یہاں علماء و زعماء سے ملے اور پاکستان کے اسلامی دستور کے متعلق گفتگو کی۔ پھر اس مقصد کے لیے کراچی گئے، بالآخر طے پایا کہ صدر الافاضل دستور پاکستان کا خاکہ مرتب فرمائیں جو اسمبلی سے منظور کرایا جائے گا۔

آپ نے فرمایا کہ مراد آباد جا کر مرتب کر کے بھیج دوں گا مگر کراچی میں ہی سخت علیل ہو گئے، چنانچہ لاہور ہوتے ہوئے مراد آباد چلے گئے اور علالت میں چند دفعات ہی مرتب کی تھیں کہ 23/اکتوبر 1948ء بروز جمعۃ المبارک کی شب خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ آخری آرام گاہ جامعہ نعیمیہ مراد آباد کی مسجد کے بائیں گوشہ میں بنائی گئی۔(19)

تصانیف:

صدر الافاضل نے بے پناہ تدریسی، علمی، دینی اور سیاسی مصروفیات کے باوجود تصانیف کا ایک قابل قدر ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے۔ جو مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ تفسیر خزائن العرفان: اعلیٰ حضرت کے ترجمہ قرآن پر قابل قدر حاشیہ۔(20)

مفتی محمد عمر نعیمی لکھتے ہیں کہ آپ کی تصانیف میں مشہور تر اور اعظم خزائن العرفان (حاشیہ و مختصر جامع تفسیر قرآن ہے)۔(21)

پروفیسر عبد القیوم لکھتے ہیں کہ...... آپ نے خزائن العرفان کے نام سے قرآن کریم کی ایک عمدہ تفسیر لکھی ہے۔(22)

٢۔ اطیب البیان رد تقویۃ الایمان
٣۔ الکلمۃ العلیاء (اثبات علم غیب میں محققانہ و فاضلانہ تصنیف)
٤۔ سیرتِ صحابہ
٥۔ سوانح کربلا
٦۔ التحقیقات لدفع التلبیسات
٧۔ کتاب العقائد

۸۔زادالحرمین (حج وزیارت کے مسائل)　۹۔آداب الاخیار

۱۰۔کشف الحجاب (ایصال ثواب کے موضوع پر)　۱۱۔اسواط العذاب (23)

۱۲۔فرائد النورفی جرائد القبور　۱۳۔ریاض نعیم

۱۴۔گلبن غریب نواز

۱۵۔احقاقِ حق (قرآن کریم پر ستیارتھ پرکاش کے اعتراضات کا مسکت جواب)

۱۶۔تبرکات/افادات صدرالافاضل (مجموعہ فتاویٰ)

۱۷۔پراچین کال　۱۸۔القول السدید

۱۹۔ابتدائی۔(24)　۲۰۔ترکِ موالات۔(25)

تفسیر خزائن العرفان کی امتیازی خصوصیات

سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے اردو ترجمہ قرآن کے حاشیے پر خزائن العرفان کے نام سے یہ تفسیر لکھی ہے جو مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت جامع ہے اور اس کے مؤلف کے فضل وکمال کی آئینہ دار ہے۔

پروفیسر اشتیاق طالب لکھتے ہیں کہ:

''اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی کے ترجمہ قرآن ''کنزالایمان'' پر مولانا سیّد محمد نعیم مرادآبادی نے جو تفسیری حاشیہ ''خزائن العرفان'' تحریر کیا ہے وہ خود ایک بہت اہم کارنامہ ہے اس تفسیری حاشیہ سے مولانا موصوف کی ذہانت، معلومات، علمی بصیرت، زبان وبیان کی شگفتگی ورعنائی، لسانی مسائل سے آگہی اور رموزِ قرآنی سے گہری واقفیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے''۔(26)

پرفیسر اشتیاق صاحب کا مندرجہ بالا تجزیہ نہایت جامع اور مبنی برحقیقت ہے، اس میں انہوں نے خزائن العرفان کی چیدہ چیدہ خصوصیات نہایت اختصار سے بتائی ہیں، جن سے ایک حسین تصویر ذہن ودل پر مرتسم ہوتی ہے۔

اس سلسلے میں مولانا فضل القدیر ندوی رقم طراز ہیں:

''خزائن العرفان میں کوئی بات بے حوالہ نہیں کہی گئی ہے۔ اگر حدیث کا حوالہ ہے تو اس میں یہ التزام رکھا گیا کہ وہ صحاح کی ہو۔ اگر تاریخ و سیرت کا حوالہ ہے تو وہ اساطین کتب سے ماخوذ ہو، اگر فقہی اشارہ ہے تو فقہ حنفی کی مستند کتابوں سے مقتبس ہو، یعنی تحقیقی سائنس کے تمام وسائل اور مسلمہ اصولوں کا پورا پورا اہتمام کیا گیا ہے بے لاگ مطالعے سے ثابت ہو جائے گا کہ یہ سارے اہتمامات کیے گئے ہیں''۔(27)

مولانا ندوی نے درج بالا اقتباس میں خزائن العرفان کی استنادی حیثیت کو واضح کیا ہے کہ صدرالافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی نے اپنی تفسیر میں معتبر و معتمد کتب سے ہی استفادہ کیا ہے خواہ وہ کتب تفسیر ہوں، خواہ احادیث یا شروح احادیث ہوں، یا فقہی کتب ہوں، تاہم ذیل میں اس تفسیر کی امتیازی خصوصیات درج کی جا رہی ہیں۔

نمبر 1۔ تفسیر القرآن بالقرآن

قرآن مجید کی تفسیر کا پہلا اصول یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن مجید سے ہی کی جائے۔(28)

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

اصح الطریق أن یفسر القرآن بالقرآن فما اجمل فی مکان فانه قد بسط فی موضع آخر .(29)

ترجمہ: ''تفسیر کا سب سے صحیح طریقہ یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن ہی کی مدد سے کی جائے کیونکہ جو چیز کسی جگہ مختصراً بیان ہوئی ہے وہ دوسری جگہ تفصیل سے بیان ہوگئی ہے۔''

اس بارے میں سید مرتضیٰ زبیدی لکھتے ہیں:

من اراد تفسیر القرآن طلبه أولا منه فما اجمل منه فی مکان فقد فسر فی موضع آخر وما اختصر فی مکان فقد بسط فی موضع آخر .(30)

''جو تفسیر قرآن کا ارادہ کرے تو سب سے پہلے وہ قرآن ہی سے تفسیر کرے۔ پس اگر کسی جگہ مجمل بیان ہے تو دوسری جگہ اس کی تفسیر مل جاتی ہے اور اگر ایک

جگہ اختصار سے کام لیا گیا ہے تو کسی دوسری جگہ اس کی تفصیل دی گئی ہے۔''

یہی بات علامہ سیوطی نے بھی تحریر کی ہے۔(31)

صدرالافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین نے مندرجہ بالا اصول کو بطریق احسن اپناتے ہوئے جا بجا اس کے مطابق قرآن مجید کی تفسیر تحریر کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 225 کے تحت لکھتے ہیں:

"ولا یحیطون بشئی من علمه الا بما شآء"۔(32)

ترجمہ: ''اور وہ نہیں پاتے اس کے علم میں سے مگر جتنا وہ چاہے۔''

اس آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

''اور جن کو وہ مطلع فرمائے وہ انبیاء و رسل علیہم السلام ہیں جن کو غیب پر مطلع فرمانا ان کی نبوت کی دلیل ہے۔ دوسری آیت میں ارشاد فرمایا:

"فلا یظھر علی غیبه احدا الا من ارتضی من رسول"۔(33)

درجِ بالا اقتباس میں صدرالافاضل نے آیت کی تفسیر دوسری آیت ہی سے کی ہے۔

۲۔ زین للناس حب الشھوات۔۔۔۔۔(34)

ترجمہ: ''لوگوں کے لیے آراستہ کی گئی ان خواہشوں کی محبت''۔

اس آیت کی تفسیر اس طرح تحریر کرتے ہیں:

''تاکہ شہوت پرستوں اور خدا پرستوں کے درمیان فرق و امتیاز ظاہر ہو۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ارشاد فرمایا:

"انا جعلنا ما علی الارض زینة لها لنبلوھم ایھم احسن عملا"۔(35)

۳۔ ویوم نبعث فی کل امة شھیدا علیھم من انفسھم و جئنابك شھیدا علی ھؤلاء۔(36)

ترجمہ: ''اور جس دن ہم ہر گروہ میں ایک گروہ انہیں میں سے اٹھائیں گے کہ ان پر گواہی دے اور اے محبوب تمہیں ان سب پر شاہد بنا کر لائیں گے''۔

اس آیت کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں:

''یہ گواہ انبیاء ہوں گے جو اپنی اپنی امتوں پر گواہی دیں گے اور آپ کو ان امتوں اور ان کے شاہدوں پر جو انبیاء ہوں گے (گواہ بنا کر لائیں گے)۔

دوسری آیت میں ارشاد ہوا:

فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید وجئنا بک علی ھؤلاء شھیدا۔ (37)

درج بالا امثلہ میں آپ نے دیکھا کہ فاضل مفسر نے کس حسن وخوبی سے تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول کو نبھایا ہے اور آیت قرآنیہ کی تفسیر دوسری آیت قرآن سے ہی کی ہے جو آپ کے وسیع مطالعہ قرآن کی دلیل ہے۔

نمبر 2: تفسیر القرآن بالحدیث:

صدرالافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین نے تفسیر قرآن میں حدیث رسول ﷺ کو بھی ماخذ بنایا ہے اور اکثر مقامات پر قرآنی آیت کی تفسیر حدیث مبارکہ سے کی ہے گویا کہ آپ حدیث نبوی کی حجیت کے علمبردار ہیں۔ علماء کرام نے سنت نبوی کو تفسیر کا دوسرا ماخذ شمار کیا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

''اگر قرآن کی تفسیر قرآن سے ہی نہ کرسکو تو سنت کی طرف رجوع کرو جو قرآن مجید کی شرح وتفسیر کرتی ہے۔'' (38)

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

فان اعیاک ذلک فعلیک بالسنۃ فانھا شارحۃ للقرآن وموضحۃ لہ (39)

ترجمہ: ''پس اگر تفسیر قرآن نہ ہوسکے تو تم پر سنت لازم ہے، کیونکہ یہ قرآن مجید کی شارح اور وضاحت کرنے والی ہے۔''

علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

''پھر اگر یہ بات (تفسیر قرآن بالقرآن) مفسر کو تفسیر کرنے سے عاجز بنا دے تو اسے لازم ہے کہ قرآن کی تفسیر کو سنت (صحیحہ) سے تلاش کرے کیونکہ سنت قرآن کی شارح اور اسے واضح کرنے والی ہے''۔ (40)

پتا چلا کہ اگر مفسر قرآن کی تفسیر خود قرآن سے نہ کر سکے تو سنت سے اس کی وضاحت کرے۔ حضرت صدرالافاضل اس اصول پر بھی پوری طرح کاربند نظر آتے ہیں۔

مولانا ندوی لکھتے ہیں: ''خزائن العرفان میں کوئی بات بے حوالہ نہیں کہی گئی ہے، اگر حدیث کا حوالہ ہے تو یہ التزام رکھا گیا ہے کہ وہ صحاح کی ہو''۔(41)

اس سلسلے میں درج ذیل مثالیں ملاحظہ کیجئے:

۱۔ وقال ربکم ادعونی استجب لکم۔ (42)

ترجمہ: ''اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو، میں قبول کروں گا''۔

اس آیت کی تفسیر میں حدیث مبارکہ درج کی ہے۔

''آیت کی تفسیر میں ایک قول یہ بھی ہے کہ دعا سے مراد عبادت اور قرآن کریم میں دعا بمعنی عبادت بہت جگہ وارد ہے حدیث شریف میں ہے: الدعا ھو العبادۃ۔ (ابوداؤد، ترمذی) اس تقدیر پر آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ تم میری عبادت کرو، میں تمہیں ثواب دوں گا''۔(43)

۲۔ دوسری مثال ملاحظہ کیجئے:

الھکم التکاثر۔ (44)

ترجمہ: ''تمہیں غافل رکھا، مال کی طلبی نے''۔

اس کی تفسیر یوں تحریر کرتے ہیں:

''یعنی موت کے وقت تک حرص تمہارے دامن گیر خاطر رہی۔ حدیث شریف میں ہے، سید عالم ﷺ نے فرمایا، مردے کے ساتھ تین ہوتے ہیں، دو لوٹ آتے ہیں ایک اس کے ساتھ رہ جاتا ہے ایک مال، ایک اس کے اہل و اقارب، ایک اس کا عمل۔ اس کا عمل ساتھ رہ جاتا ہے، باقی دونوں واپس ہو جاتے ہیں''۔(45)

نمبر 3: اقوال و آثار صحابہ سے تفسیر:

تفسیر قرآن کا تیسرا ماخذ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال و آثار ہیں علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ قرآن میں ایسی نادر عبارات کی کمی نہیں جنہیں صرف منقول اقوال اور ماثور

روایات کی مدد سے ہی سمجھا جا سکتا ہے۔(46)

اس سلسلے میں صحابہ کرامؓ کے اقوال کے بارے میں لکھتے ہیں کہ تفسیر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو بھی منقول ہے وہ آراء سے مقدم ہے۔(47)

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

اذلم نجد التفسیر فی القرآن ولا فی السنة رجعنا فی ذالك الی اقوال الصحابة۔(84)

ترجمہ: ''جب ہمیں تفسیر قرآن وسنت میں نہ ملے تو ہمیں اقوالِ صحابہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے''۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

''اگر سنت سے بھی تفسیر کا پتا نہ ملے تو اب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کی طرف رجوع کیا جائے اس لیے کہ بے شک وہ لوگ قرآن مجید کے بہت بڑے جاننے والے ہیں۔یوں کہ انہوں نے تمام قرائن واحوال قرآن مجید کے نزول کے وقت دیکھے تھے اور یوں بھی وہ لوگ کامل سمجھ، صحیح علم اور علم صالح کی صفات سے خاص تھے اور حاکم نے مستدرک میں روایت کی ہے کہ جو صحابی وحی اور تنزیل کے دیکھے تھے ان کی تفسیر حدیث مرفوع کے حکم میں داخل ہے''۔(49)

درج بالا اقوال کی روشنی میں یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال وآثار سے کی جائے تو مستند سمجھی جائے گی، لہٰذا مفسر مذکور نے اپنی تفسیر میں جابجا اقوال صحابہ سے استشہاد کیا ہے۔درج ذیل مثالیں اس کا ثبوت ہیں:

۱. النار یعرضون علیها غدوا و عشیا۔(50)

ترجمہ: ''آگ جس پر صبح وشام پیش کیے جاتے ہیں''۔

اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اس میں جلائے جاتے ہیں، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا فرعونیوں کی روحیں سیاہ پرندوں کے قالب میں ہر روز مرتبہ صبح وشام آگ پر پیش کی جاتی

ہیں اور ان سے کہا جاتا ہے کہ یہ آگ تمہارا مقام ہے اور قیامت تک ان کے ساتھ یہی معمول رہے گا"۔(51)

۲۔وسبح بحمد ربك بالعشی والابكار۔ (52)

ترجمہ: "اور اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے صبح وشام اس کی پاکی بولو"۔

اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت پر مداومت رکھو اور حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا اس سے پانچوں نمازیں مراد ہیں"۔(53)

درج بالا آیات کی تفسیر میں صدر الافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین نے اقوال صحابہ سے استشہاد کیا ہے اور آیات قرآنیہ کے مفہوم کو واضح کیا ہے۔

نمبر 4: اقوالِ تابعین سے تفسیر:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سرچشمہ نبوت سے براہ راست اکتساب فیض کرتے ہوئے اپنے قلوب واذہان کو نورِ علم وایقان سے آراستہ ومزین کیا، پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ علمی ورثہ تابعین عظام علیہم الرحمۃ کو پہنچا۔ گویا تابعین کرام کا علم بھی علوم نبوت کا ہی فیضان ہے۔اسی لیے مفسرینِ کرام نے قرآنِ مجید کی تفسیر بیان کرتے ہوئے جہاں احادیث نبویہ اور اقوال صحابہ کرام سے استفادہ کیا ہے، وہاں ساتھ ہی اقوال تابعین کرام کی روشنی میں بھی تفسیر قرآن بیان کی ہے۔اسی لیے علماء کرام نے اقوال تابعین کرام کی استنادی وتشریحی اہمیت کے پیش نظر مفسر کے لیے ان کی معرفت کو ضروری قرار دیا ہے۔

چنانچہ شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

"غرض کہنے کی یہ ہے کہ تابعین نے تفسیر بھی اسی طرح صحابہ کرام سے حاصل کی ہے جس طرح علم سنت ان سے پایا ہے، تابعین کرام نے استدلال واستنباط کی راہ سے جس طرح بعض سنتوں پر گفتگو کی ہے، اسی طرح کسی تفسیر میں بھی وہ گفتگو کرتے ہیں۔"(54)

نیز تابعین میں ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے پوری تفسیر صحابہ کرام سے حاصل کی

تھی۔اس لیے سفیان ثوری فرماتے تھے:

اذا جاءك تفسير مجاهد حسبك به۔ (55)

ترجمہ: ''جب تمہارے پاس مجاہد سے منقول تفسیر آجائے تو وہ کافی ہے''۔

ان کے علاوہ تابعین کرام میں سے مشہور مفسرین میں عطاء بن ابی رباح،عکرمہ، طاؤس،سعید بن جبیر،زید بن اسلم اور ان کے بیٹے عبدالرحمن وغیرہم کے نام شمار کیے جاتے ہیں۔(56)

ان کے علاوہ مالک بن انس، حسن بصری، عطاء خراسانی، محمد بن کعب القرظی، ابوالعالیہ،ضحاک،قتادہ،مرد ہمدانی اور ابو مالک ہیں۔(57) علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اگر تفسیر قرآن مجید،سنت اور اقوال صحابہ سے نہ ہو سکے تو:

فقد رجع كثير من الائمة في ذلك الى اقوال التابعين۔ (58)

ترجمہ: ''بے شک کثیر ائمہ کرام نے سلسلے میں اقوالِ تابعین کی طرف رجوع کیا ہے''۔

صدر الافاضل نے بھی اپنی تفسیر میں جابجا اقوالِ تابعین عظام سے استدلال کیا ہے۔درج ذیل امثلہ ملاحظہ کیجئے:

۱۔ ولاتركنوا الى الذين ظلموا فتمسكم النار ...الخ (59)

ترجمہ: ''اور ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ تمہیں آگ چھوئے گی''۔

اس آیت کی تفسیر میں تابعین کرام کے اقوال یوں درج کیے ہیں:

''ابوالعالیہ نے کہا کہ معنی یہ ہیں کہ ظالموں کے اعمال سے راضی نہ ہو،سدی نے کہاان کے ساتھ مداہنت نہ کرو،قتادہ نے کہا مشرکین سے نہ ملو''۔(60)

۲۔ سيماهم في وجوههم من اثر السجود۔ (61)

ترجمہ: ''ان کی علامت ان کے چہروں میں ہے،سجدوں کے نشان سے''۔

اس کی تفسیر میں درج ذیل قول لاتے ہیں:

''عطاء کا قول ہے کہ شب کی دراز نمازوں سے ان کے چہروں پر نور نمایاں ہوتا ہے''۔(62)

۳۔ الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ اضل اعمالھم۔ (63)

ترجمہ: ''جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا، اللہ نے ان کے عمل برباد کر دیے''۔

اس آیت کے تحت یہ قول نقل کیا ہے:

''ضحاک کا قول ہے کہ مراد یہ ہے کفار نے سیّد عالم ﷺ کے لیے جو مکر سوچے تھے اور حیلے بنائے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے وہ تمام کام باطل کر دیئے''۔ (64)

۴۔ ان فی ذلک لذکری لمن کان لہ قلب ۔۔۔ الخ (65)

ترجمہ: ''بے شک اس میں نصیحت ہے اس کے لیے جو دل رکھتا ہو''۔

اس کی تفسیر میں درج ذیل قول درج کیا ہے:

''دل دانا شبلی قدس سرہ نے فرمایا کہ قرآنی نصائح سے فیض حاصل کرنے کے لیے قلب حاضر چاہیے، جس میں طرفۃ العین کے لیے بھی غفلت نہ آئے''۔ (66)

۵۔ ورفعنا لک ذکرک۔ (67)

ترجمہ: ''اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کر دیا''۔

اس آیت کے تحت درج ذیل قول لاتے ہیں:

''قتادہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا ذکر دنیا و آخرت میں بلند کیا، ہر خطیب ہر تشہد پڑھنے والا اشھد ان لا الہ الا اللہ کے ساتھ اشھد ان محمد الرسول اللہ پکارتا ہے''۔ (68)

درج بالا سطور میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ فاضل مفسر نے کس طرح آیات قرآنیہ کی تفسیر اقوال تابعین کی مدد سے کی ہے۔ تابعین کرام کے بے شمار اقوال اس تفسیر میں بجا بجا نظر آتے ہیں، جس سے ایک طرف تو تابعین کرام کے اقوال کی مدد سے تفسیر نگاری کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے تو دوسری طرف اقوال تابعین کا ایک بڑا ذخیرہ فاضل مفسر نے اس تفسیر میں محفوظ کر دیا ہے۔

نمبر 5: شانِ نزول:

ایک مفسر کے لیے قرآنی آیات کا سبب نزول جاننا بھی ضروری ہے کیونکہ اس کے

بغیر بعض آیات کی تفسیر اور معنی ومفہوم سمجھنے میں خاصی مشکل پیش آتی ہے۔ علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ سبب نزول ہی کے ذریعہ سے آیت کے وہ معنی معلوم ہوا کرتے ہیں جن کے بارے میں وہ آیت نازل کی گئی ہے۔ (69)

فاضل مفسر نہ صرف بقدر ضرورت شان نزول بیان کرتے ہیں بلکہ بعض اوقات ایک کے بجائے متعدد اسبابِ نزول ذکر کرتے ہیں، اس سلسلے میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ اسباب نزول میں متعدد قصوں کو نقل کرنے کی گنجائش ہے جس کو یہ نکتہ ہو تو مختلف اسباب نزول کا حل ادنیٰ تامل اور تھوڑی سی توجہ سے کر سکتا ہے۔ (70)

علامہ محمد علی صابونی اسباب نزول کی اہمیت اس طرح اجاگر کرتے ہیں:

ان بعض الآیات لا یمکن فھمھا او معرفۃ احکامھا الا علی ضوء سبب النزول۔ (71)

ترجمہ: ''بے شک بعض آیات کا مفہوم اور ان کے احکام کی معرفت سبب نزول کی روشنی کے بغیر ممکن نہیں''۔

صدرالافاضل سبب نزول کی اسی اہمیت کے پیش نظر اپنی تفسیر میں بکثرت مقامات پر آیات کا سبب نزول تحریر کرتے ہیں مندرجہ ذیل مثالیں اس کا ثبوت ہیں:

۱۔ قل للذین امنوا یغفروا للذین لا یرجون ایام اللہ۔ (72)

ترجمہ: ''ایمان والوں سے فرماؤ درگزر کریں ان سے جو اللہ کے دنوں کی امید نہیں رکھتے''۔

اس آیت کے تحت درج ذیل متعدد شان نزول ذکر کرتے ہیں:

(۱) غزوۂ بنی مصطلق میں مسلمان بیر مریسیع پر اترے یہ ایک کنواں تھا، عبداللہ بن ابی نے اپنے غلام کو پانی کے لیے بھیجا، وہ دیر میں آیا تو اس سے وجہ پوچھی، اس نے کہا حضرت عمر کنویں کے کنارے پر بیٹھے تھے، جب نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق کی مشکیں نہ بھر گئیں، کسی کو پانی نہ لینے دیا۔ یہ سن کر اس بدبخت نے ان حضرات کی شان میں گستاخانہ کلمات کہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پتا چلا تو تلوار نکال لی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(۲) مقاتل کا قول ہے کہ ایک شخص نے مکہ مکرمہ میں حضرت عمر کو گالی دی تو آپ نے اسے پکڑنے کا ارادہ کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(۳) ایک قول یہ ہے کہ جب آیت ''من ذالذی یقرض اللہ قرضا حسنا'' نازل ہوئی تو فنحاص یہودی نے کہا کہ محمد ﷺ کا رب محتاج ہو گیا معاذ اللہ تعالیٰ، اسے سن کر حضرت عمر نے تلوار کھینچی اور اس کی تلاش میں نکلے۔ حضور اکرم ﷺ نے آدمی بھیج کر انہیں واپس بلالیا۔(73)

نمبر 6: فضائل وشان رسالت کا بیان:

صدرالافاضل کی ساری زندگی عشق ومحبت رسول اکرم ﷺ سے عبادت ہے۔ آپ کی ساری زندگی آریہ، عیسائیوں اور نام نہاد بے ادب مسلمان علماء سے حضور اکرم ﷺ کی شان ورفعت کے دفاع میں مناظرے کرتے گزرگئی، جونہی کسی نے سرکار دو عالم ﷺ کے حوالے سے کوئی غیر محتاط روش اپنائی یا گستاخی کا محتمل لفظ منہ سے نکالا، آپ کی رگ حمیت پھڑک اٹھتی فوراً اس کو چیلنج کر کے دعوتِ مناظرہ دیتے اور ہمیشہ کامیاب وکامران رہے۔(74)

تفسیر زیر تبصرہ میں بھی حضور اکرم ﷺ کی شان اور فضائل وکمالات نبوت بیان کرتے ہوئے بڑی فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ یہ ان کا دل پسند موضوع ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل سطور میں ان کے قلم کی جولانیاں قابل رشک ومطالعہ ہیں۔

۱۔ قل انما انا بشر مثلکم۔(75)

ترجمہ: تم فرماؤ آدمی ہونے میں تو میں تم جیسا ہوں۔

اس آیت کے تحت شان رسالت یوں بیان کرتے ہیں:

سیّد عالم ﷺ کا بلحاظ ظاہر انا بشر مثلکم فرمانا حکمت وہدایت وارشاد کے لیے بطریق تواضع ہے اور جو کلمات تواضع کے لیے کہے جائیں وہ تواضع کرنے والے کے علو منصب کی دلیل ہوتے ہیں، چھوٹوں کا ان کلمات کو ان کی

شان میں کہنا یا اس سے برابری ڈھونڈھنا ترک ادب اور گستاخی ہوتا ہے تو کسی امتی کو روا نہیں کہ وہ حضور علیہ السلام سے مماثل ہونے کا دعویٰ کرے، یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ آپ کی بشریت بھی سب سے اعلیٰ ہے۔ ہماری بشریت کو اس سے کچھ نسبت نہیں۔(76)

۲۔ وقیلہ یرب ان ہؤلاء قوم لا یومنون۔(77)

ترجمہ: ''اور مجھے رسول کے اس کہنے کی قسم کہ اے میرے رب یہ لوگ ایمان نہیں لاتے''۔

اس کی تفسیر میں درج ذیل نفیس انداز ملاحظہ کیجئے:

اللہ تبارک وتعالیٰ کا حضور سید عالم ﷺ کے قول مبارک کی قسم فرمانا، حضور ﷺ کے اکرام اور حضور کی دعا و التجا کے احترام کا اظہار ہے۔(78)

۳۔ ولو نشاء لاریناکھم فلعرفتھم بسیمھم ولتعرفنھم فی لحن القول واللہ یعلم اعمالکم۔(79)

ترجمہ: اور اگر ہم چاہیں تو تمہیں ان کو دکھا دیں کہ تم ان کی صورت سے پہچان لو اور ضرور تم انہیں بات کے اسلوب میں پہچان لوگے۔

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول کریم ﷺ سے کوئی منافق مخفی نہ رہا، آپ سب کو ان کی صورت سے پہچانتے تھے، چنانچہ اس کے بعد جو منافق لب ہلاتا تھا، حضور ﷺ اس کے نفاق کو اس کی بات اور فحوائے کلام سے پہچان لیتے تھے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے حضور کو بہت سے وجوہ علم عطا فرمائے ان میں سے صورت سے پہچاننا بھی ہے اور بات سے پہچاننا بھی۔(80)

نمبر 7: فقہی مسائل کا استنباط:

ایک اچھے مفسر میں یہ صلاحیت بھی نہایت اہم ہے کہ وہ آیات قرآنیہ سے ثابت ہونے والے مسائل و فقہی احکام کا استنباط کر سکے۔ اس علم کو اصول فقہ کہتے ہیں۔

حریری لکھتے ہیں کہ اصول فقہ ہی وہ علم ہے۔ جس کی بناء پر آیات قرآنی سے مسائل واحکام کا استنباط کیا جاسکتا ہے نیز عموم وخصوص اطلاق وتقیید اور امر و نہی کا پتا بھی اسی علم کے ذریعہ چلتا ہے۔(81)

علامہ زبیدیؒ لکھتے ہیں کہ مفسر کے لیے اصول فقہ کا جاننا بھی ضروری ہے وہ لکھتے ہیں:

"اصول الفقه اذبه يعرف وجه الاستدلال على الاحكام والاستنباط"۔(82)

ترجمہ: ''اصول فقہ کے ذریعے احکام کے استدلال کی وجہ اوران کا استنباط پہچانا جاتا ہے۔''

علم اصول فقہ کی اس اہمیت کے پیش نظر فاضل مفسر آیت قرآنیہ سے مسائل و احکام کا استنباط کرتے ہیں اور تفسیر مذکور میں ہمیں جگہ جگہ اس کی نظیریں ملتی ہیں مثلاً:

۱۔ يايها الذين امنو اطيعوا الله واطيعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالكم (83)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور اپنے عمل باطل نہ کرو''۔

اس آیت سے درج ذیل حکم فقہی کا استنباط کرتے ہیں:

مسئلہ: اس آیت میں عمل کے باطل کرنے کی ممانعت فرمائی گئی تو آدمی جو عمل شروع کرے خواہ وہ نفل ہی ہو نماز یا روزہ یا اور کوئی عمل، لازم ہے کہ اس کو باطل نہ کرے۔(84)

۲۔ قل لا اسئلكم عليه اجراً الا المودة في القربى۔(85)

ترجمہ: ''تم فرماؤ میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت''۔

اس آیت سے درج ذیل مسائل کا استنباط کرتے ہیں:

مسئلہ: اہل قرابت سے کون کون مراد ہیں اس میں کئی قول ہیں ایک تو یہ کہ مراد اس سے حضرت علی وحضرت فاطمہ وحسنین کریمین رضی اللہ عنہم ہیں۔ ایک قول ہے کہ آل علی وآل عقیل وآل جعفر وآل عباس مراد ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حضور کے وہ اقرب مراد ہیں جن پر صدقہ حرام ہے، اور وہ مخاصین بنی ہاشم و بنی عبدالمطلب ہیں حضور کی ازواج مطہرات حضور کے اہل بیت میں داخل ہیں۔

مسئلہ: حضور سید عالم ﷺ کی محبت اور حضور کے اقارب کی محبت دین کے فرائض میں سے ہے۔(86)

نمبر 8: مکی اور مدنی آیات و سورہ کی وضاحت:

مکی اور مدنی سورتوں اور آیات کی پہچان بھی تفسیر قرآن بیان کرنے کے لیے انتہائی اہم ہے۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

''حامل قرآن کو مکی اور مدنی سورتوں کی پہچان بھی ہونی چاہیے تا کہ اسلام کے ابتدائی دور کی آیات اور آخری دور کی آیات کی تعلیمات میں فرق کر سکے اور اسے یہ پتا بھی چل سکے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ابتدائی دور میں کون سی چیزیں فرض کیں اور بعد میں ان میں کیا تبدیلی کی، اکثر مدنی احکام مکی احکام کے ناسخ ہیں''۔(87)

صدرالافاضل نے اپنی تفسیر میں اس اصول کا بطور خاص اہتمام کیا ہے، عام مفسرین صرف سورت کے آغاز میں یہ لکھ دیتے ہیں کہ یہ سورۃ مکی ہے یا مدنی اور بس لیکن صدالافاضل کے حوالے سے یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ وہ نہ صرف سورت کی مکی یا مدنی حیثیت متعین کرتے ہیں بلکہ اگر کسی مکی سورۃ میں کوئی آیت یا آیات مدنی ہوں یا مدنی سورۃ میں ایسا واقع ہو تو وہ اس کی وضاحت بھی آغاز سورت میں ہی کر دیتے ہیں مثلاً:

۱۔ سورۂ حج کے بارے میں لکھتے ہیں:

''سورۂ حج بقول ابن عباس رضی اللہ عنہما و مجاہد مکیہ ہے، سوائے چھ آیتوں کے جو ھذان خصمٰن سے شروع ہوتی ہیں''۔(88)

۲۔ دوسری مثال ملاحظہ ہو:

سورۂ قصص مکیہ ہے سوائے چار آیتوں کے جو الذین اتیناھم الکتب سے شروع ہو کر لا نبتغی الجاھلین پر ختم ہوتی ہیں اور اس سورت میں ایک آیت ان الذی فرض ایسی ہے جو مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان نازل ہوئی۔(89)

۳۔ سورۂ ھود کے بارے میں وضاحت کرتے ہیں:

''سورۂ ھود مکیہ حسن و عکرمہ وغیرہم مفسرین نے فرمایا کہ آیت و اقم الصلوۃ

طرفی النھار کے سوا باقی تمام سورۃ مکیہ ہے۔ مقاتل نے کہا کہ آیت فلعلك تارك اور اولئك یومنون به اور ان الحسنات یذھبن السیئات کے علاوہ تمام سورۃ مکی ہے۔'' (90)

درج بالا امثلہ میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مفسر مذکور اس فن میں کس قدر مہارت کے حامل ہیں کہ ایک ایک آیت کی تصریح کر دی ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے مگر فلاں آیت مدنی ہے، ورنہ یہ چیز عام مفسرین کے ہاں بالکل نظر نہیں آتی۔ نیز یہ اس بات کی بھی عکاسی کرتی ہے کہ فاضل مفسر کا مطالعہ قرآن کس قدر وسیع و عمیق ہے۔

نمبر 9: مفرد الفاظ کی وضاحت:

ایک مفسر کے لیے لغت عرب کے مفردات کا علم بھی ناگزیر ہے۔

علامہ صابونی لکھتے ہیں:

اللغة ضروری للمفسر اذ کیف یمکن فھم الآیة بدون معرفة المفردات (91)

ترجمہ: ''علم لغت مفسر کے لیے ضروری ہے اس لیے کہ آیت کا مفہوم مفردات کے بغیر کیسے ممکن ہے''۔

صدرالافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین اس صفت سے پوری طرح متصف ہیں آپ نے جا بجا اپنی تفسیر میں مفرد الفاظ کے معنی کی وضاحت کی ہے مثلاً:

۱۔ ''درایت'' کہتے ہیں اندازے اور قیاس سے جاننے کو جیسا کہ مفردات راغب اور ردالمحتار میں ہے۔ (92)

۲۔ ''اجتباء'' یعنی اللہ تعالیٰ کا کسی بندے کو برگزیدہ کر لینا یعنی چن لینا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی بندے کو فیض ربانی کے ساتھ مخصوص کرے جس سے اس کو طرح طرح کے کرامات و کمالات بے سعی و محنت حاصل ہوں۔ یہ مرتبہ انبیاء کے ساتھ خاص ہے اور ان کی بدولت ان کے مقربین صدیقین شہدا و صالحین بھی اس نعمت سے سرفراز کیے جاتے ہیں۔ (93)

۳۔ ''غیب'' وہ ہے جو حواس و عقل سے بدیہی طور پر معلوم نہ ہو سکے۔ (94)

۴۔ ''عبادت'' وہ غایت تعظیم ہے، جو بندہ اپنی عبدیت اور معبود کی الوہیت کے اعتقاد و اعتراف کے ساتھ بجالائے۔(95)

۵۔ ''فاسق'' شرع میں اس نافرمان کو کہتے ہیں جو کبیرہ کا مرتکب ہو۔(96)

مندرجہ بالا مثالوں میں آپ نے ملاحظہ کیا کہ فاضل مفسر نے کس طرح مشکل الفاظ کی وضاحت بیان کی ہے جس سے قاری کے لیے مفہوم سمجھنے میں بہت آسانی پیدا ہوگئی ہے اور یہ آپ کی لغت عربیہ میں مہارت کا بھی واضح ثبوت ہے۔

نمبر 10: متعدد اقوال و روایات میں تطبیق و ترجیح:

فاضل مفسر آیات مبارکہ کی تفسیر میں متعدد مختلف اقوال و روایات درج کرتے ہیں اور مختلف نقطہ ہائے نگاہ کو سامنے لاتے ہیں پھر اس کے بعد ان روایات و اقوال میں یا تو تطبیق دیتے ہیں یا ان میں سے کسی کو راجح یا مرجوح قرار دیتے ہیں یہ بھی علم تفسیر میں آپ کی بالغ نظری کی دلیل ہے مثلاً:

(۱) ''عصر'' زمانہ کو کہتے ہیں اور زمانہ چونکہ عجائبات پر مشتمل ہے اس میں احوال کا تغیر و تبدل ناظر کے لیے عبرت کا سبب ہوتا ہے اور یہ چیزیں خالق و حکیم کی قدرت و حکمت اور اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں اس لیے ہوسکتا ہے کہ زمانہ کی قسم مراد ہو۔

(۲) اور عصر اس وقت کو بھی کہتے ہیں جو غروب سے قبل ہوتا ہے ہوسکتا ہے کہ خاسر کے حق میں اس وقت کی قسم یاد فرمائی جائے جیسا کہ رابح کے حق میں ضحیٰ یعنی چاشت کی قسم ذکر فرمائی گئی۔

(۳) اور ایک قول یہ بھی ہے کہ عصر سے نماز عصر مراد ہوسکتی ہے جو دن کی عبادتوں میں سب سے پچھلی عبادت ہے۔

(۴) اور سب سے لذیذ اور راجح تفسیر وہی ہے جو حضرت مترجم قدس سرہ (فاضل بریلوی) نے اختیار فرمائی کہ زمانہ سے مخصوص زمانہ سیّد عالم ﷺ کا مراد ہے جو بڑی خیر و برکت کا زمانہ اور تمام زمانوں میں سب سے زیادہ فضیلت و شرف والا ہے اللہ تعالیٰ نے

حضور ﷺ کے زمانہ مبارک کی قسم یاد فرمائی جیسا کہ لا اقسم بھذا البلد میں حضور ﷺ کے مسکن و مکان کی قسم یاد فرمائی ہے اور جیسا کہ لعمرك میں آپ کی عمر شریف کی قسم یاد فرمائی اور اس میں شان محبوبیت کا اظہار ہے۔(97)

۱۔ سورۂ فلق مدنیہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ مکیہ ہے (الاول اصح)۔(98)

۲۔ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى۔(99)

ترجمہ: ''پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اتر آیا''۔

اس آیت کے تحت رقم طراز ہیں: اس کے معنی میں بھی مفسرین کے کئی قول ہیں:

۱۔ ایک قول یہ ہے کہ جبریل علیہ السلام کا حضور اکرم ﷺ سے قریب ہونا مراد ہے کہ وہ اپنی اصلی صورت دکھا دینے کے بعد حضور ﷺ کے قرب میں حاضر ہوئے۔

۲۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ سیّد عالم ﷺ حضرت حق کے قرب سے مشرف ہوئے۔

۳۔ تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو اپنے قرب کی نعمت سے نوازا اور یہی صحیح تر ہے۔(100)

نمبر 11: اعجاز قرآن کا بیان:

قرآن مجید حضور اکرم ﷺ کا اعظم معجزہ ہے جو رہتی دنیا تک موجود رہے گا۔ اس کی تدوین، اس کی لغت و قراءت کی حفاظت، اس کی زبان و بیان اس کے کائناتی حقائق اس کی پیش گوئیاں غرض ہر چیز میں قدرت کا اعجاز نظر آتا ہے، اس لیے مفسرین کرام نے اس پہلو سے خصوصی اعتناء برتا ہے۔ حضرت صدرالافاضل نے بھی اس پہلو پر بھرپور روشنی ڈالی ہے اور اپنی تفسیر میں اسے خوب خوب اجاگر کیا ہے مثلاً:

۱۔ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ...الخ(101)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ ان سے استہزاء فرماتا ہے''۔

اس کی تفسیر میں فصاحت و بلاغت کے اعجاز قرآنی کو یوں بیان کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ استہزاء اور تمام نقائص و عیوب سے منزہ و پاک ہے، یہاں جزاءِ استہزاء کو استہزاء فرمایا گیا تاکہ خوب دل نشین ہو جائے کہ یہ سزا اس نا کردنی فعل کی ہے، ایسے موقع

پر جزا کو اسی فعل سے تعبیر کرنا آئین فصاحت ہے جیسے جزاء سیئۃ سیئۃ میں کمال حسن بیان یہ ہے کہ اس جملہ کو جملۂ سابقہ پر معطوف نہ فرمایا کیونکہ وہاں استہزاء حقیقی معنی میں تھا۔(102)

۲۔ ولقد نعلم انھم یقولون انما یعلمه بشر۔(103)

ترجمہ: ''اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں یہ تو کوئی آدمی سکھاتا ہے''۔

اس کی تفسیر میں اعجاز قرآن کو یوں واضح کرتے ہیں:

''قرآن کریم کی حلاوت اور اس کے علوم کی نورانیت جب قلوب کی تسخیر کرنے لگی تو کفار نے طرح طرح کے افتراء اٹھانے شروع کر دیے، انہی میں سے ایک مکر یہ بھی تھا فلاں عجمی غلام سیّد عالم ﷺ کو قرآن سکھاتا ہے''۔

اس کے رد میں یہ آیت اتری اور فرمایا کہ جس غلام کی طرف نسبت کرتے ہیں وہ تو عجمی ہے ایسا کلام بنانا اس کے لیے تو کیا امکان میں ہوتا تمہارے فصحاء و بلغاء جن کی زبان دانی پر عرب کو فخر و ناز ہے وہ سب کے سب حیران ہیں اور چند جملے قرآن کی مثل بنانا انہیں محال اور ان کی قدرت سے باہر ہے خدا کی قدرت کہ اس غلام کو بھی کلام الٰہی کے اعجاز نے تسخیر کیا اور وہ حلقہ بگوش اسلام ہوا۔(104)

۳۔ وقال الذین کفروا لولا نزل علیه القران جملة واحدة۔(105)

ترجمہ: ''اور کافر بولے قرآن ان پر ایک ساتھ کیوں نہ اتار دیا''۔

اس آیت کے تحت اعجاز قرآن کا بیان ملاحظہ فرمائیں:

''اور جیسے کہ توریت و انجیل و زبور میں سے ہر ایک کتاب ایک ساتھ اتری تھی۔ کفار کا یہ اعتراض بالکل فضول اور مہمل ہے کیونکہ قرآن مجید کا معجزہ اور محتج نہ ہونا ہر حال میں یکساں ہے چاہے یکبارگی نازل ہو یا بتدریج بلکہ بتدریج نازل فرمانے میں اس کے اعجاز کا اور بھی کامل اظہار ہے کہ جب ایک آیت نازل ہوئی اور تحدید کی گئی اور خلق کا اس کے مثل بنانے سے عاجز ہونا ظاہر ہوا۔ پھر دوسری اتری اسی طرح اس کا اعجاز ظاہر ہوا، اس طرح برابر آیت آیت ہو کر قرآن پاک نازل ہوتا رہا اور ہر ہر دم اس کی بے مثالی اور خلق کی عاجزی ظاہر

ہوتی رہی''۔(106)

نمبر12: مذاہب باطلہ کارد:

حضرت صدرالافاضل کی ولادت ۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۳ء میں ہوئی۔ (107)

ہندوستان میں یہ دور مذہبی آویزشوں اور مناظروں کا دور ہے کبھی تو ہندو پنڈت اور آریہ سماجی اور کبھی عیسائی پادری اسلام پر اعتراضات کرر ہے تھے، نیز خود مسلمانوں میں بھی ایک مکتب فکر ایسا معرض وجود میں آچکا تھا جو معتزلہ کی ترجمانی کرتے ہوئے ہر چیز کو عقل نارسا کی کسوٹی پر پرکھ کر اس کے رد وقبول کا معیار قائم کررہا تھا۔ اس ماحول میں ایک طرف تو حضرت صدرالافاضل نے ان تمام لوگوں سے مناظرے کر کے انہیں شکست فاش دی اور دوسری طرف اپنی تحریروں کے ذریعے مسلک حق اہلسنت وجماعت کے عقائد ومعمولات کا دفاع کیا اور دین اسلام کی حقانیت ثابت کردی۔(108)

اسی پس منظر میں تفسیر خزائن العرفان لکھی گئی، لہذا اس میں بھی جابجا آپ نے مخالفین اسلام ومسلمین کا نقلی اور عقلی انداز میں رد بلیغ کیا ہے، درج ذیل مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ واذا قیل لھم امنوا کما امن الناس قالوا انؤمن کما امن السفھآء۔ (109)

''اس سے معلوم ہوا کہ صالحین کو برا کہنا اہل باطل کا قدیم طریقہ ہے۔آج کل کے باطل فرقے بھی قدیم بزرگوں کو برا کہتے ہیں روافض خلفائے راشدین اور بہت صحابہ کو خوارج حضرت علی اور ان کے رفقاء کو، مرزائی انبیاء سابقین تک کو، قرآنی (چکڑالوی) صحابہ اور محدثین کو، نیچری تمام اکابرین کو برا کہتے اور زبانِ طعن دراز کرتے ہیں۔اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ سب گمراہی میں ہیں''۔(110)

۲۔ وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفو عن کثیر۔ (111)

ترجمہ: ''اور تمہیں جو مصیبت پہنچی وہ اس کے سبب سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا اور بہت کچھ تو معاف فرمادیتا ہے''۔

اس آیت کے تحت ''فائدہ'' کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

''بعض گمراہ فرقے جو تناسخ کے قائل ہیں، اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ چھوٹے بچوں کو جو تکلیف پہنچی ہے وہ ان کے گناہوں کا نتیجہ ہے اور ابھی تک ان سے کوئی گناہ ہوا نہیں تو ثابت ہوا کہ اس زندگی سے پہلے کوئی اور زندگی ہو جس میں گناہ ہوتے ہوں، یہ باطل ہے کیونکہ بچے اس کے مخاطب ہی نہیں جیسا کہ بالعموم تمام خطاب بالغین عاقلین کو ہوتے ہیں پس تناسخ والوں کا استدلال باطل ہوا''۔ (112)

نمبر 13: مسلک احناف کی ترجمانی:

حضرت صدرالافاضل مولانا سیّد نعیم الدین حنفی مسلک پر کاربند تھے اور اپنی تفسیر میں جا بجا حنفی مسلک کی ہی ترجمانی کی ہے۔ اس تفسیر میں اگرچہ بعض دوسرے ائمہ فقہاء کے اقوال بھی درج کیے ہیں لیکن ترجیح مسلک احناف کو ہی دی ہے اس طرح یہ تفسیر مسلک امام ابو حنیفہ کی ترجمان اور نمائندہ تفسیر ہے۔ مندرجہ ذیل مثالیں دیکھیے:

۱۔ لیشھدوا منافع لھم ویذکروا اسم اللہ فی ایام معلومت۔ (113)

ترجمہ: ''تاکہ وہ اپنا فائدہ پائیں اور اللہ کا نام لیں جانے ہوئے دنوں میں''۔

اس آیت کے تحت مسلک احناف یوں بیان کرتے ہیں:

''جانے ہوئے دنوں سے ذی الحجہ کا عشرہ مراد ہے جیسا کہ حضرت علی، ابن عباس و حسن و قتادہ کا قول ہے اور یہی مذہب ہے ہمارے امام اعظم حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا اور صاحبین کے نزدیک جانے ہوئے دنوں سے ایام نحر مراد ہیں یہ قول ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا''۔ (114)

۲۔ او التابعین غیر اولی الاربۃ من الرجال۔ (115)

ترجمہ: ''یا نوکر بشرطیکہ شہوت والے مرد نہ ہوں''۔

اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

مسئلہ: ائمہ حنفیہ کے نزدیک خصی اور عنین حرمت نظر میں اجنبی کا حکم رکھتے ہیں۔ (116)

۲۔ والذین لم یبلغوا الحکم ۔(117)

ترجمہ: ''اور وہ جو تم میں ابھی جوانی کو نہ پہنچے''۔

''سن بلوغ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک لڑکے کے لیے اٹھارہ سال لڑکی کے لیے سترہ سال اور عام علماء کے نزدیک لڑکے اور لڑکی دونوں کے لیے پندرہ سال ہے''۔(118)

نمبر 14: مسائل تصوف:

سیّد نعیم الدین صوفی منش عالم دین تھے۔ تصوف کا ذوق رکھتے تھے۔ اکثر اہل اللہ سے شرفِ زیارت و ملاقات رہتا تھا، یہ رنگ آپ کی تفسیر میں بھی نمایاں ہے آپ نہ صرف صوفیاء کرام کے اقوال ذکر کرتے ہیں بلکہ صوفیانہ نکات و اشارات بھی اپنی تفسیر میں درج کرتے ہیں مثلاً:

۱۔ ان فی ذلک لذکری لمن کان لہ قلب ۔۔(119)

ترجمہ: ''بے شک اس میں نصیحت ہے اس کے لیے جو دل رکھتا ہو''۔

''دل و دانا شبلی قدس سرہ نے فرمایا کہ قرآنی نصائح سے فیض حاصل کرنے کے لیے قلب حاضر چاہیے جس میں طرفۃ العین کے لیے بھی غفلت نہ آئے۔''(120)

۲۔ ولا یؤذن لھم فیعتذرون ۔(121)

ترجمہ: ''اور نہ انہیں اجازت ملے کہ عذر کریں''۔

اس آیت کے تحت رقم طراز ہیں:

''جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کو عذر ہی کیا ہے جس نے نعمت دینے والے سے روگردانی کی۔ اس کی نعمتوں کو جھٹلایا اس کے احسانوں کی ناسپاسی کی۔''(122)

۳۔ واذکر ربک اذا نسیت ۔(123)

ترجمہ: ''اور اپنے رب کی یاد کر جب تو بھول جائے''۔

اس آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں:

''بعض عارفین نے فرمایا معنی یہ ہیں کہ اپنے رب کو یاد کر جب تو اپنے آپ کو بھول جائے کیونکہ ذکر کا کمال یہی ہے کہ ذاکر مذکور میں فنا ہو جائے''۔(124)

نمبر 15: عصمت انبیاء کرام (علیہم السلام)

صدر الافاضل مولانا سیّد نعیم الدین اہلسنت کے عقائد کے ترجمان ہیں اور علماء اہلسنت انبیاء کرام علیہم السلام کو قبل از اعلان نبوت بھی گناہوں سے معصوم ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ چنانچہ جہاں کہیں بھی انبیاء کرام کا ذکر آتا ہے۔ صدر الافاضل ہر ہر پہلو سے ان کی خَلقی و خُلقی عظمت کو بیان کرتے ہیں اور ان کی رفعت شان کے علمبردار نظر آتے ہیں مثلاً:

۱۔ ولقد همت به وهم بها لولا ان رأ برهان ربه۔ (125)

ترجمہ: ''اور بے شک عورت نے ارادہ کیا اس کا اور وہ بھی عورت کا ارادہ کرتا، اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا''۔

اس آیت کے تحت ارقام فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے نفوس طاہرہ کو اخلاق ذمیمہ و افعال رذیلہ سے پاک پیدا کیا ہے اور اخلاف شریفہ طاہرہ مقدسہ پر ان کی خلقت فرمائی ہے اس لیے وہ ہر نا کردنی فعل سے باز رہتے ہیں۔''(126)

۲۔ ووجدك ضالا فهدى۔ (127)

ترجمہ: ''اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی''۔

اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

مسئلہ: ''انبیاء کرام علیہم السلام سب معصوم ہوتے ہیں نبوت سے قبل بھی نبوت کے بعد بھی اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کے ہمیشہ سے عارف ہوتے ہیں''۔(128)

نمبر 16: نحوی مسائل:

صدر الافاضل مولانا سیّد نعیم الدین نحوی مسائل پر بھی عبور رکھتے ہیں اس علم کے

بغیر قرآن مجید کی تفسیر ممکن ہی نہیں کیونکہ عبارت قرآنی کی تفہیم وتشریح اس کے بغیر حاصل ہی نہیں ہوسکتی۔ اس سلسلے میں شیخ مناع القطان لکھتے ہیں:

والمعانی تختلف باختلاف الاعراب ومن ھنا مست الحاجة الی اعتبار علم النحو۔ (129)

ترجمہ: ''اور اعراب کے اختلاف کی وجہ سے معانی میں ہوجاتا ہے اس لیے علم نحو سے واقفیت بھی ضروری ہے۔''

علامہ مشتاق احمد چشتی نے بھی مفسر کی شرائط میں نحو کو لازمی قرار دیا ہے۔ (130)

مندرجہ بالا اقوال کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مفسر کے لیے علم نحو کے مسائل سے واقفیت نہایت ضروری ہے اور صدرالافاضل اس وصف سے بھی پوری طرح متصف ہیں۔ درج ذیل مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ الذین یؤمنون بالغیب۔ (131)

ترجمہ: ''وہ جو بے دیکھے ایمان لائیں''۔

اس آیت کے تحت نحوی تحقیق اس طرح ارقام فرماتے ہیں:

''غیب معنی مصدری میں رکھا جائے اور غیب کا صلہ مومن بہ قرار دیا جائے یا باء کو متلبسین محذوف کے متعلق کر کے حال قرار دیا جائے تو پہلی صورت میں آیت کے یہ معنی ہوں گے جو بے دیکھے ایمان لائیں، جیسا حضرت مترجم قدس سرہ نے ترجمہ کیا ہے دوسری صورت میں معنی یہ ہوں گے جو مومن کے پس غیبت ایمان لائیں یعنی منافقوں کی طرح نہیں بلکہ مخلص ہوں اور غائب حاضر ہر حال میں مومن رہیں۔'' (132)

۲۔ یٰنساء النبی من یات منکن بفاحشه مبینة۔ (133)

ترجمہ: ''اے نبی کی بیبیو جو تم میں صریح حیا کے خلاف کوئی جرأت کرے''۔

اس آیت کے تحت ''فاحشہ'' کی تحلیل نحوی یوں کرتے ہیں:

''لفظ فاحشہ جب معرفہ ہو کر وارد ہو تو اس سے زنا اور لواطت مراد ہوتی ہے اور اگر نکرہ غیرہ موصوفہ ہو کر وارد ہو تو اس سے تمام گناہ مراد ہوتے ہیں اور جب موصوف ہو کر وارد ہو تو اس سے شوہر کی نافرمانی اور فساد معشرت مراد ہوتا ہے اس آیت میں نکرہ موصوفہ ہے، اسی لیے اس میں شوہر کی اطاعت میں کوتاہی اور کج خلقی مراد ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، جمل وغیرہ''۔(134)

نمبر 17: ناسخ ومنسوخ:

ناسخ ومنسوخ کا علم قرآن مجید کے احکام کو سمجھنے کے لیے نہایت اہمیت کا حامل ہے جس سے کوئی بھی مفسر مستغنی نہیں ہو سکتا اس سلسلے میں علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ علم ناسخ ومنسوخ اس لیے ضروری ہے تا کہ محکم آیات کو ان کے ماسوا سے الگ معلوم کیا جا سکے۔(135)

صدر الافاضل مولانا سیّد نعیم الدین نے بھی اپنی تفسیر میں ناسخ ومنسوخ آیات کے بیان کا خاص اہتمام رکھا ہے۔

۱۔ فارتقب انھم مرتقبون۔(136)

ترجمہ: ''تو تم انتظار کرو وہ بھی کسی انتظار میں ہیں''۔

اس آیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

قیل ھذہ الآیۃ منسوخۃ بآیۃ السیف۔(137)

ترجمہ: ''کہا گیا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے آیت جہاد سے''۔

۲۔ قل للذین امنوا یغفروا للذین لا یرجون ایام اللہ۔(138)

ترجمہ: ''ایمان والوں سے فرماؤ درگزر کریں ان سے جو اللہ کے دنوں کی امید نہیں رکھتے''۔

اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

وقیل ان ھذہ الآیۃ منسوخۃ بآیۃ القتال۔(139)

ترجمہ: ''اور کہا گیا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے آیت قتال سے''۔

۲۔ ویسئلونک ماذا ینفقون قل العفو۔ (140)

''تم سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں تم فرماؤ جو فاضل بچے''۔

لکھتے ہیں کہ یہ حکم آیت زکوٰۃ سے منسوخ ہوگیا۔ (141)

نمبر 18: اختلاف قراءت:

مفسر قرآن کے لیے مختلف لہجات اور مختلف قراءتوں کا جاننا بھی نہایت ضروری ہے کیونکہ ہر قراءت کے لحاظ سے الفاظ قرآنی مختلف احتمالات کے حامل ہیں اور قراءت ہی سے کسی ایک احتمال کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

> ''قرآن کے ساتھ نطق کی کیفیت اسی علم کے ذریعہ سے معلوم ہوتی ہے اور قراءتوں ہی کے وسیلہ سے احتمالی وجوہ میں سے بعض کو بعض پر ترجیح ملتی ہے''۔ (142)

اس کی اہمیت پر مولانا سعید احمد اکبر آبادی یوں روشنی ڈالتے ہیں:

> ''فہم قرآن کے لیے ضروری ہے کہ ان تمام لہجوں اور آوازوں سے واقفیت پیدا کی جائے جو نزول قرآن کے وقت عرب میں مستعمل تھے ورنہ گمراہی کا سبب ہوسکتا ہے''۔ (143)

علامہ صابونی نے بھی معرفۃ علم القراءت کو مفسر کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔ (144)

درج بالا علماء کرام کے اقوال سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ مختلف قراءتوں کا علم مفسر کے لیے بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ سیّد نعیم الدین اس وصف سے پوری طرح متصف ہیں۔ آپ نے متعدد جگہ اختلاف قراءت کو درج کیا ہے اگرچہ آپ نے اس کا زیادہ اہتمام نہیں کیا، تاہم چند مثالیں اس فن میں آپ کی مہارت کی گواہی دیتی ہیں مثلاً:

۱۔ واشھدوا اذا تبایعتم ولا یضآر کاتب ولا شھید۔ (145)

ترجمہ: ''اور جب خرید و فروخت کرو تو گواہ کرلو اور نہ کسی لکھنے والے کو ضرر دیا جائے اور نہ گواہ کو''۔

اس آیت کے تحت اختلاف قراءت یوں بیان کرتے ہیں:

''یضار'' میں دو احتمال ہیں مجہول و معروف ہونے کے قراءت ابن عباس رضی اللہ عنہما اوّل کی اور قراءت عمر رضی اللہ عنہ ثانی کی موید ہے پہلی تقدیر پر معنی یہ ہیں کہ اہل معاملہ کاتبوں اور گواہوں کو ضرر نہ پہنچائیں دوسری تقدیر پر معنی یہ ہیں کہ کاتب و شاھد اہل معاملہ کو نقصان نہ پہنچائیں۔(146)

۲۔ لقد جاء کم رسول من انفسکم ۔(147)

ترجمہ: ''بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں وہ رسول ﷺ''۔

اس آیت کے تحت رقم طراز ہیں:

''اور ایک قراءت میں انفسکم بفتح فا آیا ہے اس کے معنی ہیں کہ تم میں سب سے نفیس تر اور اشرف و افضل''۔(148)

۳۔ یایھا الذین امنو الا تد خلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا وتسلموا علی اھلھا ۔(149)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں نہ جاؤ جب تک اجازت نہ لے لو ان کے ساکنوں پر سلام نہ کرلو''۔

اس آیت میں اختلاف قراءت یوں واضح کرتے ہیں:

''حدیث شریف میں ہے کہ سلام کو کلام پر مقدم کرو، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی قراءت بھی اسی پر دلالت کرتی ہے ان کی قراءت یوں ہے: حتیٰ تسلموا علی اھلھا وتستاذنوا''۔(150)

درج بالا مثالوں میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ قراءتوں کے اختلاف سے آیت قرآنی کے مفہوم میں کتنی تبدیلی آجاتی ہے، اس لیے یہ علم مفسر کے لیے ضروری ہے۔

نمبر 19: حکمت تشریع:

قرآن مجید کتاب حکمت ہے اس کی ہر آیت ہر لفظ بے شمار اسرار و حکم کا مخزن ہے اور مفسرین کرام نے خواہ وہ قدیم ہوں یا جدید اس پہلو سے بھی خاص اعتناء برتا ہے دور

حاضر کے مفسر علامہ محمد علی صابونی (شام) نے بھی اپنی تفسیر روائع البیان میں اس پہلو پر بطور خاص روشنی ڈالی ہے علامہ نعیم الدین مراد آبادی نے بھی اپنی تفسیر میں بہت سے مقامات پر اس پہلو پر بھرپور توجہ دی ہے مثال:

۱۔ والوالدات یرضعن اولادھن۔ (151)

ترجمہ: ''اور مائیں دودھ پلائیں اپنے بچوں کو''۔

اس آیت کے تحت تفسیر اور حکمت آیات اس طرح ارقام فرماتے ہیں:

''بیان طلاق کے بعد یہ سوال طبعاً سامنے آتا ہے کہ اگر طلاق والی عورت کی گود میں شیر خوار بچہ ہو تو اس جدائی کے بعد اس کی پرورش کا کیا طریقہ ہوگا اس لیے یہ قرین حکمت ہے کہ بچہ کی پرورش کے متعلق ماں باپ پر جو احکام ہیں وہ اس موقع پر بیان فرمائے جائیں لہٰذا یہاں ان مسائل کا بیان ہوا''۔ (152)

۲۔ والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا وصیة لازواجھم متاعا الی الحول غیر اخراج۔ (153)

ترجمہ: ''اور جو تم میں مریں اور بیبیاں چھوڑ جائیں وہ اپنی عورتوں کے لیے وصیت کر جائیں سال بھر تک نان نفقہ دینے کی، بغیر نکالے''۔

اس آیت کے تحت حکمت آیات یوں بیان فرماتے ہیں:

''حکمت اس کی یہ ہے کہ عرب کے لوگ اپنے مورث کی بیوہ کا نکلنا یا غیر سے نکاح کرنا بالکل گوارہ ہی نہ کرتے اور اس کو عار سمجھتے تھے اس لیے اگر ایک دم چار ماہ دس دن کی عدت مقرر کر دی جاتی تو یہ ان پر بہت شاق ہوتی لہٰذا بتدریج انہیں راہ پر لایا گیا''۔ (154)

۳۔ واحل اللہ البیع وحرم الربوا۔ (155)

ترجمہ: ''اور اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود''۔

اس آیت کے تحت حرمت سود کی حکمت یوں بیان فرماتے ہیں:

''سود کو حرام فرمانے میں بہت حکمتیں ہیں۔ بعض یہ ہیں:

اول یہ کہ: سود میں جو زیادتی لی جاتی ہے وہ معاوضہ مالیہ میں ایک مقدار مال کا بغیر بدل وعوض کے لینا ہے یہ صریح ناانصافی ہے۔

دوم: سود کا رواج تجارتوں کو خراب کرتا ہے کہ سود خور کو بے محنت مال کا حاصل ہونا تجارت کی مشقتوں اور خطروں سے کہیں زیادہ آسان معلوم ہوتا ہے اور تجارتوں کی کمی انسانی معاشرت کو نقصان پہنچاتی ہے۔

سوم: سود کے رواج سے باہمی مودت کے سلوک کو نقصان پہنچتا ہے کہ جب آدمی سود کا عادی ہوا تو وہ کسی کو قرض حسن سے امداد پہنچانا گوارا نہیں کرتا۔

چہارم: سود سے انسان کی طبیعت میں درندوں سے زیادہ بے رحمی پیدا ہوتی ہے اور سود میں اور بڑے بڑے نقصان ہیں اور شریعت کی ممانعت عین حکمت ہے''۔(156)

نمبر 20: اندازِ تفسیر:

تفسیر کی تین اقسام ہیں۔ تفسیر بالروایہ (ماثور) تفسیر بالدرایہ (بالرائے) اور تفسیر بالاشارہ (اشاری)۔(157)

تفسیر خزائن العرفان قسم اوّل یعنی تفسیر بالماثور میں آتی ہے یعنی وہ تفسیر جس میں قرآن مجید کی تفسیر قرآن سے یا سنت نبویہ سے یا صحابہ کرام و تابعین عظام سے منقول روایات سے ہوتی ہے۔

صدر الافاضل کی تفسیر زیادہ تر تفسیر بالماثور ہے، اگرچہ اس میں آپ نے جا بجا عقلی اور منطقی انداز سے دلائل بھی دیے ہیں لیکن بلاشبہ احادیث وآثار کا بہت بڑا ذخیرہ بھی اس کی زینت بنا ہوا ہے اس طرح یہ تفسیر روایت دونوں انداز کی جامع ہے۔

چنانچہ علامہ چشتی لکھتے ہیں:

'خزائن العرفان پر تفسیر ماثورہ کا رنگ غالب ہے، کہیں کہیں تفسیر بالمعقول کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔''(158)

خزائن العرفان کے اہم ماخذ:

مولانا سیّد نعیم الدین نے اپنی تفسیر میں مفسرین کرام محدثین عظام اور فقہاء اسلام کی کتب کے علاوہ کتب سے اقوال وآراء یا اقتباسات نقل کرتے ہیں تو اس کا حوالہ ضرور ذکر کرتے ہیں، اس بات کا اہتمام انہوں نے پوری تفسیر میں کیا ہے۔ یہ ان کی علمی امانت داری کا منہ بولتا ثبوت ہے اور بلاشبہ یہ خزائن العرفان کی امتیازی خصوصیت ہے۔

راقم السطور نے یہ مناسب سمجھا کہ ان مراجع ومصادر کا ذکر کر دیا جائے جن سے حضرت صدر الافاضل نے اپنی تفسیر میں استشہاد واستدلال کیا ہے اور ان پر اعتماد کیا ہے ان میں سے اہم ترین ماخذ مراجع درج ذیل ہیں:

تفاسیر:

☆......ابوجعفر محمد بن جریر طبری (م۔310ھ)، جامع البیان،

☆......ابومنصور محمد ماتریدی (م۔339ھ)، تفسیر ماتریدی،

☆......ابوبکر الجصاص احمد بن علی (م۔370ھ)، احکام القرآن،

☆......ابواسحٰق احمد ثعلبی (م۔427ھ)، الکشف،

☆......فخر الدین رازی (م۔606ھ)، مفاتیح الغیب،

☆......شیخ روزبہان بن ابونصر بقلی (م۔606ھ)، عرائس البیان،

☆......محمد بن احمد قرطبی (م۔671ھ)، الجامع لاحکام القرآن

☆......عبداللہ بن عمر بیضاوی (م۔685ھ)، انوار التنزیل،

☆......عبداللہ بن احمد نسفی (م۔710ھ)، مدارک التنزیل،

☆......حسن بن محمد نیشاپوری (م۔728ھ)، غرائب القرآن،

☆......علی بن محمد خازن (م۔741ھ)، لباب التاویل،

☆......اسماعیل بن کثیر (م۔774ھ)، تفسیر القرآن العظیم،

☆......حسین واعظ کاشفی (م۔910ھ)، تفسیر حسینی،

☆......جلال الدین سیوطی (م۔911ھ)، تفسیر جلالین،

☆......ابو سعود محمد بن محمد (م۔982ھ): ارشاد العقل السلیم،

☆......شیخ احمد ملا جیون (م۔1130ھ) تفسیرات احمدیہ،

☆......محمد اسماعیل حقی (م۔1137ھ)، روح البیان،

☆......شاہ عبد العزیز دہلوی (م۔1239ھ)، تفسیر عزیزی،

☆......محمود آلوسی (م۔1270ھ)، روح المعانی، ودیگر کتب تفسیر

احادیث:

☆......صحاح ستہ

☆......امام مالک (م۔179ھ): موطا امام مالک،

☆......امام حاکم (م۔405ھ): المستدرک،

☆......ابو بکر احمد بیہقی (م۔458ھ): سنن الکبریٰ،

شروح حدیث:

☆......حافظ احمد بن حجر (م۔852ھ)، فتح الباری،

☆......ملا علی قاری (م۔1014ھ)، مرقاۃ شرح مشکوۃ،

☆......عبد الحق محدث دہلوی (م۔1052ھ): اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ

سیرت طیبہ:

☆......قاضی عیاض (م۔544ھ): الشفاء،

☆......احمد بن محمد قسطلانی (م۔923ھ): المواھب اللدنیہ،

☆......ملا علی قاری (م۔1014ھ): شرح شفاء۔

کتب فقہ:

☆......عثمان بن عبد الرحمن (م۔643ھ)، فتاویٰ ابن الصلاح،

☆......سیّد احمد طحطاوی (م۔1233ھ)، حاشیہ علی درمختار،

☆......سیّد محمد امین المعروف بابن عابدین شامی (م۔1252ھ): ردالمحتار

تصوف:

☆......محی الدین ابن عربی (م۔638ھ)، کبریت احمر

علوم القرآن:

☆......علی بن احمد الواحدی (م۔468ھ)، اسباب النزول،

☆......جلال الدین سیوطی (م۔911ھ)، لباب النقول،

☆......حسین بن محمد راغب اصفہانی (م۔505ھ): المفردات،

اسماء الرجال:

☆......محمد ابن سعد (م۔230ھ): طبقات الکبیر،

☆......شمس الدین محمد ذہبی (م۔740ھ): میزان الاعتدال،

☆......مجد الدین فروز آبادی (م۔827ھ)، القاموس المحیط

مندرجہ بالا مصادر و مراجع پر نظر ڈالنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مؤلف تفسیر صدرالافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمۃ نے کس قدر محنت اور عرق ریزی سے اس تفسیر کو لکھا ہے۔

مصادر کی یہ مختلف النوع فہرست اس کی وسعت ظرفی، کشادہ دلی، وسیع النظری اور وسعت مطالعہ کی آئینہ دار ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ اندازہ لگانا بھی مشکل نہیں کہ تفسیر خزائن العرفان کا علمی مرتبہ کس قدر بلند اور استنادی حیثیت کتنی مستحکم ہے۔

★...★...★

حوالہ جات

1) اشتیاق طالب، پروفیسر: سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، رضا اکیڈمی، چاہ میراں لاہور، س ن، ص 5-3
2) اظہر، ظہور احمد، ڈاکٹر: بریلوی: مقالہ در اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور، ط اول، 1389ھ/1969ء، ص 485
3) اشتیاق طالب: کتاب مذکور: ص 6-5
4) شرف قادری، عبدالحکیم: عظمتوں کے پاسبان، المتاز پبلی کیشنز، لاہور، ط اول، 2000ء، ص 309
5) اشتیاق طالب: کتاب مذکور: ص 6
6) (۱) حوالہ سابق، ص 7
(۲) نعیمی، محمد عمر، مفتی: سید نعیم الدین مراد آبادی، مقالہ در معارف رضا، شمارہ ہشتم 1988ء ص 197
7) شرف قادری: کتاب مذکور: ص 307
8) حوالہ سابق: ص 308
9) حوالہ سابق: ص 310
10) ظہور احمد، ڈاکٹر: حوالہ مذکورہ: ص 485
11) مسعود احمد، ڈاکٹر: تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، 2002ء، ص 52-51
12) حوالہ سابق: ص 53-52
13) حوالہ سابق: ص 53
14) حوالہ سابق: ص 54
15) نعیمی، غلام معین الدین: حیاتِ صدر الافاضل، فرید بک سٹال، اردو بازار، لاہور، 2000ء، ص 186
16) مسعود احمد، ڈاکٹر: کتاب مذکور: ص 53
17) حوالہ سابق: ص 51-50
18) شرف قادری: کتاب مذکور: ص 316
19) حوالہ سابق: ص 315
20) حوالہ سابق: ص 316
21) نعیمی، محمد عمر، مفتی: حوالہ مذکور: ص 208
22) مسعود احمد، ڈاکٹر: کتاب مذکور: ص 56
23) شرف قادری: کتاب مذکور: ص 316

24) نعیمی، محمد عمر، مفتی: حوالہ مذکور: ص208
25) سعیدی، غلام رسول، مقالات سعیدی، فرید بک سٹال اردو بازار لاہور، 2000ء، ص471
26) اشتیاق طالب، پروفیسر: حوالہ مذکور: ص33
27) ندوی، فضل القدیر: کنزالایمان وخزائن العرفان، مقالہ در معارف رضا، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی، پاکستان: شمارہ نمبر 14، 1415ھ/1994ء، ص41-40
28) ابن تیمیہ، احمد بن عبدالحلیم: (م۔728ھ): اصول تفسیر، المکتبہ السلفیہ، لاہور، 2001ء ص58
29) ابن کثیر، اسماعیل، ابوالفداء، حافظ: (م۔744ھ): تفسیر القرآن العظیم، دارالمفید، بیروت، ط اول، 1403ھ/1983ء، ج1، مقدمہ، ص4
30) زبیدی، محمد مرتضیٰ، سید: (م1205ھ): اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء علوم الدین، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، 1414ھ/1994ء، ج4، ص537
31) سیوطی، جلال الدین: (م۔911ھ): الاتقان فی علوم القرآن، مکتبہ العلم، اردو بازار، لاہور، س ن، ج2، ص296
32) البقرہ: 255
33) مراد آبادی، محمد نعیم، الدین، سید: (م۔1367ھ) تفسیر خزائن العرفان، تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور، ص63
34) آل عمران: 14
35) تفسیر زیر تبصرہ: ص 75
36) النحل: 89
37) تفسیر زیر تبصرہ: ص401
38) ابن تیمیہ: اصول تفسیر، ص58
39) ابن کثیر: حوالہ مذکور
40) سیوطی: الاتقان: ج2، ص396
41) ندوی: فضل القدیر، بحوالہ بالا، ص40
42) المومن: 60
43) تفسیر زیر تبصرہ: ص685
44) التکاثر: 1
45) تفسیر زیر تبصرہ: ص685
46) قرطبی، محمد بن احمد، ابوعبداللہ (م۔671ھ): الجامع لاحکام القرآن، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ط اول، 2004ء، مترجم: پروفیسر ڈاکٹر اکرام الحق یٰسین، ج1 مقدمہ، ص86
47) حوالہ سابق: ص88
48) ابن کثیر: حوالہ مذکور: ص5

49) سیوطی: کتاب مذکور، ج 2، ص 396

50) المومن: 46

51) تفسیر زیر تبصرہ: ص 683

52) المومن: 55

53) تفسیر زیر تبصرہ: ص 684

54) ابن تیمیہ: اصول تفسیر، ص 15

55) ابن کثیر، اسماعیل، حافظ: (773ھ): تفسیر القرآن العظیم، دار المفید، بیروت، ص 5

56) حریری، غلام احمد، پروفیسر: تاریخ تفسیر و مفسرین، ملک سنز پبلشرز، فیصل آباد، طبع چہارم، 1989ء، ص 244

57) سیوطی: الاتقان فی علوم القرآن، ج 2، ص 428

58) ابن کثیر: تفسیر مذکور، ص 5

59) القرآن الکریم: سورہ ھود: 113

60) تفسیر زیر تبصرہ: ص 338

61) القرآن الکریم: سورۃ الفتح: 29

62) تفسیر زیر تبصرہ: ص 744

63) القرآن الکریم: سورہ محمد: 1

64) تفسیر زیر تبصرہ: ص 733

65) القرآن الکریم: سورہ ق 27

66) تفسیر زیر تبصرہ: ص 752

67) القرآن الکریم: سورہ انشراح: 4

68) تفسیر زیر تبصرہ: ص 871

69) سیوطی: کتاب مذکور: ج 2، ص 409

70) دہلوی، شاہ ولی اللہ (م۔ 1176ھ): الفوز الکبیر، ادارہ اسلامیات، انارکلی، لاہور، 1982ء، ص 77

71) صابونی، محمد علی: التبیان فی علوم القرآن، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور س ن، ص 24

72) الجاثیہ: 14

73) تفسیر زیر تبصرہ: ص 722

74) نعیمی، غلام معین الدین: حیات صدر الافاضل، فرید بک سٹال، اردو بازار، لاہور، 1421ھ/2000ء، طبع اول، ص 50-49

75) حٰم السجدہ: 6

76) تفسیر زیر تبصرہ: ص 33

77) الزخرف:89
78) تفسیر زیر تبصرہ:ص717
79) سورۂ محمد:30
80) تفسیر زیر تبصرہ:ص37
81) حریری، غلام احمد، پروفیسر: تاریخ تفسیر و مفسرین، ملک سنز پبلشرز، فیصل آباد، فیصل آباد، ط چہارم، 1989ء، ص244
82) زبیدی: کتاب مذکور، ج4، ص541
83) محمد:33
84) تفسیر زیر تبصرہ:ص738
85) الشوریٰ:23
86) تفسیر زیر تبصرہ:ص703
87) قرطبی: تفسیر مذکور: ج1، مقدمہ، ص58-57
88) تفسیر زیر تبصرہ:ص480
89) حوالہ سابق:ص557
90) حوالہ سابق:ص320
91) صابونی، کتاب مذکور، ص219
92) تفسیر زیر تبصرہ:ص479
93) حوالہ سابق:ص341
94) حوالہ سابق:ص4
95) حوالہ سابق:ص80
96) حوالہ سابق:ص9
97) حوالہ سابق:ص875
98) حوالہ سابق:ص879
99) النجم:8
100) تفسیر زیر تبصرہ:ص760
101) البقرہ:15
102) تفسیر زیر تبصرہ:ص7
103) النحل:103
104) تفسیر زیر تبصرہ:ص404
105) الفرقان:32

106) تفسیر زیر تبصرہ: ص524
107) اظہر، ظہور احمد، ڈاکٹر، پروفیسر: حوالہ مذکور: ص485
108) قادری، عبدالحکیم شرف: حوالہ مذکور: ص308-307
109) البقرۃ: 12
110) تفسیر زیر تبصرہ: ص6
111) الشوریٰ: 30
112) تفسیر زیر تبصرہ: ص704
113) الحج: 28
114) تفسیر زیر تبصرہ: ص486-485
115) النور: 31
116) تفسیر زیر تبصرہ: ص512
117) النور: 58
118) تفسیر زیر تبصرہ: ص518
119) ق: 37
120) تفسیر زیر تبصرہ: ص752
121) المرسلات: 36
122) تفسیر زیر تبصرہ: ص846
123) الکھف: 24
124) تفسیر زیر تبصرہ: ص429
125) یوسف: 24
126) تفسیر زیر تبصرہ: ص344
127) الضحیٰ: 7
128) تفسیر زیر تبصرہ: ص870
129) مناع القطان، شیخ: مباحث فی علوم القرآن، مکتبہ محمدیہ چک R-109/7، چیچہ وطنی، ضلع ساہیوال، س ن، ص331
130) چشتی، مشتاق احمد: علم تفسیر اور مفسرین، مکتبہ مہریہ کاظمیہ، انوار العلوم، ملتان، جون 1993ء، ص37
131) البقرہ: 3
132) تفسیر زیر تبصرہ: ص4
133) الاحزاب: 30
134) تفسیر زیر تبصرہ: ص611

135) سیوطی: کتاب مذکور: ج2،ص409

136) دخان:59

137) تفسیر زیر تبصرہ:ص721

138) جاثیہ:14

139) تفسیر زیر تبصرہ:ص722

140) البقرہ:219

141) تفسیر زیر تبصرہ:ص52

142) سیوطی: کتاب مذکور: ج2،ص409

143) اکبر آبادی، سعید احمد، فہم قرآن، مولانا سعید احمد اکبر آبادی اکیڈمی، ناظم آباد، کراچی، س ن، ص39

144) صابونی: کتاب مذکور: ص219

145) البقرہ:282

146) تفسیر زیر تبصرہ:ص71

147) التوبہ:12

148) تفسیر زیر تبصرہ:ص300

149) النور:27

150) تفسیر زیر تبصرہ:ص511

151) البقرہ:132

152) تفسیر زیر تبصرہ:ص56

153) البقرہ:240

154) تفسیر زیر تبصرہ:ص58

155) البقرہ:275

156) تفسیر زیر تبصرہ:ص69

157) صابونی: کتاب مذکور: ص90

158) چشتی: کتاب مذکور: ص333

صدر الافاضل کی سیاسی بصیرت

قومی وملّی تحاریک میں صدر الافاضل

مولانا سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی اشرفی علیہ الرحمۃ کی سیاسی بصیرت اور کردار وعمل کا ایک مطالعاتی جائزہ

رشحات قلم: محمد احمد ترازی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

صدر الافاضل کا مختصر سوانحی خاکہ

صدر الافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی اشرفی علیہ الرحمۃ کی ولادت 21 صفر المظفر 1300ھ بمطابق یکم جنوری 1883ء کو مراد آباد (یوپی، بھارت) میں ہوئی۔ آٹھ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور 1902ء میں تقریباً 20 سال کی عمر میں مدرسہ امدادیہ مراد آباد سے دستار فضیلت حاصل کی۔ (1) مولانا نعیم الدین مراد آبادی، مولانا محمد گل صاحب جیسے عارف کامل، فاضل اجل اور جلیل القدر استاذ جو علوم عقلیہ ونقلیہ کے ماہر، فن حدیث اور علم التوقیت میں ید طولیٰ رکھتے تھے، کے نامور شاگرد رشید تھے۔

آپ کو علم طب میں بھی مہارت حاصل تھی اور حکیم شاہ فضل احمد امروہوی علیہ الرحمۃ

سے شرف تلمذ حاصل تھا، شاعری میں اپنے والد ماجد استاذ الشعراء مولانا معین الدین نزہت سے فیض یاب تھے اور نعیم اور منعم تخلص فرماتے تھے۔

مولانا نعیم الدین مراد آبادی حضرت شاہ سید محمد گل صاحب علیہ الرحمۃ سے سلسلہ قادریہ میں بیعت ہوئے اور خلافت حاصل کی۔ شاہ صاحب نے آپ کو حضرت شاہ علی حسین کچھوچھوی علیہ الرحمۃ کے سپرد کر دیا اور فرمایا کہ ''حضرت اس کا جو حصہ میرے پاس تھا وہ میں نے دے دیا اور جو کچھ آپ کے پاس ہے، آپ دے دیں''۔ مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ نے آپ سے استفادہ کیا اور خلافت واجازت سے سرفراز ہوئے۔ بعد میں حضرت شاہ علی حسین کچھوچھوی علیہ الرحمۃ کی اجازت سے امام اہلسنّت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ سے بھی اعزازی خلافت واجازت حاصل کی لیکن بیعت سلسلہ قادریہ اور اشرفیہ میں کرتے تھے۔ برصغیر پاک وہند کے دوسرے سلاسل حدیث میں مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ کو یہ خصوصی امتیاز بھی حاصل ہے کہ آپ کا سلسلہ (سند) حدیث براہِ راست حجاز مقدس سے مربوط ہے۔ (2)

استاذ العلماء اور صدر الافاضل کے القاب

مولانا نعیم الدین مراد آبادی تدریسی کمال کی وجہ سے ''استاذ العلماء'' کہلائے اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور برصغیر کے اکابر علماء نے اُنہیں ''صدر الافاضل'' کے خطاب سے بھی نوازا۔ صدرالافاضل نے 1910ء میں مراد آباد میں مدرسہ انجمن اہلسنّت وجماعت کی بنیاد رکھی جو 1933ء میں ''جامعہ نعیمیہ'' جیسی عظیم درسگاہ میں تبدیل ہوگیا۔ اِس مدرسہ انجمن سے فیض یاب تلامذہ ''مفتی محمد عمر نعیمی، علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، ابوالبرکات سید احمد قادری، مولانا مفتی محمد نوراللہ نعیمی (بصیر پور)، علامہ پیر محمد کرم شاہ ازہری، مفتی محمد حسین نعیمی، مفتی غلام معین الدین نعیمی، مفتی احمد یار خاں نعیمی علیہم الرحمہ وغیرہم پاک وہند میں بہت سی جامعات کے بانی، مفسر ومحدث، صاحب تصنیف اور متعدد رسائل کے بانی ومدیر بنے۔

صدر الافاضل متبحر عالم دین اور صاحب بصیرت سیاستدان بھی تھے، آپ کی

مذہب وسیاست پر گہری نظر تھی۔ دینی وملی، سیاسی وسماجی، تدریسی اور تبلیغی خدمات کے باوجود صدرالافاضل نے تقریباً دو درجن کتابیں یادگار چھوڑیں۔ امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ کے ترجمہ قرآن ''کنزالایمان'' پر بے مثال تفسیری حاشیہ بنام ''خزائن العرفان'' آپ کی مشہور یادگار ہے۔ آپ کی علمی صلاحیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت فاضل بریلوی نے ''الطاری الداری'' کے مسودے میں صدرالافاضل کی بعض ترمیمات کو قبول فرمایا اور انھوں نے صدرالافاضل کو متعدد مواقع پر اپنی جگہ نمائندگی کے لیے بھی بھیجا۔ صدرالافاضل کو تفسیر، حدیث، علم کلام، فقہ واصول، ہیئت وریاضی، نجوم، علم التوقیت وعلم الفرائض اور دیگر علوم وفنون کے علاوہ فن تقریر ومناظرہ میں بھی مہارت حاصل تھی۔ آپ اپنے وقت کی تمام اسلام مخالف قوتوں سے نبرد آزما رہے اور میدان ہمیشہ آپ کے ہاتھ رہا۔

صدرالافاضل اپنے علمی کمال، شرافت نفس، اتباع شریعت، زہدوتقویٰ، حق گوئی، جرأت وبے باکی اور دین حق کی حفاظت کے معاملے میں فقید المثال شخصیت کے مالک تھے۔ 19 ذی الحجہ 1367ھ /22 اکتوبر 1948ء کو 67 برس کی عمر میں عالم اسلام کے اس بطل جلیل نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور جامعہ نعیمیہ مرادآباد (انڈیا) کے احاطے میں واقع جامع مسجد کے بائیں پہلو میں آسودہ خاک کیا گیا۔

قومی وملّی تحریکوں میں صدرالافاضل کا مدبرانہ کردار

صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمۃ نے تحریکِ خلافت وترکِ موالات اور ہندو مسلم اتحاد کے جذباتی دور میں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے بصیرت افروز نقطۂ نظر کی بھرپور حمایت کی۔ صدرالافاضل کی اُمورِ دینیہ کے ساتھ سیاست پر بھی گہری نظر تھی، آپ نے میدانِ سیاست میں نیشنلسٹ علماء کی سازشوں کے تاروپود بکھیر کر رکھ دیے۔

ذیل میں ہم صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی کے عہد کی قومی وملی تحریکوں میں آپ کے کردار وعمل اور سیاسی بصیرت کا ایک مختصراً جائزہ پیش کررہے ہیں۔

تحریکِ خلافت اور تحریکِ ترکِ موالات کے دور میں جب کہ قائداعظم محمد علی

جناح اور ڈاکٹر محمد اقبال نے بھی خاموشی اختیار کر لی تھی، فاضل بریلوی اور آپ کے خلفاء اسلامی غیرت وحمیت کے بے مثال جوش وجذبے کے ساتھ منظر عام پر آئے۔ اِس مرحلے پر انہوں نے اپنی جان ومال اور عزت وآبرو کی بھی پروا نہیں کی، پروفیسر مسعود احمد لکھتے ہیں:

> ''وہ (فاضل بریلوی) بستر علالت پر پڑے تھے اور تہمت خلق کے بادل چاروں طرف منڈلا رہے تھے۔ انہوں نے اور اُن کے بعض خلفاء وتلامذہ نے جس مومنانہ فراست کا ثبوت دیا وہ اب چاند کی طرح چمکتی ہوئی نظر آتی ہے، مگر اُس وقت جذبات کی آندھیوں نے دمکتے چہرے چھپادیئے تھے۔''(3) فاضل بریلوی کے اُن بعض معاصرین اور خلفاء میں صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادیؒ سرفہرست تھے، جن کی سرپرستی میں ماہنامہ ''السوادالاعظم'' (جو ء 1919ء میں مرادآباد سے جاری ہوا تھا) نے بہت متحرک اور فعال کردار ادا کیا۔ السوادالاعظم کے اجراء کا مقصد ہی یہی تھا کہ مسلمانوں کی عظمت رفتہ کو واپس لایا جائے، ملی وحدت کو قائم کیا جائے اور اخلاق اور طرز معاشرت کی اصلاح کی جائے۔ اِس مقصد کا اظہار ماہنامہ ''السواد اعظم'' کی لوح پر درج اِس جملے سے بھی ہوتا ہے۔
>
> ''حمایت مذہب، اصلاح معاشرت، تہذیب اخلاق کے لیے شائع ہوتا ہے۔''(4)

ماہنامہ ''السوادالاعظم'' کے شمارے بتاتے ہیں کہ اِس رسالے کے سرپرست اعلیٰ صدر الافاضل اور مدیر تاج العلماء مولانا محمد عمر نعیمی ایسی بے مثال سیاسی بصیرت کے حامل تھے، جو اُن کے معاصر مسلم قائدین میں ناپید تھی۔ اِن اکابرین نے ماضی کی روشنی میں حال کو پرکھا اور مسلمانوں کے روشن مستقبل کے امکانات کا جائزہ لیا۔ حضرت صدر الافاضل اور آپ کے رفقاء مسلمانوں کے عروج وزوال اور ہندوستان میں اُن کی غفلت وبے حسی کا شدید احساس رکھتے تھے۔ درج ذیل تحریر اُن کے اِسی احساس کی عکاسی کرتی ہے:

”آج کل وہ ترقی کا زمانہ ہے کہ ہر فرقہ، ہر گروہ، ہر مذہب ترقی کے میدان میں نعرے بلند کر رہا ہے، ہر ایک کے یہاں آل انڈیا کانفرنس قائم ہو رہی ہے، ہر ایک بہبودی اور اشاعت کے ذرائع سوچتا ہے اور عمل میں لاتا ہے، کبھی آریوں کا گروکل ملاحظہ فرمایئے، کس جوش سے انہوں نے اس میں شرکت کی، اپنی جان ومال، اولاد وآبرو، سب اس پر نثار کردیے اور اسی کو اپنے لیے سب کچھ سمجھ لیا، غرض ہر ایک اپنی کوشش میں سرگرم ہے، مگر افسوس کہ اہلسنّت کی آرام وراحت والی رات ابھی ختم نہیں ہوئی، اُن کی صبح ابھی نہیں چمکی، اُن کی قسمت کا ستارہ اب تک اَوج پر نہیں آیا، یہ آج تک اسی غفلت میں ہیں۔“ (5)

علماءِ کرام کی عملی سیاست سے دوری کا نقصان

تحریر گواہ ہے کہ آپ نے برصغیر کے مسلمانوں کو جھنجھوڑنے، جگانے اور انہیں وقت کا تقاضا سمجھانے کی پوری کوشش کی۔ عیسائیت کا نظریہ ہے کہ ”کلیسا کو کلیسا کا حق دو اور قیصر کو قیصر کا“ آج عیسائیت کا یہ اصول ہمارے یہاں بھی لاگو کردیا گیا ہے، جس کی وجہ سے دین سے بے زار ایک مخصوص طبقہ فکر کے لوگ علماء کو سیاست میں آنے کا حق دینے کو تیار نہیں ہیں، ان لوگوں کے نزدیک علماء کا سیاست میں کوئی کام نہیں جبکہ اسلام میں سیاست دین کا ایک شعبہ اور لازمی جزو ہے، اُس دور میں بھی یہی پروپیگنڈا شدومد کے ساتھ کیا گیا کہ علماء کا سیاست میں کوئی کام نہیں، وہ صرف دین کا کام کریں اور سیاسی لوگوں کو سیاسی کام کرنے دیں۔

صدرالافاضل علیہ الرحمۃ نے السواد الاعظم کے شماروں میں اس باطل نظریئے کا سختی سے رد کرتے ہوئے لکھا:

”طبقہ علماء کی نسبت تو انہوں نے مشہور کر رکھا ہے کہ یہ سیاسیات سے محض نابلد ہیں اور ان کو نظم ونسق کے کسی کام میں دخل دینا بھی نہ چاہیے، یہ بھی اس جذبہ حرص وآز اور شوقِ جاہ

کا ایک چٹکلا ہے کہ علم وفضل والا طبقہ اگر اِس طرف متوجہ ہوگیا تو بہت سی نشستیں لے جائے گا اور یارلوگوں کے لیے کرسیاں کم رہ جائیں گی۔ طبقہ علماء جو علمی دقائق کو حل کرنے میں مشاق ہے اور جس کا دماغ بہترین معلومات سے روشن ہورہا ہے اگروہ دنیوی انتظام کی طرف اپنی توجہ منعطف کرے تو بے کوفت وکلفت اُن سے بدرجہا بہتر کام انجام دے سکتا ہے، مگر یہ طبقہ انکسار، تواضع، ایثار کا عادی ہے، خودنمائی اور جاہ طلبی سے متنفر ہے اس لیے کبھی اس میدان میں قدم نہیں رکھتا۔'' (6)

یہی وجہ تھی کہ اکابرین اہلسنت نے عملی سیاست سے اپنے آپ کو دور رکھتے ہوئے اُن قوتوں کی تائید وحمایت اور بھرپور مدد کی جنھوں نے قومی وملّی جدوجہد میں دینی وشرعی اصولوں کو ترجیح دی، صدرالافاضل خود تحریر کرتے ہیں کہ:

> ''ہم نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر آنا علماء کے لیے پسند نہیں کیا۔ لیکن ہم نے مسلم لیگ کے مخالفین کا بڑی شدت سے مقابلہ کیا اور اس کا مقصد مسلم لیگ کو ممنون کرنا ہرگز نہیں تھا، کیونکہ ہم نے اپنا کردار ہمیشہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ادا کیا ہے۔'' (7)

1919ء میں جب تحریک خلافت کا آغاز ہوا تو اُس کے ساتھ دو تحریکیں اور شروع ہوئیں، ایک تحریک ترکِ موالات، دوسری تحریک ہندو مسلم اتحاد۔ اُس وقت بعض سنّی علماء اخلاص اور نیک نیتی کی بنیاد پر اِن تحریکوں میں شامل ہوئے، مگر ان حالات میں آپ نے غیروں کا حاشیہ بردار بننے کے بجائے مسلمانوں میں سیاسی شعور کی بیداری میں حصہ لیا اور تحریک خلافت کا حصہ بننے والے سنّی علماء کو سمجھانے کی بھی کوشش کی، درحقیقت صدرالافاضل علیہ الرحمۃ کی نگاہِ بصیرت نے تحریک کی ابتداء ہی میں بھانپ لیا تھا کہ اس تحریک کا نتیجہ دھوکے اور فریب کے سوا اور کچھ نہیں۔ آپ ہندو بنیے کے مخفی عزائم سے باخبر تھے اور جانتے تھے کہ اس طرح ہندو غالب آجائیں گے۔

چنانچہ صدرالافاضل کی سرپرستی میں ماہنامہ السواد الاعظم نے اِن تحریکوں کی خلافِ شرع روش کا محاسبہ کرتے ہوئے مجاہدانہ کردار ادا کیا، حالانکہ تحریک خلافت کا زمانہ وہ

زمانہ تھا جب عوام کی عقل وخرد کی ڈوریں ابن الوقت اور موقع پرست لیڈروں کے ہاتھوں میں تھیں اور عوام سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہو چکے تھے، ایک طرف بے تیغ وتفنگ جہاد کی تیاریاں جاری تھیں تو دوسری جانب رقص وسرود اور کھیل تماشوں کی محفلیں سجی ہوئی تھیں، یہ دوعملی تحریکی مقاصد کے لیے زہر قاتل تھی، یہی وجہ تھی کہ قول وفعل کے اس تضاد سے دردمندانِ قوم مضطرب و بے چین تھے، اس صورتحال پر صدرالافاضل علیہ الرحمۃ کا اٹھایا ہوا سوال، بہت اہمیت کا حامل ہے، آپ پوچھتے ہیں ”کیا انہیں کے قلوب میں سلطنت اسلامیہ کا درد ہے؟ یہی بے چین ومضطرب ہیں۔“ (8)

مقصد یہ تھا کہ علمائے اہلسنت بھی اس صورتحال میں اسی کیفیت اور تکلیف سے دوچار ہیں مگر اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ خلافت عثمانیہ کی حفاظت وبحالی کے لیے احکام شرعیہ کو پس پشت ڈال دیا جائے اور تحریک کی باگ دوڑ وقیادت اور برصغیر کے مسلمانوں کے مستقبل کا فیصلہ گاندھی جیسے متعصب ہندو کے ہاتھوں میں سونپ دیا جائے، چنانچہ اس نازک موقع پر جب علماء اہلسنت بالخصوص فاضل بریلوی اور صدرالافاضل نے ہندوؤں کے مخفی عزائم کی طرف توجہ دلائی اور مسلمانوں کو اُن کے مکروفریب سے باخبر کیا تو مخالفین نے ان کے خلاف ہمہ گیر تحریک چلائی اور مشہور کردیا گیا کہ علماء کا یہ گروہ انگریز کا تنخواہ دار اور حمایتی ہے۔

ماہنامہ السوادالاعظم اور اسلامی صحافت

السوادالاعظم نے دروغ گوئی پر مبنی ان الزامات کی سختی سے تردید کرتے ہوئے لکھا کہ:

> ”وہ کون سی بات ہے جس کی وجہ سے علمائے اسلام گورنمنٹ کے تنخواہ دار سمجھے گئے۔؟ کیا شعائر اسلام کے مٹنے سے راضی نہ ہونا، مسلمانوں کو مراسم شرک میں مبتلا ہونے سے روکنا۔ حقیقۃ الامر یہ ہے کہ خود غرض خوب جانتے ہیں کہ علماء کج روی اور بے راہی کی کبھی حمایت نہیں کرسکتے اس لیے وہ اپنی اغراض کو پورا کرنے کے لیے عوام کو علماء سے بدظن کرنا ضرور تصور کرتے ہیں۔ جب علماء کی آواز عوام تک نہ پہنچے

اور اُن کو سرکاری آدمی سمجھ کر کوئی اُن کی بات کان لگا کر نہ سنے تو پھر گاندھی اور لیڈروں کا جادو چل جانا کیا مشکل ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے شعائرِ مذہب سے بیگانہ اور ہندوؤں میں جذب ہوتے چلے جاتے ہیں۔"(9)

السواد الاعظم ان اسلام دشمنوں کے تمام سیاسی حربوں کا ذکر کرتے کے بعد اس سازش کو بے نقاب کرتے ہوئے مسلمانانِ ہند کو خبردار کرتا ہے کہ:

"مسلمانو ہوشیار! دولت اسلام کی نگہبانی کرو، اپنے دین وملت کو بچاؤ، اپنی ہستی اپنے ہاتھوں فنا نہ کرو۔ یاربّ مسلمانوں پر کرم فرما، اے تاجدارِ عربی ﷺ اُمت کی بے کسی پر نظر کرم فرمایئے، اللہ کرے کہ ہمارے لیڈران دردآشنائے مذہب ہوں اور شریعت طاہرہ کے حریم وحدود کی عزت وتوقیر اور صیانت وحفاظت اپنی سعادت سمجھیں۔"(10)

دراصل صدرالافاضل نے اس تحریک کی ظاہری شکل وصورت، چمک دمک اور گاندھی کی چالاکیوں کے پس پردہ مقاصد کو دیکھ کر روحانیت اور مومنانہ فراست سے جو نتیجہ اخذ کیا، وقت نے اُسے صحیح ثابت کر دکھایا، خود برصغیر کے مسلمانوں نے بھی دیکھ لیا کہ خلافت کمیٹی گاندھی کی اسیر اور کانگریس کی منافقانہ چالوں کا شکار ہو کر ہندوؤں کی قصیدہ خواں بن گئی اور اُس کا تمام تر سرمایہ جو مسلمانوں کے گاڑھے خون پسینے کی کمائی تھی، کانگریس کے استحکام، ترویج وترقی اور اشاعت پر خرچ ہوا۔

ذیل میں "حیات صدرالافاضل" کا اقتباس آپ کی اسی معاملہ فہمی اور دور بینی کا اظہار ہے:

"دیکھو میں نہ کہتا تھا کہ ہندوؤں پر بھروسا کرنا کسی وقت بھی صحیح نہ تھا، فرمان حق، حق نکلا، کفار سے مسلمانوں کی فلاح وبہبود کی توقع رکھنا سخت نادانی اور عاقبت نااندیشی ہے"۔

اُمرِ واقعہ یہ ہے کہ فاضل بریلوی، آپ کے خلفاء اور بالخصوص صدرالافاضل کو تحریک خلافت کے مقاصد سے نہیں بلکہ اُس کے طریقہ کار سے شدید اختلاف تھا، کیونکہ

سیاست جدیدہ میں صرف مقاصد پر نظر ہوتی ہے، ذرائع کو اہمیت نہیں دی جاتی، مگر اسلام نے سیاست کا جو معیار مقرر کیا ہے اُس میں مقاصد اور ذرائع دونوں اپنی اپنی جگہ اہمیت کے حامل ہیں اور دونوں کا ہی محاسبہ کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ فاضل بریلوی اور صدرالافاضل نے تحریک خلافت کے کے لیے اختیار کیے گئے ذرائع پر سخت تنقید اور اعتراض کیا، اگر ایمانداری اور دینی غیرت وحمیت کی روشنی میں اِن اعتراضات کا جائزہ لیا جاتا اور اصلاح احوال کی کوشش کی جاتی تو عین ممکن تھا کہ تحریک خلافت اپنے مقاصد کے حصول میں کسی حد تک کامیاب ہوجاتی، مگر افسوس کہ ایسا نہیں کیا گیا، بلکہ جن لوگوں نے اصلاح احوال کی جانب توجہ دلائی، حاسدین نے الٹا انہیں ہی موردِ الزام ٹھہراتے ہوئے مسلمانوں کا دشمن، انگریزوں کا ایجنٹ اور تحریک خلافت کا مخالف قرار دے دیا لیکن فاضل بریلوی، ان کے صاحبزادگان، خلفاء اور بالخصوص صدرالافاضل نے مخالفت کے اِس سیلاب بلا کا نہایت ہی عزم، حوصلے اور استقامت سے مقابلہ کیا اور مسلمانانِ ہند کو دین اسلام کی حقیقی راہ پر گامزن رکھنے کی پوری کوشش کی۔

تحریک خلافت کے ساتھ ہی 1920ء میں جب گاندھی نے ''تحریک ترک موالات'' کا آغاز کیا تو مسلمان جوق در جوق اس تحریک میں شامل ہونے لگے، اِس موقع پر صدرالافاضل نے ہندو بنیے کی فطرت اور عزائم کی نقاب کشائی کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

> ''ہندو نادان نہیں، اُن کی کوئی حرکت مکر سے خالی اور بے کار نہیں، وہ ہر کام کے لیے کوئی مقصد رکھتے ہیں، اُن کا ہر عمل اِسی مقصد کے محور پر گردش کرتا ہے، جب تم نے انہیں پیشوا بنایا تو وہ اپنے مقصد کو مقدم رکھیں گے۔''

آپ آگے چل کے فرماتے ہیں:

> ''میں صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ ترک تعاون کا خیال مسٹر گاندھی کے دماغ میں مدت دراز سے مرکوز ہے، اُن کے کارنامہ زندگی سے اس کے دلائل ملیں گے لیکن وہ اپنے اِس مقصد میں اپنی خواہش کے

موافق کامیابی سے محروم رہے ہیں۔'' (11)

اَمر واقعہ یہ تھا کہ صدر الافاضل کو تحریک خلافت سے کوئی اختلاف نہ تھا، اختلاف تھا تو مسٹر گاندھی کی قیادت سے، کیونکہ تحریک خلافت اور گاندھی کی قیادت دو متضاد چیزیں تھیں۔ پھر تحریک ترکِ موالات سے مسلمانوں کو فوائد کے بجائے جو نقصانات متوقع تھے، اُس کے پیش نظر صدر الافاضل کو اِس تحریک سے اختلاف تھا۔

چنانچہ آپ نے ترکِ موالات کے موضوع پر ایک فاضلانہ اور محققانہ مقالہ لکھا، جو السواد الاعظم، ربیع الاوّل 1339ھ اور جمادی الاوّل 1339ھ کے شماروں میں 41 صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔

ترکِ موالات سے متعلق ایک دوسرے مقالے میں صدر الافاضل کفار و مشرکین سے محبت و دوستی کے رشتے کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''مجازی اور معمولی محبتوں میں محبوب کے دشمنوں کے ساتھ قلب کو نفرت ہو جاتی ہے اور دوست کا ادنیٰ مخالف دشمن سے بدتر معلوم ہوتا ہے، حتیٰ یہ کہ قرابتوں کے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں تو کس طرح ممکن ہے کہ عشقِ الٰہی کی دولت سے مالا مال ہو کر کوئی دل کفار کی طرف مائل ہو سکے اور باوجود ایمان کے دل میں محبت کفار کی گنجائش رہے۔'' (12)

اِسی زمانے میں تحریک ترکِ موالات کے نتیجے میں ہندو مسلم اتحاد کی تحریک بڑی شدت سے شروع ہوئی، علماء کرام نے اس مسئلے کے حق اور مخالفت میں بہت کچھ لکھا، لیکن بحیثیت مجموعی اکابر علمائے اہلسنت وجماعت بالخصوص فاضل بریلوی اور صدر الافاضل نے مذہبی بنیادوں پر اِس اتحاد سے اختلاف کیا، جبکہ سیاسی لحاظ سے بھی اِس اتحاد میں مسلمانان ہند کا نقصان عظیم تھا۔ اِس صورتحال پر صدر الافاضل کا بصیرت افروز تبصرہ ملاحظہ فرمایئے:

''ہندو امام بنے ہوئے آگے آگے ہیں اور مسلمان آمین کہنے والے کی طرح اُن کی ہر صدا کے ساتھ موافقت کر رہے ہیں، پہلے گاندھی کا حکم ہوتا ہے، اُس کے پیچھے مولوی عبد الباری کا فتویٰ مقلد کی طرح سرِ نیاز خم کرتا چلا آتا ہے۔ پہلے تو ہندوؤں نے سود کے پھندوں میں مسلمانوں کی دولتیں اور جاگیریں لے لیں، اب وہ مفلس ہو گئے اور کچھ پاس

نہ رہا تو مقامات مقدسہ اور سلطنت اسلامیہ کی حمایت کی آڑ میں مذہب سے بھی بے دخل کرنا شروع کر دیا۔''(13)

لیکن فاضل بریلوی اور صدرالافاضل علیہما الرحمۃ کے بروقت متنبہ کرنے کے باوجود مسلمانوں کی عاقبت نا اندیشی نے جو گل کھلائے اُس کا نقشہ کھینچتے ہوئے صدرالافاضل لکھتے ہیں:

''کہیں ہندوؤں کی خاطر قربانی اور گائے ذبیحہ ترک کرنے کی تجاویز پاس ہوتی ہیں، اُن پر عمل کرنے کی صورتیں سوچی جاتی ہیں، اسلامی شعائر مٹانے کی کوششیں عمل میں لائی جاتی ہیں، کہیں پیشانی پر قشقہ کھینچ کر کفر کا شعار نمایاں کیا جاتا ہے، کہیں بتوں پر پھول اور ریوڑیاں چڑھا کر توحید کی دولت برباد کی جاتی ہے۔''(14)

دراصل صدرالافاضل ہندوؤں کی فطرت اور ریشہ دوانیوں سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ برصغیر کے مسلمان ہندوؤں کے ساتھ مل کر نہ تو پرسکون زندگی گزار سکتے ہیں، نہ ہی اپنے تہذیب وتمدن اور مذہب وثقافت کا تحفظ ودفاع کر سکتے ہیں۔

چنانچہ تحریک خلافت اور ترک موالات کے جذباتی دور میں صدرالافاضل نے اپنی تحریر وتقریر کے ذریعے مسلمانوں تک دین کا سچا پیغام پہنچانے کی پوری کوشش کی، اس کے ساتھ ہی جمعیت علماء ہند کو ہندو مسلم اتحاد کے مضرات اور خطرات سے بھی آگاہ کرتے ہوئے مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ ہونے سے روکنے کی سعی بلیغ فرمائی۔

ماہنامہ السواد الاعظم کے بنیادی اغراض ومقاصد

حقیقت یہ ہے کہ ماہنامہ السواد الاعظم نے اپنے اجرائی مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے صدرالافاضل کی سرپرستی میں ان تحاریک کے دوران مثبت کردار ادا کیا، حالانکہ اُس زمانے کے بہت سے اخبار ورسائل ایسے بھی تھے جو قوم پرستوں کے اغراض ومقاصد کی تکمیل میں مصروف تھے، انہیں اسلام اور مسلمانوں سے من حیث القوم کوئی سروکار نہیں تھا، ایسے اخبارات کی موجودگی میں اسلام کی حمیت اور مسلمانوں میں اتحاد ویکجہتی کا پیدا کرنا

بہت کٹھن اور دشوار کام تھا، مگر السواد الاعظم کے جملہ وابستگان اپنے دینی وملّی فرضِ منصبی سے آگاہ تھے۔ انہوں نے صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کی سرپرستی اور تاج العلماء مولانا محمد عمر نعیمی علیہ الرحمۃ کی ادارت میں یہ فریضہ نہایت ہی خوش اسلوبی سے انجام دیا۔

یہ درست ہے کہ قومی وملّی ترقی کے لیے اپنی سیاسی، سماجی اور معاشرتی روایات کا تحفظ ضروری ہے، آزادی کے لیے لازمی ہے کہ معاشرے کے ہر فرد کے اندر اِن عوامل کا احساس موجزن ہو۔ السواد الاعظم نے برصغیر کے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے جگایا اور اُن میں سیاسی، سماجی اور اپنے معاشرتی اقدار کے تحفظ کا شعور پیدا کیا۔ صدر الافاضل کی سرپرستی میں ربع صدی تک جاری رہنے والا یہ رسالہ نہایت جرأت اور راست فکری کے ساتھ مسلمانوں کے حقوق اور اُن کی اقدارِ ملّی کی حفاظت کے لیے مصروفِ جہاد رہا، جبکہ اِس دوران بہت سے علماء اور سیاسی لیڈر جادۂ حق سے ہٹتے اور بھٹکتے رہے، لیکن یہ پرچہ مسلم قوم کے لیے ہمیشہ روشنی کی کرن ثابت ہوا۔

السواد الاعظم نے برصغیر میں اسلامی صحافت کو فروغ دیا اور انگریز کے زیرِ اثر وجود پانے والے لادینی نظریات کا دنداں شکن جواب دیا۔ اِس مجلے نے مذہبی وسیاسی میدانوں میں نے مسلمانانِ ہند کی بھرپور رہبری و رہنمائی کی اور اسلام کی نشاۃِ ثانیہ اور مسلمانوں کی وحدتِ ملّی کے لیے جس ہمہ گیر تحریک کا آغاز کیا، اُس میں وہ کامیاب وکامران رہا، جو صدر الافاضل کی بصیرت افروز، ہمہ جہت اور کرشمہ ساز شخصیت کا کمال تھا۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کا وجودِ مسعود اور آپ کی قائم کردہ درسگاہ ''منظر الاسلام'' بریلی میں اسلام کا قدیم ومضبوط قلعہ اور دینی وعصری تعلیم کا عظیم مرکز ہونے کے ساتھ سلوک وتصوف کا منبع وسرچشمہ ہے۔ اعلیٰ حضرت اور آپ کے ادارے نے خلوص وللّٰہیت کے ساتھ نام سے زیادہ کام پر اپنی توجہات مرکوز رکھیں اور سادگی وقناعت پسندی اور استغنائی شان کو حرزِ جان بناتے ہوئے دینی ودنیاوی، تعلیمی واخلاقی، روحانی ودعوتی اور تبلیغی میدانوں میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔

دارالعلوم منظر الاسلام اور اِس ادارے سے وابستہ فاضل علماء نے اُس دور میں باطل تحریکات کا مقابلہ بے سروسامانی کے عالم میں کیا۔ برصغیر پاک و ہند میں جب کفر وارتداد کی آندھیوں نے زور پکڑا، نت نئی سازشوں نے خطرناک شکلیں اختیار کریں، شدھی، سنگھٹن اور آریہ سماج نامی تحریکوں نے اپنے تمام دروازے وا کر دیے اور اُن علاقوں کا انتخاب کیا جہاں مسلمان دینی احکام سے بالعموم نابلد اور ہندوانہ مراسم کے پابند تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے آباؤ اجداد نے ماضی قریب میں اسلام قبول کیا مگر تعلیم کی کمی اور دینی ماحول سے دوری کی وجہ سے نہ تو پورے طور پر شریعت اسلامیہ کے احکام واعمال سے واقف ہو سکے، نہ ہی ہندوانہ عادت واطوار کو مکمل طور پر ترک کر سکے۔ شدھی تحریک نے اِن لوگوں کو دعوت دی کہ تمہارے باپ دادا کا پرانا مذہب ہندو دھرم تھا، تم اسلام میں داخل ہو کر ملیچھ اور ناپاک ہو گئے ہو، لہٰذا اب پھر اپنے پرانے دھرم میں لوٹ کر شدھ اور پاک وصاف ہو جاؤ، یہ نسخہ کارگر ثابت ہوا، شدھی تحریک کا یہ جادو بہت سی مسلم آبادیوں پر چل گیا اور مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت کفر وارتداد کی راہوں پر چل نکلی۔

اِس طوفان بلاخیز کا مقابلہ کرنے والی کوئی مسلم تنظیم موجود نہیں تھی، یہ وہ زمانہ تھا جب اسلام دشمنوں کی سرگرمیوں نے مسلمانوں کی ایذارسانی میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا، اگر ایک طرف عیسائیت کا بڑھتا ہوا سیلاب اور شدھی و سنگھٹن وغیرہ کی فتنہ خیز آندھی تھی تو دوسری جانب وہابیت، مرزائیت اور شیعیت سمیت دیگر باطل پرستوں کا شر انگیز سیلاب تھا۔ مخالفین اسلام کھلم کھلا برصغیر سے اسلام کو مٹانے کے لیے اپنی بے دریغ قوت صرف کر رہے تھے، دوسری طرف مسلمانوں کے قومی لیڈر، دینی رہنماء، علماء وخطباء اور اہل قلم خاموش تماشائی بنے ہوئے تھے۔ چنانچہ اِن حالات میں 17 دسمبر 1920ء کو بریلی میں ”جماعت رضائے مصطفیٰ“ کے نام سے ایک کل ہند تحریک کی بنیاد رکھی گئی۔ (15)

جس کا اوّلین مقصد ”حتی الوسع مخالفین کے حملوں کی تحریراً وتقریراً، ہر طرح مدافعت کرنا اور اُن کے افتراء اور بہتانوں کی جن سے سادہ لوح مسلمانوں کو علمائے اہل سنت سے بدعقیدہ کرتے ہیں، اُن کی پردہ دری کرنا“ تھا۔ (16)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اس جماعت کے بانی و سرپرست اعلیٰ تھے، جبکہ عمومی سرپرستی میں دیگر علماء ومشائخ کے ساتھ صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی بھی شامل تھے۔(17)

اعلیٰ حضرت جب تک حیات رہے باطل مذعومات کا ردِ تبلیغ اور جماعت کی سرپرستی فرماتے رہے۔آپ علیہ الرحمۃ کے بعد حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں اِس جماعت کے سرپرست اعلیٰ مقرر ہوئے۔(18)

جماعت رضائے مصطفیٰ کے اغراض ومقاصد نے جماعت کو بہت مختصر مدت میں بام عروج پر پہنچادیا اور مسلمانان ہند کے اس پلیٹ فارم نے برصغیر کے مسلمانوں کی دینی و قومی اور ملی ضرورتوں کو کما حقہ پورا کیا۔کام کو احسن طریقے سے انجام دینے کے لیے جماعت نے پانچ شعبہ جات قائم کئے،جن میں شعبہ اشاعت کتب،شعبہ تبلیغ وارشاد،شعبہ صحافت، شعبہ سیاست اور دارالافتاء شامل تھے، ہر شعبے کے لیے باقاعدہ عملہ متعین کیا گیا۔(19)

شعبہ اشاعت کتب کے بعد شعبہ تبلیغ وارشاد جماعت رضائے مصطفیٰ کا دوسرا اہم شعبہ تھا،جس کے تحت کفر ارتداد کے ہلاکت خیز پنجوں کی گرفت میں آنے والے شہر، دیہات اور بستیوں کی جانب علماء ، مبلغین اور مقررین روانہ کئے،لوگوں کو دین اسلام کی دعوت دی،توبہ کرائی اور دوبارہ اسلام میں داخل کیا۔جماعت نے باطل فرقوں کے رد کے لیے مناظر بھیجے،جن میں صدرالافاضل بھی شامل تھے،اُن مبلغین کی جدوجہد سے ہزاروں مرتد دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے اور موقر علماء وعمائدین نے بے سروسامانی کے باوجود ایمان و استقامت کے ساتھ یہ معرکہ سر کیا۔

شعبہ تبلیغ وارشاد کی طرح شعبہ سیاست بھی جماعت رضائے مصطفیٰ کا اہم ترین شعبہ تھا، جو مذہبی تناظر میں سیاست کو مدنظر رکھتا تھا۔اس شعبے کے قیام کا مقصد سیاسی میدان میں اپنا جھنڈا لہرانا نہیں، بلکہ سیاست کے نام پر مذہب کی بیخ کنی کرنے والی نت نئی باطل تحریکات کا تعاقب کرنا اور اسلام اور اہل اسلام کے استحصال کو روکنا تھا۔چنانچہ شعبہ سیاست سے وابستہ علماء وعمائدین بالخصوص صدرالافاضل علیہ الرحمۃ نے ہندوستانی سیاست کے

میدان میں خود عملی قدم نہیں رکھا، ہاں یہ ضرور ہے کہ خلافت کمیٹی، ترک موالات، تحریک گاؤ کشی اور ہندو مسلم اتحاد جیسی اسلام اور مسلمان دشمن تحریکوں کا رد وبلیغ کر کے اعلائے کلمۃ الحق کا فریضہ انجام دیا۔

''تحریک ترکِ ذبیحہ گاؤ''

صدرالافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی نے جماعت رضائے مصطفیٰ کے زیر انتظام دیگر شعبوں کے ساتھ بالخصوص شعبہ تبلیغ وارشاد اور شعبہ سیاست میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ہندوستان میں گائے کی قربانی ایک پرانا مسئلہ تھا، جس پر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے دور میں ''تحریک ترک ذبیحہ گاؤ'' چل چکی تھی، فاضل بریلوی اس کے اثرات ومضمرات ''انفس الفکر فی قربان البقر'' میں واضح کرتے ہوئے صاف طور پر تحریر کر چکے تھے کہ ''یہ شعائر اسلامی پر حملہ ہے، ایسی صورت میں قربانی واجب ہے''۔

جب ذبیحہ گاؤ کے انسداد کے لیے سی پی کونسل نے قانون مرتب کیا، جو 3 جون 1922ء کے سی پی گزٹ میں شائع ہوا، تو جبل پور کے مسلمانوں نے اس قانون کے خلاف اپنے قدیمی حق کی حفاظت کے لیے گورنمنٹ سے اپیل کی۔ جماعت رضائے مصطفیٰ نے اس صورتحال پر فوری ایکشن لیا اور سی پی گزٹ کے مطالعے کے بعد 22 اور 23 جولائی 1922ء کو بریلی میں ایک جلسہ عام منعقد کیا، جس میں اندورن وبیرون شہر سے جید علماء ومشائخ نے شرکت کی۔ صدرالافاضل نے بھی اس جلسہ عام سے خطاب میں اغراض ومقاصد کو واضح کیا اور حاضرین جلسہ پر نام نہاد مسلمان لیڈروں کی ہندو نوازی کی قلعی کھولتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

''کس طرح لیڈران قوم ہمارے پشتینی دشمنوں کو ہم پر غلبہ وتسلط دلا رہے ہیں۔'' (20)

دوسرے دن کی نشست میں صدرالافاضلؒ نے حاضرین کی توجہ توہین رسالت پر مبنی اُس خاکے کی طرف دلوائی جسے ہندو اخبارات نے شائع کیا تھا، اس قبیح حرکت پر آپ نے سخت اظہار نفرت ولعنت کیا اور کہا ''ان ہندو پرست لیڈران قوم کی ہندو پرستی سے انہیں

یہ جرأت پیدا ہوئی۔'' (21)

حضرت صدرالافاضل کا یہ تجزیہ مبنی برحق تھا، اگر مولانا عبدالباری فرنگی محلی جیسے لوگ ہندوؤں کی کاسہ لیسی اور طرف داری میں ''ترکِ ذبیحہ گاؤ'' کا فتویٰ نہ دیتے تو یہ صورتحال پیدا نہ ہوتی۔ اس جلسہ عام میں جماعت رضائے مصطفیٰ کے قائدین نے قرآن وسنت کے مطابق اپنا موقف پیش کیا اور انگریز گورنمنٹ پر واضح کردیا کہ مسلمان اسلامی تعلیمات کے خلاف اِس قانون کو کسی صورت قبول نہیں کریں گے۔

ہندوؤں کی اسلام مخالف تحریکیں

1919ء اور 1920ء کے زمانے میں گاندھی نے ہندو مسلم اتحاد کا نعرہ لگایا، اُس وقت مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا عبدالماجد بدایونی اور مولانا ظفر علی خان جیسے لوگ گاندھی کے ہم نوا وہم خیال بن گئے، ان لوگوں نے اسلامی اصولوں کو گاندھی کے چرنوں پر قربان کردیا تھا، ہر طرف ہندو مسلم اتحاد کے نہ صرف نعرے لگ رہے تھے، بلکہ مسلمان ہندوانہ طور طریقوں کو فخریہ اپنا بھی رہے تھے۔

اِن حالات میں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ اور اُن کی سرکردہ جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی) سے وابستہ علماء مولانا حامد رضا خاں، مولانا حشمت علی خاں، مفتی امجد علی صاحب، مولانا ظفرالدین بہاری اور صدرالافاضل سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہم) اِس نمائشی اتحاد کی فریب کاری کا پردہ چاک کررہی تھی اور شریعتِ مطہرہ کے دلائل و براہین کی روشنی میں مسلمانانِ ہند کی رہنمائی کررہی تھی۔ (22)

تاریخ گواہ ہے کہ ہندوؤں کے دل میں مسلمانوں کے خلاف جو نفرت کارفرما ہے وہ کبھی کسی دور میں بھی کم نہیں ہوئی، بلکہ جب بھی انہیں موقع ملا مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی (اور آج بھی بھارت پاکستان کو نقصان پہنچانے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑتا) حالانکہ برطانوی سامراج کیخلاف تحریک میں بہت سے مسلم رہنماؤں نے کانگریس کا ساتھ دیا تھا، بہت سے علماء ہندوؤں کی خوشنودی کے لیے مندروں میں گئے، مسلمانوں

نے ماتھے پر تلک لگائے، مگر مکاری اور دھوکا چانکیہ سیاست کی بنیاد اوّل ہے۔ مسلمانوں کی رواداری اور کمال فیاضی کے باوجود انہیں شدھی اور سنگھٹن جیسی تحریکوں کا سامنا کرنا پڑا، اِن تحریکوں کا مقصد صرف یہ تھا کہ ہندوستان ہندوؤں کا ملک ہے اور یہاں کسی دوسرے مذہب کے ماننے والوں کو رہنے کا حق نہیں ہے، اب جن لوگوں کے آباء واجداد نے اسلام قبول کیا ہے وہ واپس ہندو ہو جائیں، یا پھر ہندوستان چھوڑ دیں۔

چنانچہ 1920ء میں متعصب ہندو سوامی دیا نند اسر سوتی اور اُس کے شاگرد سوامی شردھانند کی جانب سے شروع کی گئی ''شدھی'' تحریک کا مقصد بھی یہی تھا کہ غیر ہندوؤں بالخصوص مسلمانوں کو جبری طور پر اپنا مذہب تبدیل کر کے ہندومت میں داخل کیا جائے اور مسلمانوں کو مرتد بنا کر اسلام کو ختم کر دیا جائے۔

چنانچہ شدھی تحریک کی مدافعت کے لیے مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی نے نمایاں کردار ادا کیا اور تبلیغ اسلام کے لیے المورہ، نینی تال اور ہلدوانی وغیرہ جیسے پہاڑی علاقوں سے لے کر برصغیر کے چپے چپے کا دورہ کیا۔ جب مہا سبھائیوں نے پہلی بار یوپی اور دیگر صوبہ جاتِ ہند میں شدھی کا جال پھیلانا شروع کیا تو صدر الافاضل نے مرکز روحانیت بریلی کی سرپرستی میں آل انڈیا جماعت رضائے مصطفیٰ کی زیر اہتمام ہر جگہ شدھی تحریک کا تعاقب کیا، 27 جنوری 1923ء کو مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خان نوریؒ کی قیادت میں دس جید علماء کرام کا ایک وفد ساڑھے چار لاکھ مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت کے لیے بریلی سے متاثرہ علاقوں کی جانب روانہ ہوا۔(23)

اِس وفد میں صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی بھی شامل تھے، جو وفد کی روانگی سے قبل اِس عزم کا اظہار کر چکے تھے کہ ''اِس وفد کو کسی کی مخالفت اور مباحثہ وغیرہ سے کوئی سروکار نہیں، یہ وفد اپنے اسلامی بھائیوں کو پابند اسلام بنانے کی کوشش کرے گا''(24)

چنانچہ اِس وفد نے میرٹھ، آگرہ، بمبئی، کرناٹک، احمد آباد، سوراشٹر وغیرہ کے شہر ومضافات کا کامیاب دورہ کیا۔ صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کے حوالے سے وفد کے قائد مفتی مصطفیٰ رضا خان نوری علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

''ہمارا وفد جامع مسجد (شاہی مسجد آگرہ) پہنچا، جہاں مسلمانوں کا بڑا مجمع تھا، نماز جمعہ کے بعد ہمارے وفد کے برتر رکن حضرت مولانا المحترم مولوی نعیم الدین صاحب زیدہ برکاتہ نے اسلام کی شان و شوکت اور موجودہ حالات پر دل گداز تقریر فرمائی، اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجمع ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا اور مسلمانوں کے دل اسلامی جوش سے لہریں مار رہے تھے، اس موقع پر مولانا نے داڑھیاں منڈوانے اور کبائر میں مبتلا ہونے سے توبہ کروائی، مسجد کا وسیع صحن توبہ کے نعروں سے گونج اٹھا۔'' (25)

صدر الافاضل علیہ الرحمۃ نے فتنۂ ارتداد کے اُس پر آشوب عہد میں جگہ جگہ تبلیغی مراکز قائم کیے اور ایسی قیادت فرمائی کہ مسلمان شدھی کی لعنت سے محفوظ ہو گئے۔ آپ نے شدھی تحریک کے داعی پنڈت شردھانند کو مناظرے کا چیلنج دیا، کئی جگہ اُس کا تعاقب بھی کیا، مگر شردھانند نے مناظرے سے راہِ فرار اختیار کی، جس کا فائدہ اسلام کو پہنچا، یوں بہت سے وہ لوگ جو مرتد ہونے کا ارادہ رکھتے تھے، شردھانند کے فرار سے وہ اپنے ارادے سے تائب ہو کر راہِ حق پر گامزن ہو گئے۔

صدر الافاضل نے پنڈت دیانند سرسوتی کی کتاب ''ستیارتھ پرکاش'' میں اسلام اور شارعِ اسلام پر اعتراضات کے مسکت و مدلل جوابات دیے اور پنڈت شردھانند کے فتنے کا مقابلہ کرنے کے لیے آگرہ کو اپنا مسکن بنایا۔ یہاں یہ تاریخی حقیقت پیش نظر رہے کہ میدان ارتداد میں اس فتنے کے تدارک کے لیے برصغیر میں سب سے پہلا قدم اٹھانے والی جماعت ''جماعت رضائے مصطفیٰ'' تھی، جس نے ملکانہ راجپوتوں میں قابل قدر کام کیا اور کامیاب ہوئی۔ جماعت رضائے مصطفیٰ کے علماء نے ظاہری اسباب وسائل نہ ہونے کے باوجود شدھی تحریک کے دانت کھٹے کر دیے اور مسلمانوں کے تن مردہ میں اسلام کی نئی حرارت بیدار کر دی۔

شادی کی عمر میں حد بندی کا بل

1929ء میں حکومت ہند نے شادی کی عمر میں حد بندی کا بل منظور کیا، تو ملک کے طول وعرض میں اس مداخلت فی الدین کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی گئی اور مسلمانوں نے اپنے غم وغصے کا اظہار کیا۔ اس قانون کے خلاف جماعت رضائے مصطفیٰ نے بھی احتجاجی کارروائیاں شروع کیں اور جلسہ عام کے ذریعے مسلمانوں کے جذبات حکومت ہند کو پہنچانے میں مدد کی۔ 19 اکتوبر 1929ء بریلی میں مولانا حامد رضا خاں علیہ الرحمۃ کی زیر صدارت علمائے ملت کا ایک اجتماع منعقد ہوا، جس میں صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ نے بھی خطاب کیا۔ اس اجتماع نے حکومت ہند پر واضح کر دیا کہ مسلمان ایسی کسی ترمیم کو جو مداخلت فی الدین کے دائرے میں آتی ہو کسی صورت قبول نہیں کریں۔

جلسہ عام میں پیش کی گئی قراردادوں میں کہا گیا کہ ''مسلمانان بریلی کا یہ عظیم الشان اجتماع ساردا ایکٹ کو شریعت حقہ اسلامیہ میں صریح مداخلت اور حقوق شرعیہ کا اتلاف اور مسلمانوں کی معاشرتی واقتصادی زندگی کے لیے سخت مضر اور ناقابل برداشت پابندی سمجھتا ہے اور جن چند ناعاقبت اندیش اور شریعت سے ناواقف مسلمانوں نے اس کی تائید کی ہے، یہ جلسہ اُن کے اس عمل پر اظہار نفرت وحقارت کرتا ہے۔'' (26)

ساردا ایکٹ کے خلاف صدر الافاضل علیہ الرحمۃ نے 25 صفر 1347ھ (*) کو بریلی کے اجتماع میں ایک قرارداد بھی پیش کی جو کہ جلسہ عام میں کثرت رائے سے منظور کی گئی، آپ نے حکومت ہند سے مطالبہ کیا کہ ''اہل اسلام کا یہ عظیم الشان اجتماع باتفاق رائے مسودہ نکاح کو مداخلت فی الدین جانتا، مانتا ہے، اِس کے خلاف بہت سختی سے صدائے احتجاج بلند کرتا ہے اور گورنمنٹ کو متوجہ کرتا ہے کہ وہ اس ناقابل عمل مسودہ کو جو اسلامی شریعت کے بالکل منافی اور صریحاً ابطال حق ولایت ہے، ہرگز ہرگز قانون کا جامہ نہ پہننے دے۔'' (27)

بے شک صدرالافاضل علیہ الرحمۃ کی یہ قرار داد مسلمانانِ ہند کے موقف کی ترجمان اور آپ کے جرأت مندانہ موقف کی آئینہ دار تھی۔ قرآن وحدیث اور اجماع وقیاس سے یہ بات ثابت ہے کہ بچپن کی شادی اسلامی قانون کے مطابق اور شرعی احکام کے موافق ہے۔ شرعاً شادی کی کوئی عمر مقرر نہیں، والدین کو یہ حق حاصل ہے کہ بچے کا نکاح کم سنی میں بھی کر سکتے ہیں۔

حضرت صدرالافاضل کا موقف اسلامی تعلیمات کے عین مطابق تھا۔ آپ کی نگاہِ دوربیں سارد ا ایکٹ کے نفاذ سے مسلم معاشرے پر مرتب ہونے والے اثرات کو دیکھ رہی تھی اور آپ بخوبی واقف تھے کہ اس پابندی کے نتیجے میں مسلم معاشرتی نظام میں کئی خرابیاں پیدا ہو جائیں گی، چنانچہ آپ نے اس غیر اسلامی قانون کے خلاف بھرپور مزاحمت کا اظہار کیا۔ ساتھ ہی خواجہ حسن نظامی جنھوں نے کہا تھا کہ "خود غرض ملّا لالچ سے اس قانون کی مخالفت کرتے ہیں۔" کو آڑھے ہاتھوں لیتے ہوئے فرمایا "علماء کو خواجہ صاحب نے اپنے اوپر قیاس کر لیا ہے اور معلوم نہیں کہ علماء کے طرزِ عمل سے آپ اس قدر ناواقف کیوں ہیں؟ آپ کو خبر نہیں کہ مسائل بتانے اور فتوے لکھنے پر علماء دین کوئی معاوضہ نہیں لیتے۔ غریب سے غریب، نادار سے نادار عالم بھی یہ حمیت اپنے دل میں رکھتا ہے کہ عمر بھر مسائل بتاتا ہے، فتوے لکھتا ہے اور کبھی کوئی معاوضہ طلب کرنے کا وہم بھی اُس کے دل میں نہیں آتا۔" (28)

صدرالافاضل نے خواجہ حسن نظامی جیسے نام نہاد مسلم دانشوروں کی سخت مذمت کی جو اس قانون کے حق میں حکومت ہند کی حمایت کر رہے تھے۔

جب طاقت اور اکثریت کے بل بوتے پر ہندوؤں نے مسلمانوں کی مذہبی، اخلاقی، معاشی، تعلیمی اور سیاسی پستی کو دیکھتے ہوئے پہلے انہیں ہندو بنانے کے لیے شدھی اور سنگٹھن جیسی رسوائے زمانہ تحریکیں شروع کیں تو انہی ایام میں انہوں نے گورکل کے نام سے ایک اور تحریک بھی شروع ہوئی، جس کا مقصد ایسے گئوشالوں، کالج، بھون اور آشی کا قیام تھا جہاں ہندو بچوں اور نوجوانوں کو عسکری تربیت دے کر مسلمانوں کے خلاف نفرت کو ابھارا جائے اور ایسے متشدد طبقہ کو تیار کیا جائے جو مسلمانوں کے خون کی ہولی کھیل سکے۔ اس مقصد

کے لیے مالدار ہندوؤں نے اپنی تجوریوں کے دروازے کھول دیے اور ہندو بچوں اور نوجوانوں کو مسلمان دشمنی پر مبنی عسکری ٹریننگ دی جانے لگی۔

''الجمیعۃ العالیۃ المرکزیۃ'' کا قیام

ان اسباب وواقعات نے صدرالافاضل کو بے چین ومضطرب کردیا، انہیں اندازہ تھا کہ اُس وقت اِس فتنے کا مقابلہ کرنا آسان نہ ہوگا، چنانچہ آپ نے خطے کے ہرسُنّی عالم کو جھنجھوڑا اور انہیں آنے والے خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے ذمہ داریوں کا احساس دلایا۔ اگرچہ اُس وقت بھی اہلسنّت وجماعت کی متعدد منظم وفعال مذہبی، سماجی اور تعلیمی تنظیمیں میدان میں موجود تھیں، جن میں ''جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی، مدرسہ الٰہیات کانپور، انجمن نعمانیہ ہند لاہور، انجمن معین الاسلام فیروز پور، انجمن حزب الاحناف ہند لاہور، انجمن اہلسنّت وجماعت مرادآباد، انجمن انصارالاسلام بریلی، جمعیت اشرفیہ کچھوچھہ فیض آباد، جماعت اہلسنّت مارہرہ، مجلس اہلسنّت بریلی اور انجمن اظہارالاسلام مرادآباد وغیرہ قابل ذکر ہیں، یہ تنظیمیں اپنے متعین کردہ تنظیمی مقاصد کے تحت مصروف عمل تھیں، مگر اِن جماعتوں کے اہداف، دائرہ کار اور سرگرمیاں محدود تھیں، چنانچہ حالات کا تقاضا تھا کہ تمام اہلسنّت وجماعت کی تنظیموں کو ایک لڑی میں پرو دیا جائے، اُن کی ایک مرکزی تنظیم ہو، جو ہدایات جاری کرے اور نگرانی کا فریضہ سرانجام دے، تمام مسلمان اُس پر اعتماد کریں، اُس کی آواز کو اپنی آواز بنائیں، اپنے مسائل کے حل کے لیے اُس کی طرف رجوع کریں اور اُس کی رہنمائی میں تمام مسلمان متحد اور یک جان ہوکر اپنی عظمت رفتہ کی بحالی کی جدوجہد کریں۔

چنانچہ صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمۃ کے تحرک پر مختلف مذہبی وسماجی تنظیموں کو ایک لڑی میں پرونے، مدارس ومساجد اور خانقاہوں کو ایک منظم پروگرام کے تحت چلانے اور دشمنانان اسلام کی چالوں کو باہم متحد ومنظم ہوکر ناکام بنانے کے لیے برعظیم کے علماء ومشائخ اہلسنّت 16 تا 19 مارچ 1925ء (شعبان 1343ھ) کو مرادآباد میں جمع ہوئے اور اہلسنّت وجماعت کی تنظیم ''الجمیعۃ العالیۃ المرکزیۃ'' یعنی ''آل

انڈیا سنّی کانفرنس'' کی بنیاد رکھی۔ محدث علی پوری پیر جماعت علی شاہ صاحب صدر اور حضرت صدرالافاضل ناظم اعلیٰ قرار پائے۔

آل انڈیا سنّی کانفرنس کے قیام کا مقصد ہندوستان کے سنّی مسلمانوں کے درمیان انتشار وافتراق کو دور کر کے انہیں منظم کرنا اور انفرادی طور پر مذہبی کام کرنے والی انجمنوں اور تنظیموں میں باہمی ربط وضبط پیدا کر کے انہیں ایک متحدہ قوت بنانا تھا۔

ماہنامہ السواد الاعظم مراد آباد اپریل 1925ء کے شمارے میں آل انڈیا سنی کانفرنس کے قیام کے اغراض ومقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا کہ اُس وقت تنظیم کے مقاصد یہ تھے کہ ہندوستان کے ہر شہر اور قصبات و دیہات میں اسلامی انجمنیں قائم کی جائیں اور پہلے سے موجود انجمنوں کو ''جمعیت عالیہ'' کے ساتھ مربوط کیا جائے، تبلیغی کام کو ایک نظم محکم کے ساتھ وسیع کیا جائے اور اس مقصد کے لیے مفید ذرائع استعمال کیے جائیں، ہر طبقے کے مسلمانوں کو مذہبی تعلیم سے باخبر بنایا جائے، انگریزی خواں طلبہ کے لیے مذہبی تعلیم کا خاص انتظام اور انہیں آسان ذرائع فراہم کیے جائیں، مزدور اور پیشہ ور طبقے کے لیے شبینہ مدارس کا انتظام کیا جائے، معاشی اصلاح کے لیے مسلمانوں کو تجارت کی طرف مائل کیا جائے، انہیں غیر مسلم اقوام کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے روکنے کی ترغیب دی جائے تا کہ وہ قرضوں سے نجات حاصل کر سکیں اور بے روزگار مسلمانوں کے لیے مناسب ذریعۂ معاش پیدا کر کے انہیں برسرروزگار بنایا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ آل انڈیا سنّی کانفرنس جمہوری اصولوں کے مطابق برعظیم کے مسلمانوں کی مذہبی تنظیم کے طور پر قائم کی گئی تھی، جس کا بنیادی مقصد جمہور مسلمانوں کی اکثریت کے مذہبی، تعلیمی، روحانی، اقتصادی، سماجی اور سیاسی انداز میں رہنمائی کرنا تھا، حقائق شاہد ہیں کہ اس جماعت نے برصغیر کے جمہور مسلمانوں کی اکثریت کے مفاد اور مقاصد کو نامساعد حالات کے باوجود احسن طریقے سے ادا کیا۔ آل انڈیا سنّی کانفرنس سے وابستہ علماء ومشائخ اور رہبر ورہنما مولانا احمد رضا خاں کے خلفاء، تلامذہ مریدین، متعلقین اور

متوسلین تھے، جنھوں نے بیسویں صدی کی ابتداء ہی میں مسلمانوں کی مذہبی وسیاسی امور میں بصیرت افروز رہنمائی کی اور اسلامی شعار و تشخص اور عقائد واقدار کی بحالی کے لیے بھرپور کردار ادا کیا تھا۔

مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ نے تحریک خلافت، تحریک ہجرت اور ترک موالات کے ہیجانی دور میں جو کچھ فرمایا، وقت نے اُس کے ایک ایک حرف کو درست ثابت کیا، آپ نے اُس دور میں مسلمانوں کو ہوشیار کرتے ہوئے کہا تھا کہ جمہور مسلمانوں کی بقاء اور ترقی کے لیے ضروری ہے کہ وہ تمام غیر مسلموں سے ہشیار رہیں، انہوں نے یہود وہنود، سکھ اور انگریز کے ساتھ غیر مقلدوں، شیعوں، قادیانیوں، وہابیوں، دیو بندیوں اور نیچریوں سے بھی دوستی واتحاد سے منع فرمایا۔ چنانچہ صدرالافاضل کی رہنمائی میں آل انڈیا سنی کانفرنس نے ان شرعی اصولوں کو ہمیشہ پیش نظر رکھا، آل انڈیا سنی کانفرنس نے جمہور مسلمانوں کی تعلیم وتربیت، معیشت ومعاشیات، دینی و روحانی مسائل سمیت درپیش اور پیش آئندہ سیاسی معاملات میں قابل قدر خدمات انجام دیں اور سنی علماء ومشائخ اور عوام اہلسنت میں اتحاد واتفاق کی فضا پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

صدرالافاضل علیہ الرحمۃ نے ہندوؤں اور انگریزوں کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے ابتداء ہی میں محسوس کر لیا تھا کہ ہندوستان کے مسلمان کسی صورت ہندوؤں کے ساتھ پرسکون زندگی نہیں گزار سکتے اور نہ ہی اپنی تہذیب وتمدن اور اسلامی روایات کا تحفظ کر سکتے ہیں۔ صدرالافاضل پر یہ اُمر روز روشن کی طرح عیاں ہو چکا تھا کہ ہندو اور مسلمان دونوں قومیں جداگانہ نظریہ قومیت کے تحت ہی زندگی گزار سکتی ہیں اور برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ مملکت کا حصول ضروری ہے، چنانچہ آپ نے دوقومی نظریئے کے لیے منظم تحریک شروع کی اور ماہنامہ ''السواد اعظم'' اور ''سنی کانفرنس'' کو بہ طور پلیٹ فارم استعمال کیا۔

''صدرالافاضل وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے سیاسی نقطہ نظر کے ساتھ قرآن حکیم اور احادیث کی روشنی اور عقلی دلائل کے ساتھ دوقومی نظریئے کی بھرپور وضاحت اور وکالت کی جس سے برصغیر کے مسلمانوں میں دوقومی نظریئے کی اہمیت واضح ہوئی اور یہ نظریہ اُن

میں جڑ پکڑ گیا۔''(29)

حالانکہ اُس زمانے میں گاندھی پرست اور کانگریسی علماء دو قومی نظریے کے خلاف زہر اُگل رہے تھے اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی پوری کوشش کر رہے تھے، وہ خوبصورت اور پرفریب نعروں کے ذریعے یوں مسلمانوں کو دھوکا دینے کی کوششوں میں مصروف تھے کہ'' ہندو مسلم دو قومیں نہیں، بلکہ ایک قوم ہے، دونوں کا وطن ہندوستان ہے، ملت وطنیت سے بنتی ہے، اس لیے ملت کے وجود کو تقسیم کرنا صحیح نہیں ہے''۔

یہ وہ پرفریب نعرے اور ہتھکنڈے تھے جن کا طلسم سب سے پہلے صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی اور پھر علامہ اقبال نے توڑا۔ صدرالافاضل نے گاندھی اور کانگریس کی شاطرانہ چالوں اور کانگریس میں شامل مسلمان زعماء وعلماء کرام کی نادانیوں اور اُن کے اغراض ومقاصد کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا اور آپ جانتے تھے کہ یہ سب ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ کیسا بھیانک کھیل کھیلنا چاہتے ہیں اور ان کے عزائم کیا ہیں۔؟ اور کانگریسی مسلمان اپنے چھوٹے چھوٹے مفادات کی خاطر کیا کیا خواب دیکھ رہے ہیں، انہیں اس سے غرض نہیں کہ عام مسلمان کس حال میں ہے۔؟ اُس پر کیا کیا مظالم ڈھائے جا رہے ہیں اور اُن کے دین ومذہب سے کس طرح کھیلا جا رہا ہے۔؟

دو قومی نظریئے کے معمارِ اوّل اور روحانی قائد

سابق وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں:

''مارچ اور اپریل 1920ء میں بدایوں کے اخبار'' ذوالقرنین'' نے ایک صاحب محمد عبدالقدیر بلگرامی کا گاندھی کے نام ایک کھلا خط شائع کیا تھا، جس میں تقسیم کی تجویز پیش کی گئی تھی، اُس میں انہوں نے مسلم اضلاع کی فہرست تک دی تھی جو مشرقی اور مغربی پاکستان کی موجودہ سرحدوں سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی۔''

آگے چل کر ڈاکٹر صاحب مزید لکھتے ہیں کہ:

''عام طور پر کہا جاتا ہے کہ علامہ اقبالؒ نے تقسیم کا تصور پیش کیا۔ اقبال سے پہلے کچھ لوگ تھے جنھوں نے تقسیم کی تجویز پیش کی، ہاں اقبال وہ پہلے عوامی شخص ہیں جنھوں نے

مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے برصغیر کی تقسیم کی تجویز پیش کی۔‘‘ (30)

یہ درست ہے کہ اقبال وہ پہلے عوامی آدمی تھے جنھوں نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے تقسیم ہند کی تجویز پیش کی، مگر اقبال سے قبل 1925ء میں تقسیم کی تجویز عبدالقدیر بلگرامی پیش کر چکے تھے، یہاں یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ عبدالقدیر بلگرامی کا ’’ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط گاندھی کے نام‘‘ 1920ء میں بدایوں کے اخبار ’’ذوالقرنین‘‘ میں شائع ہوا، اُس کے بعد 1920ء ہی میں نظامی پریس بدایوں سے دوسری بار شائع ہوا، تیسری بار 1925ء میں پھر شائع ہوا، تقسیم ہند کی تجویز پہلے اور دوسرے ایڈیشن میں شامل نہیں تھی، لیکن تیسرا ایڈیشن جو کہ 1925ء میں شائع ہوا، میں تقسیم ہند کی تجویز شامل کی گئی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ عبدالقدیر بلگرامی کے خط میں تقسیم ہند کی تجویز 1925ء میں سامنے آئی، جبکہ فاضل بریلوی جو روزِ اوّل سے دوقومی نظریے کے حامی تھے، 1897ء میں پٹنہ کے اجلاس میں، 1912ء میں رسالہ ’’تدبیر فلاح ونجات واصلاح‘‘ کے ذریعے اور 1920ء میں رسالہ ’’المحجة المؤتمنه‘‘ کے ذریعے دوقومی نظریئے کی آبیاری کر چکے تھے، جو تقسیم ہند کی پہلی اساس وبنیاد تھی، اس لیے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں برصغیر میں دوقومی نظریے کے معمار اوّل اور تقسیم کی تجویز کے روحانی قائد تھے۔

صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمۃ نے اپنے پیرومرشد کے اسی نظریئے کو آگے بڑھایا۔ ’’1925ء میں جب مطالبہ پاکستان ایک خواب کی حد سے نکل کر حقیقت کا روپ اختیار کر رہا تھا، اُس وقت صدرالافاضل اور آل انڈیا سنّی کانفرنس کے رہنماؤں نے وقت کی نزاکت کو محسوس کیا اور تنظیم کو ازسرِ نو منظم وموثر اور ہمہ گیر بنانے کے لیے دن رات ایک کر دیا۔ جس کے نتیجے میں آل انڈیا سنّی کانفرنس بنارس کا منعقدہ اجلاس اپریل 1946ء اہلسنّت وجماعت کے علماء ومشائخ اور جمہور مسلمانانِ برصغیر کی بے مثال تنظیم کا اظہار تھا۔ اس اجلاس نے قراردادِ پاکستان کی پرزور حمایت کی۔ یوں ایک سال بعد اسلامی ریاست پاکستان کا عمل ممکن بلکہ واقع ہوا۔‘‘ (31)

1930ء میں علامہ اقبال نے خطبہ الٰہ آباد میں اُن افکار کا اظہار کیا جو ہماری قومی جدوجہد میں ایک نئے موڑ کا پیش خیمہ ثابت ہوئے۔ تاہم اُس دور میں جب اقبال اپنے افکار کا اظہار کر رہے تھے، اُن کی تائید کرنے والا کوئی نہ تھا۔ بقول چوہدری خلیق الزماں ''خود الٰہ آباد کے مسلم لیگ کے اجلاس میں بھی بے رخی اور لاتعلقی کی کیفیت پائی جاتی تھی۔ تاہم علماء اہلسنّت چونکہ شروع ہی سے ایسے افکار کے داعی تھے اور مسلمانوں کے الگ وجود کے تحفظ کی ضمانت چاہتے تھے۔ اِس لیے انہوں نے اقبال کی واضح طور پر تائید کی۔(32)

اور صدر الافاضل نے اپنے ماہنامے ''السواد الاعظم'' نے لکھا:

''ڈاکٹر اقبال علیہ الرحمۃ کی رائے پر ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے، ایک حصہ ہندوؤں کے زیر اقتدار رہو، دوسرا حصہ مسلمانوں کے۔''(33)

درحقیقت السواد الاعظم کے ایڈیٹر اور مولانا نعیم الدین مرادآبادی وہ پہلے فرد تھے جنھوں نے مسلم لیگ کے اجلاس میں علامہ اقبال کی جانب سے پیش کیے جانے والے ''علیحدہ مسلم وطن'' کے تصور کی پُرزور تائید وحمایت کی تھی اور صدر الافاضل نے لندن میں جاری دوسری اور تیسری گول میز کانفرنس کے دوران السواد الاعظم کے اداریہ میں ہندو مسلم مناقشات کا حل تجویز کرتے ہوئے لکھا:

''جب ہندو اپنی حفاظت اِس میں سمجھتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے محلوں سے علیحدہ ہو جائیں اور اپنی حدود علیحدہ کر لیں تو مسلمانوں کو یقیناً اُن کے محلوں میں جانے اور اُن کے ساتھ کاروبار رکھنے سے احتیاط رکھنا چاہیے، دونوں اپنے اپنے حدود جداگانہ قرار دیں اور اِس نکتہ کو ملحوظ رکھ کر سیاسی مباحث کو طے کریں، یعنی ہندوستان میں ملک کی تقسیم سے ہندو مسلم علاقے جدا جدا بنالیں تاکہ باہمی تصادم کا اندیشہ اور خطرہ باقی نہ رہے، ہر علاقہ میں اُسی علاقہ والوں کی حکومت ہو۔ مسلم علاقہ مسلمانوں اور ہندو علاقوں میں ہندوؤں کی۔''(34)

1946ء میں صدر الافاضل کی ہی کوششوں سے بنارس میں آل انڈیا سنّی کانفرنس کا تاریخی اجلاس منعقد ہوا، جس میں شریک ہزاروں علماء ومشائخ اور عوام اہلسنّت نے اتفاق رائے سے ''قرارداد پاکستان'' کی حمایت میں تجویز منظور کرتے ہوئے کہا کہ

''آل انڈیا سنّی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبہ پاکستان کی پُرزور حمایت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ علماء ومشائخ اہلسنت اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں اور اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جو قرآن کریم اور حدیث نبوی ﷺ کی روشنی میں فقہی اصول کے مطابق ہو۔'' (35)

صدرالافاضل نے بنارس سنّی کانفرنس کی غرض وغایت کو عملی جامہ پہنانے اور نظریہ پاکستان کی اہمیت واضح کرنے کے لیے گجرات، کاٹھیاوار، جونا گڑھ، راجپوتانہ، دہلی، یوپی، پنجاب، بہار، کلکتہ، ہگلی، ڈھاکا، کرنافلی، چٹا گانگ اور سلہٹ سمیت پورے ہندوستان کے مسلسل دورے کر کے قیام پاکستان کی راہ ہموار کی۔ صدرالافاضل کو تحریک پاکستان سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا، جس کا اظہار مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادریؒ کے نام آپ کے اس خط سے بھی ہوتا ہے، جس میں صدرالافاضل لکھتے ہیں:

''پاکستان کی تجویز سے جمہوریت اسلامیہ (آل انڈیا سنّی کانفرنس) کو کسی طرح دست بردار ہونا منظور نہیں، خود جناح اس کے حامی رہیں یا نہ رہیں۔'' (63)

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ قیام پاکستان میں قائداعظم محمد علی جناح کی استقامت مسلمانان برصغیر کے ساتھ صدرالافاضل اور علماء ومشائخ اہلسنت کی پر جوش حمایت، انتھک مساعی اور مشترکہ جدوجہد کی مرہون منت ہے، اگر صدرالافاضل اور دیگر اکابرین اہلسنت تحریک پاکستان میں شامل نہ ہوتے تو قیام پاکستان مشکل ہی نہیں ناممکن اَمر ہوتا، یہ فاضل بریلوی کے تربیت یافتہ صدرالافاضل اور علماء اہلسنت ہی تھے جو مجلس احرار کے خاکساروں اور جمعیت علمائے ہند و کانگریس میں شامل ہندو مسلم اتحاد کے داعی علماء اور قوم پرستوں کے مقابلے میں سینہ سپر ہو کر مسلمانان ہند میں جذبہ اسلامی بیدار کر کے تعمیر پاکستان کی راہ ہموار کر رہے اور قیام پاکستان کی عملی بنیاد رکھ رہے تھے۔

صدرالافاضل نے نہ صرف دل وجان سے تحریک پاکستان میں حصہ لیا بلکہ جہاں جہاں تائید وحمایت کی ضرورت پڑی، صدرالافاضل سرفہرست نظر آئے۔ 1925ء مرادآباد

سے لے کر 1946ء تک بنارس سنّی کانفرنس تک جاری رہنے والے سینکڑوں فقید المثال اجلاسات میں صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کی مساعی جمیلہ مسلمانانِ برِصغیر کے قومی وملّی موقف کی ترجمان و گواہ ہے۔

خدا نے صدر الافاضل کو گوناگوں صلاحیتوں سے نوازا تھا، آپ سیاسی بصیرت کے ساتھ دستور سازی کے عمل سے بھی آگاہ تھے، قیامِ پاکستان کے بعد آپ علماء کرام کی دعوت پر دستور سازی کے لیے پاکستان تشریف لائے اور پاکستان کے اسلامی دستور کے لیے گیارہ دفعات بھی مرتب کیں، جو اسلامی فقہ، مسلمانوں کی رسم و رواج، اُمنگوں، خواہشات، جذبات و احساسات اور غیر مسلم رعایا کے تحفظ اور جان و مال کی حفاظت کی ترجمان ہیں، لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا، اس دوران آپ شدید بیمار ہوئے اور دستور سازی کا عظیم کام آپ کی رحلت کی وجہ سے ادھورا رہ گیا۔

قارئین محترم! امرِ واقعہ یہ ہے کہ صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی کی قومی وملّی تحاریک میں کردار و عمل کے حوالے سے ابھی بہت سے پہلو تشنہ اور ضبطِ تحریر کے متقاضی ہیں، مگر یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ صدر الافاضل، فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے راز دار، رمز شناس اور اُن کی دینی وملی فکر کے حقیقی وارث ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے وقت کے سب سے زیادہ سیاسی بصیرت رکھنے والے عالم دین تھے۔ آپ نے نہ صرف بڑی کامیابی کے ساتھ فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے مشن کو آگے بڑھایا بلکہ سیاسی و مذہبی اُمور میں مسلمانانِ ہند کی بھرپور رہنمائی بھی فرمائی۔ آپ نے تحریر و تقریر کے ذریعہ مسلمانانِ ہند تک اسلام کے سچے پیغام کو پہنچایا اور ہندو مسلم اتحاد کے خطرات سے آگاہ کر کے مسلمانوں کے اتحاد کو تقسیم ہونے سے روکا۔ صدر الافاضل علیہ الرحمۃ نے سیاسی وملی سطح پر تحریک گورکل، تحریک خلافت، تحریک سوراج، تحریک گاؤکشی، تحریک کھدر، تحریک سنگھٹن، تحریک جمعیۃ العلماء، کانگریس اور ایک قومی نظریہ پر بروقت تنقید کی اور اُن کی فکری و عملی بے راہ روی کی اصلاحات فرمائیں۔

آپ نے عیسائیوں، ہندوؤں، آریاؤں، روافض، خوارج اور قادیانیوں سے

کامیاب مناظرے کیے اور شدھی و سنگھٹن تحریکوں کی مدافعت میں نمایاں کردار ادا کیا۔
صدرالافاضل نے ہر سیاسی مسئلے کو کتاب وسنت کی روشنی میں پرکھا اور زندگی بھر دین سے خارج کسی نظریے کو نہیں اپنایا، آپ کے زمانے میں برصغیر میں بڑی بڑی تحریکوں نے جنم لیا، لیکن آپ ہر اُس تحریک سے مجتنب رہے جس کا انجام دین سے دوری اور قومی وملّی تباہی تھا۔ یہ کہنا بجا ہوگا کہ صدرالافاضل نے فاضل بریلوی کے حقیقی نائب اور معتمد خاص ہونے کا حق ادا کیا اور زندگی بھر تبلیغ اسلام، حفاظت وحمایتِ ناموس مصطفی ﷺ اور غلبۂ دین کی بحالی کے لیے مصروفِ عمل رہے۔

صدرالافاضل کے صحیفۂ حیات کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ محقق، مصنف، مفسر ومحدث، مفکر، صحافی، شاعر، ادیب کے ساتھ نقاد، مناظر، مہتمم ومنتظم، حکیم و خطیب اور بے مثال قائد ورہنما بھی تھے۔ پروفیسر عبدالقیوم لکھتے ہیں:

> ''آپ نہایت صائب الرائے، مدبر ومفکر، ملکی وغیر ملکی حالات و واقعات پر پوری طرح نظر رکھتے تھے۔ اہلسنّت وجماعت کے مختلف طبقات میں اتحاد پیدا کرکے ایک دوسرے کے قریب لانے میں آپ کو بڑا کمال حاصل تھا۔ بنارس آل انڈیا سنّی کانفرنس کے نام سے غیرِ منقسم ہندوستان کے تقریباً پانچ صد علماء ومشائخ جو متعدد سلاسل سے تعلق رکھتے تھے، ایک مرکز پر جمع کردینا ایک ماہر نباض کا ہی کام تھا، جو آپ نے کر دکھایا اور دارالعلوم منظر الاسلام بریلی سے فیض یافتہ علماء میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اعلیٰ حضرت کے خلفاء میں آپ کو ایک عظیم مقام حاصل تھا''۔ (73)

★★★

حوالہ جات

(1) خلفاء امام احمد رضا، علامہ عبدالحکیم شرف قادری، ص128

(2) خلفائے محدث بریلوی، از۔ پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد، ص123

(3) تحریک آزادی ہند اور السواد اعظم، پروفیسر مسعود احمد، ص21

(4) ماہنامہ ترجمان اہلسنّت کراچی، اگست 1971ء جلد1، شمارہ2، ص39

(5) السواد الاعظم جمادی الآخر 1349ھ ص 11۔ بحوالہ تحریک آزادی ہند اور السواد اعظم، پروفیسر مسعود احمد، ص181

(6) السواد الاعظم ماہ رجب المرجب 1349ھ ص 6-5، بحوالہ تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم، ص186

(7) ''دوقومی نظریہ اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی''مضمون، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی

(8) السواد الاعظم، شوال المکرم 1338ھ ص24، بحوالہ تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم، ص 202

(9) السواد الاعظم، شعبان المعظم، 1339ھ ص18-16، بحوالہ تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم، ص203

(10) السواد الاعظم، شعبان المعظم، 1339ھ ص22، بحوالہ تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم، ص204

(11) السواد الاعظم، شوال المکرم، 1338ھ ص17، بحوالہ تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم، ص221-220

(12) السواد الاعظم، جمادی الاوّل، 1339ھ ص1، بحوالہ تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم، ص223

(13) السواد الاعظم، شوال المکرم، 1338ھ ص16-15، بحوالہ تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم، ص226-225

(14) السواد الاعظم، شوال المکرم 1338ھ ص 17-16، بحوالہ تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم، ص 227-226

(15) تاریخ جماعت رضائے مصطفی، مؤلف۔ مولانا محمد شہاب الدین رضوی، ص 7

(16) ایضاً، ص 43-42

(17) ایضاً، ص 76

(18) ایضاً، ص 43

(19) ایضاً، ص 48-47

(20) ایضاً، ص 115-114

(21) ایضاً، ص 118

(22) ایضاً، ص 134

(23) ایضاً، ص 211-210

(24) ایضاً، ص 210

(25) مکتوب گرامی، مفتی اعظم بنام ناظم مرکزی صدر دفتر بریلی بحوالہ تاریخ جماعت رضائے مصطفی، مؤلف، مولانا محمد شہاب الدین رضوی، ص 223

(26) تاریخ جماعت رضائے مصطفی، مؤلف۔ مولانا محمد شہاب الدین رضوی، ص 182-179

(27) ایضاً، ص 187-186

(28) السواد اعظم، جمادی الاوّل 1348ھ، ص 23، بحوالہ، تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم، ص 185-184

(29) مولانا سیّد نعیم الدین مراد آبادی، از پروفیسر اشتیاق طالب، ص 14، رضا اکیڈمی لاہور

The Struggle for Pakistan Page No.116-117(30)

(31) تحریک پاکستان میں خلفاء امام احمد رضا خان کا کردار 1920 سے 1947 تک، پی ایچ ڈی مقالہ، ڈاکٹر محمد حسن امام، جامعہ کراچی، ص 126

(32) روزنامہ جنگ، لاہور 13 اکتوبر 1990ء

(33) السوادالاعظم، شعبان المعظم 1349ھ بمطابق جنوری 1931ء مرادآباد

(34) ماہنامہ السوادالاعظم شوال وذیقعد، ص 14-13

(35) مولانا سیّد نعیم الدین مرادآبادی، پروفیسر اشتیاق طالب، ص 23

(36) حیات صدرالافاضل، ازم۔ غلام معین الدین نعیمی، ص، 186

(37) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان وہند جلد 2، ص 423، پنجاب یونیورسٹی لاہور

(*) عیسوی کلینڈر کے حساب سے یہ تاریخ 12 اگست 1928ء بنتی ہے جو کہ درست معلوم نہیں ہوتی، شاید سمجھنے یا کتابت میں مغالطہ ہوا ہے۔

☆......☆......☆

ہندوؤں کی شدھی تحریک کے سدباب میں

صدرالافاضل کا قائدانہ کردار

از قلم: علامہ محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی

(بھارت)

1923ء میں جب آریہ سماج کے بانی دیانند سرسوتی کے چہیتے جانشین وخلیفہ پنڈت سوامی شردھانند نے باضابطہ تحریک شدھی کا آغاز کیا اور ہنود کے بھی فرقوں کو اپنے ساتھ جوڑتے ہوئے لاکھوں مسلمانوں کی دولت ایمانی پر شب خون مارنے کا ناپاک ارادہ لے کر میدان عمل میں مصروف کار رہا تو علماء ومشائخ بے چین و بے قرار ہوا ٹھے، ان کو لاکھوں مسلمانوں کے ایمانوں کو بچانے کی فکر دامن گیر ہوئی۔ چنانچہ بلاتاخیر ۸ جمادی الاخری ۱۳۴۱ھ مطابق ۲۶ جنوری ۱۹۲۳ء بروز جمعہ بریلی میں جماعت رضائے مصطفی ﷺ کے زیر اہتمام علماء کرام اور مشائخ عظام کی ایک ہنگامی مجلس منعقد ہوئی جس میں علماء، مفکرین ومدبرین نے مل کر شدھی کے سدباب اور مسلمانوں کو فتنۂ اقدار سے بچانے کے لیے ایک لائحہ عمل تیار کیا۔

علاوہ ازیں عوامی سطح پر بھی ایک اجلاس مذکورہ بالا تاریخ میں مغرب کی نماز سے رات دس بجے تک بی بی جی صاحبہ مسجد (بریلی) میں منعقد کیا گیا، جس میں اہلسنت کے

مشاہیر علماء کرام خصوصاً جماعت رضائے مصطفیٰ ﷺ کے مشیر اعلیٰ قائد اہلسنت حضور صدر الافاضل نے مسلمانوں سے ایک ایسا بہترین، روح پرور اور رقت آمیز خطاب فرمایا جسے سن کر مسلمانوں کی آنکھیں اشک بار اور قلوب جذبہ ایمانی سے سرشار ہو گئے۔

صدرالافاضل کی اس تقریر منیر کا تذکرہ ہفت روزہ اخبار ''دبدبہ سکندری'' رامپور میں کچھ اس طرح موجود ہے۔

''حضرت اُستاذ العلماء مولوی مولانا حکیم محمد نعیم الدین صاحب مدظلہم العالی نے اسلام کی حقانیت اور اس کی عظمت کا ایسا نقشہ صفحات قلب پر کھینچا جس سے مسلمانوں کے دل اسلام کی محبت کے مزے لینے لگے اور اس فتنہ ارتداد کا اس طرح بیان فرمایا کہ مجمع کا دل ہل گیا اور مجمع چیخیں مار مار کر رونے لگا۔ آپ نے مسلمانوں کو اتباع شریعت کی طرف توجہ دلائی اور احکام اسلامی کے خلاف ورزی کو مسلمانوں کی کمزوری اور مخالفین اسلام کی جرأت وہمت کی علت ثابت کیا۔ الحمدللہ اس کا یہ اثر مرتب ہوا کہ مجمع نے بالاعلان بلند آوازوں سے تمام خلاف شرع باتوں سے توبہ کی۔ نیز آپ نے مسلمانوں کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ ایک وقت مسائل شرعیہ سیکھنے کا مقرر کریں۔ پھر وفد کے جانے اور اپنے بہکے ہوئے بھائیوں کو راہ پر لانے اور ان کی دینی خدمت کرنے کا ذکر کیا اور یہ بھی بتایا کہ اس وفد کو کسی کی مخالفت اور مباحثہ وغیرہ سے کوئی سروکار نہیں۔ یہ وفد اپنے اسلامی بھائیوں کو پابند اسلام بنانے کی کوشش کرے گا۔ ایک ایک کلمہ جو آپ کی زبان مبارک سے نکلتا تھا دلوں میں اُتر جاتا تھا''۔

(دبدبہ سکندری: ۵ فروری ۱۹۲۳ صفحہ ۵)

علاقہ ارتداد میں صدرالافاضل کی تبلیغی سرگرمیاں

۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۱ھ مطابق ۲۷ جنوری ۱۹۲۳ء بروز ہفتہ بوقت صبح جماعت رضائے مصطفیٰ ﷺ کے زیر اہتمام بریلی سے روانہ ہونے والے دس علماء مشاہیر پر مشتمل پہلے وفد میں صدرالافاضل نے بھی شرکت فرمائی۔

صدرالافاضل نے ۲۷ جنوری سے ۳۱ جنوری تک میرٹھ کے متاثرہ علاقوں میں تبلیغی دورے فرمائے۔ (ان ایام کے بارے میں حضور ﷺ مفتی اعظم کے مکاتیب سے

اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ صدرالافاضل نے میرٹھ و مضافات میرٹھ کے دورے فرمائے اور جس وفد میں حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ شریک تھے۔ اسی میں حضور صدرالافاضل علیہ الرحمۃ بھی شریک تھے۔)

آگرہ کی شاہی مسجد میں صدرالافاضل کا خطاب نایاب

وفد کی معیت میں حضور صدرالافاضل یکم فروری ۱۹۲۳ء بروز جمعرات شہر آگرہ کے ایک گاؤں سلطان پورہ پہنچے اور وہاں سے تبلیغی کارروائی مکمل فرمانے کے بعد دوسرے روز آگرہ شہر میں رونق افروز ہوئے اور نماز جمعہ سے قبل آگرہ کی جامع مسجد میں ایک مثالی خطاب فرمایا۔ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے جماعت رضائے مصطفی ﷺ کے نام اپنے مکتوب گرامی میں صدرالافاضل کے اس لاجواب و کامیاب و نایاب خطاب کا تذکرہ اس انداز میں فرمایا ہے:

''ہمارا وفد جامع مسجد پہنچا جہاں مسلمانوں کا بڑا مجمع تھا، نماز جمعہ کے بعد ہمارے وفد کے بہتر رکن حضرت مولانا المحترم مولوی محمد نعیم الدین صاحب زیدت برکاتہ نے اسلام کی شان و شوکت اور موجودہ حالات پر دل گداز تقریر فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجمع ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا اور مسلمانوں کے دل اسلامی جوش سے لہریں مار رہے تھے۔ اس موقع پر مولانا نے داڑھیاں منڈوانے اور کبائر میں مبتلا ہونے سے توبہ کروائی۔ مسجد کا وسیع صحن توبہ کے نعروں سے گونج اُٹھا۔ الحمدللہ مولانا نے ثابت کیا کہ اس وقت اسلامی احکام کے خلاف عمل کرنا اسلام کو اس نازک حالت میں سخت صدمہ پہنچانا اور اس کے دشمنوں کی تائید ہے۔ جلسہ کے ختم کے بعد جابجا اس وعظ کے چرچے تھے اور معلوم ہوا کہ جو لوگ جلسہ میں توبہ کر گئے تھے وہ اپنے دوستوں سے توبہ کرانے پر مصر ہیں''۔

فقیر مصطفیٰ رضا قادری

صدر وفد اسلام فرستادہ جماعت رضائے مصطفی بریلی از آگرہ

(دبدبہ سکندری ۱۹ فروری دوشنبہ ۱۹۲۳ء)

نیز حضور صدرالافاضل علیہ الرحمۃ کی اس تقریر سے متعلق اخبار دبدبہ سکندری میں شائع شدہ منشی وارث علی خان صاحب ٹھیکہ دار محلہ رکاب گنج آگرہ کے مراسلہ ذیل اقتباس میں ملاحظہ ہو جو صدر فاضل کے بہترین مبلغ، مایہ ناز خطیب اور قوم کے ماہر و بہترین نباض ہونے کی گواہی دے رہا ہے۔

''۲ فروری ۱۹۲۳ء بروز جمعہ جامع مسجد آگرہ میں یہ وفد پہنچا اور اس نے مسلمانان آگرہ کو ہوشیار کیا۔ مجمع بہت کثیر تھا۔ اجزائے وفد میں سے اوّل دو صاحبوں نے نہایت خوش الحانی کے ساتھ نعت شریف پڑھی۔ پھر مفتی آگرہ حضرت فاضل علامہ جناب مولانا مولوی سیّد محمد دیدار علی صاحب الوری مدظلہ العالی نے مختصر لفظوں میں وفد کا ورود اور اس کے مقاصد بیان فرما کر اجزائے وفد میں حضرت اُستاذ العلماء مولانا حکیم حافظ محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی مدظلہ الہادی کو وعظ کے لیے پیش فرمایا۔

انہوں نے دین اسلام کی عظمت و شان کا ایسا دل پذیر نقشہ کھینچا جس سے تمام مجمع ایک غیر معمولی اثر کے ساتھ ساتھ متاثر نظر آتا تھا۔ کلمات جادو کی طرح اثر کرتے تھے۔ سامعین کی حالت دم بھر میں بدل گئی اور جلسہ تڑپ اُٹھا۔ سننے والے روتے روتے بے اختیار ہو گئے۔ مسلمانوں نے شریعت کی فرماں برداری کے عہد کیے اور گناہوں سے با آواز بلند تائب ہوئے۔ ایک عجیب سماں تھا جو موجود تھے توبہ کر رہے تھے اور ان کے قلوب میں اسلامی محبت موجیں مار رہی تھی۔ راجپوتوں کے ساتھ ہمدردی کا ولولہ ہر دل میں پیدا ہو گیا۔ جلسہ تمام ہونے کے بعد اور شہر کے جابجا اس وعظ کا تذکرہ ہے اور جو لوگ حاضر تھے وہ اپنے احباب سے توبہ کرا رہے ہیں۔ وفد کی اس شان و شوکت سے یقین ہوتا ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی سعی کامیاب ہو گی۔

(الرقوم: ۳ر فروری ۱۹۲۳ء، ۱۲ فروری ۱۹۲۳ء صفحہ ۵)

موضوع کھیتنہ آگرہ میں صدرالافاضل کا تبلیغی دورہ:

حضور صدرالافاضل علیہ الرحمۃ نے آگرہ اور اس کے گردونواح میں کثرت سے

تبلیغی دورے فرمائے۔ آپ شہر آگرہ کے ایک گاؤں کھیتہ میں جب تشریف لے گئے تو وہاں ٹھاکرلوگ تاش کھیل رہے تھے۔آپ نے جب انہیں قریب بلاکر تبلیغ فرمائی تو فوراً انہوں نے وہ تاش کے پتے ہاتھوں سے پھینک دیے اور حضرت اور دیگر علماء کی تعظیم وتکریم میں مصروف ہوگئے، آپ کے ایما پر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے ایک صاحب کی چوٹی بھی کاٹی اور آپ کی تحریک پر وہاں کے لوگوں نے ایک مکان مدرسہ کے لیے پیش کیا۔دبدبہ سکندری کی درج ذیل خبر ملاحظہ ہو:

''ہمارا ایک وفد موضع کھیتہ پہنچا۔جس وقت ہم پہنچے تو موضع میں ٹھاکرلوگ زمین پر بیٹھے ہوئے تاش کھیل رہے تھے۔انہوں نے ہماری طرف کوئی التفات نہ کیا۔صدر الافاضل استاذ العلماء حضرت مولانا مولوی حافظ حکیم سیّد محمد نعیم الدین صاحب دامت برکاتہم نے سواری سے اتر کران سے وہیں گفتگو شروع فرمائی۔ پانچ منٹ گفتگو ہونے پائی تھی کہ وہ لوگ تاش پھینک کر اٹھ کھڑے ہوئے اور دوڑ کر تکیہ دار مونڈھے لائے اور ہمارے ایک ایک شخص کو نہایت تکریم کے ساتھ بٹھایا۔ان سے گفتگو میں رہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ وہ بندگان خدا منٹوں میں ایسے مسخر ہوئے کہ گویا مدتوں کے رفیق ہیں۔حضرت استاذ العلماء مدظلہ نے ان کی اس حالت پر اظہار افسوس فرمایا جس سے وہ خود بھی متاسف ہوئے اور خود اپنے مکان سے قینچی لاکر پیش کی اور سر جھکا کر بیٹھ گئے۔

حضرت اُستاذ العلماء نے جناب مولانا مولوی حکیم یعقوب خان صاحب سے فرمایا اور انہوں نے اپنے دست مبارک سے چوٹی قطع کی۔جن صاحب کی چوٹی قطع کی گئی ان کا نام احمد خان ہے۔ پھر وہاں کے لوگوں سے مدرسہ کی تحریک کی گئی جس پر وہ بخوشی راضی ہوئے اور انہوں نے ایک مکان مدرسہ کے لیے نامزد کیا اور اس کا معائنہ بھی کرایا۔

(دبدبہ سکندری 28 جنوری 1924ء، صفحہ 6)

صدرالافاضل فیروز پور پنجاب میں:

فیروز پور پنجاب میں آریوں نے آپ کو چیلنج مناظرہ دیا۔آپ تشریف لے گئے اور جلسہ گاہ میں پہنچ کر آریوں کو مقابلے پر آنے کی دعوت دی مگر کوئی بھی آریہ سامنے آنے

کی ہمت نہ کرسکا اور اس طرح مذہب اسلام کی حقانیت مخالفین اسلام پر بھی آشکار ہوگئی۔ اس واقعہ کا قدرے تذکرہ مذکورہ بالا اشتہار میں ان الفاظ میں درج ہے۔

''اور اسی ماہ میں فیروز پور پنجاب میں آریوں سے مناظرہ کے لیے بلائے گئے جہاں مسلمان بہت پریشان تھے لیکن اللہ تعالیٰ کا کرم کہ آریہ جلسہ میں حاضر رہے، بار بار پکار پکار کر کہا ہے کہ ہے کچھ حوصلہ تو آجاؤ سامنے اور جس مسئلہ پر چاہو بحث کرلو، مگر کسی میں دم نہ تھا کہ گفتگو کرسکتا۔ مناظرہ سے انکار کر گئے۔ گفتگو کی تاب نہ لائے''۔

(اشتہار بعنوان ''مسلمانوں کی حالت اور اظہار افسوس)

صدرالافاضل آرہ ضلع بہار میں

آریوں کی شرانگیزی ''بہار'' میں زوروں پر تھی اور وہاں کے مسلمان کافی حد تک پریشان ہوچکے تھے۔ انہوں نے اپنے شہر کے عالم حضرت مولانا عبدالغفور صاحب کے توسط سے جماعت رضائے مصطفی ﷺ سے استدعا کی کہ ان کی رہنمائی اور باطل کی سرکوبی کے لیے علماء کا ایک وفد یہاں بھی روانہ فرمائیں۔

جماعت کی طرف سے مولانا عبدالغفور کی درخواست پر ایک وفد بہار روانہ کیا گیا جس میں حضور اشرفی میاں اور صدرالافاضل بھی شامل تھے۔ وہاں اس وفد کا بہترین استقبال کیا گیا۔ اخبار دبدبہ سکندری میں حضرت قاضی احسان الحق صاحب نعیمی علیہ الرحمہ نے اس کی تفصیلی رپورٹ فرمائی ہے ہم یہاں اس کا اقتباس پیش کرتے ہیں ملاحظہ ہو۔

''ایک وفد ۱۸ فروری ۱۹۲۴ء کو آرہ روانہ ہوا جس میں مرشدی مولانا سید شاہ احمد علی حسین صاحب شرفی سجادہ کچھوچھہ شریف اور حامی دین وملت حضرت مولانا حافظ حکیم سیّد نعیم الدین صاحب دامت برکاتہم ناظم مرکز وفود اسلام شامل تھے۔ دوسرے روز شام کو ہم آرہ پہنچے۔ مسلمانان آرہ نے اس وفد کا گرمجوشی کے ساتھ خیر مقدم کیا اور تکبیر کے نعرے بلند کرتے ہوئے قیام گاہ تک لائے۔ ہمارے جلسے شروع ہوگئے۔ ہندو مسلمان کثیر تعداد

میں حاضر تھے۔

اُستاذ العلماء امام المناظرین حضرت مولانا مولوی حافظ سیّد محمد نعیم الدین صاحب دامت برکاتہم نے ''ایک اسلام مذہب حق'' کے عنوان پر زبردست تقریر فرمائی اور براہین عقلیہ سے ثابت کیا کہ مذہب حق صرف اسلام ہے اور معیار حقانیت پر کوئی دوسرا مذہب پورا نہیں اُترتا۔

دلائل کی قوت نے ہر شخص کو اس مدعا کے تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا تھا جن لوگوں نے حضرت اُستاذ العلماء کے بیانات سنے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ان کے بیان کی خصوصیات میں سے ہے کہ مخالف کا دل بھی اس دعویٰ کے تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے جس پر وہ دلائل قائم کرتے ہیں۔

غرض اس تقریر سے ہر شخص اس نتیجہ پر پہنچ گیا کہ اسلام کے مقابلہ میں کوئی مذہب دلیل نہیں رکھتا۔ پھر شب میں اُستاذ العلماء مولوی حافظ سیّد محمد نعیم الدین صاحب کی اخیری معرکہ آرا تقریر ہوئی، جس میں انہوں نے مذہب اسلام کا ویدک دھرم سے مقابلہ کر کے ثابت کیا کہ وہ ویدک دھرم اس قابل بھی نہیں کہ مذہب کی صف میں اس جگہ کو بھی دی جائے۔ چہ جائے کہ اسلام کے مقابل اس کو پیش کیا جائے۔

آریوں نے اپنے جلسوں میں اسلام پر اعتراض کیے تھے سب کے جواب دے کر یقین دلا دیا کہ اسلام پر اعتراض کرنے والا خود اپنی جہالت کا شہادت دیتا ہے۔ پھر اسلامی توحید و عرفان کے دل پذیر نکات بیان فرما کر ویدک دھرم کی خداشناسی کا منظر پیش کیا تو مجمع حیرت میں آ گیا اور تعجب ہوا کہ اس روشنی کے زمانے میں کس طرح آریہ اس مذہب کے ساتھ گرویدگی رکھتے ہیں۔ الحمد للہ اسلام کی فتح نمایاں ہوئی اور دشمنانِ اسلام کو ندامت اُٹھانی پڑی۔

(دبدبہ سکندری، رامپور، ۱۷ مارچ ۱۹۲۴ء، صفحہ ۶۔۷)

تحریک شدھی کے بانی پنڈت شردھانند کو صدرالافاضل کا چیلنج

اشدھی سبھا کی لگام پنڈت شردھانند کے ہاتھوں میں تھی۔ اس لیے شدھی کے

سد باب کے لیے شردھانند کا محاسبہ بہت ضروری تھا۔ حضور صدرالافاضل نے پہل فرماتے ہوئے شردھانند کی خبر گیری شروع فرمادی اور جگہ جگہ اس کو مناظرہ کا چیلنج دینا شروع کر دیا۔ تحریری شکل میں بھی آپ نے چیلنج مناظر دیا جسے رامپور کے مشہور اخبار دبدبہ سکندری نے شائع کیا۔ اس میں آپ نے شردھانند کو بڑے سے بڑے رشی مہاتما بلکہ دنیا بھر کے تمام آریوں کے ساتھ مناظرہ کا چیلنج دیا۔

مزید آپ نے فرمایا کہ وہ اپنے مذہب کی دعوت دینے سے پہلے اپنے دین کی حقانیت تو ثابت کرے۔ اس کے ویدک دھرم میں اتنا ہی دم نہیں ہے کہ وہ اور اس کے سارے مہاتما مل کر بھی اس کی حقانیت کو ثابت کر پائیں۔

ذیل میں صدرالافاضل کے چیلنج مناظرہ کی تحریر ملاحظہ ہو۔

''پنڈت شردھانند کو مناظرہ کا چیلنج

از جناب فضیلت انتساب مولانا مفتی حکیم محمد نعیم الدین صاحب قبلہ مرادآبادی

از صدر دفتر مرکز وفود اسلام، جماعت رضائے مصطفیٰ آگرہ رکاب گنج

اشدھی سبھا کے بانی مبانی پنڈت شردھانند جو تمام عالم کے مسلمانوں کو ہندو بنا ڈالنا چاہتے ہیں اور جو ہندوستان کے سات کروڑ مسلمانوں کو ہندو دھرم میں داخل کرنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں چنانچہ اشدھی سبھائیں قائم کر کے عالم میں ایک بے چینی اور تلاطم پیدا کر رہے ہیں کیا ان کا فرض نہیں ہے کہ وہ دعوت دینے سے قبل اپنے مذہب کے صدق اور حقانیت کا ثبوت دیتے۔ اس لئے میں اعلان دیتا ہوں کہ وہ میرے مقابلہ میں ویدک دھرم کی حقانیت اور وید کے کتاب الٰہی ہونے کا ثبوت دیں مگر انہوں نے اس سے گریز کی تو یہ ان کے بطلانِ مذہب کی ایک روشن شہادت ہوگی اور پھر یہ ایک ایسے مذہب کی تمام عالم کو دعوت دے ڈالنا جس کی مخالفت ثابت کرنے کے لیے تیار نہ ہوں، نہایت بے جا ہوگا۔

میں اجازت دیتا ہوں کہ پنڈت شردھانند اس مقابلے میں تمام جہان کے آریوں

سے مدد لیں۔ یہ گفتگو کسی صدر مقام پر فیصلہ کن طریقہ پر ہوگی اور نتیجہ برآمد ہونے تک جاری رکھے جائے گی، خواہ اس میں کتنا ہی زمانہ صرف ہو۔ فریقین کی تقریریں ہر جلسہ میں چھاپ کر تقسیم کی جائیں گی تا کہ روداد ساتھ ساتھ مرتب ہوتی رہیں اور کسی فریق کو اس میں دست اندازی کا موقع نہ ملے (تاکید) پھر بتاکید کہا جاتا ہے کہ پنڈت شردھانند اپنی پوری طاقت جمع کر کے سامنے آئیں اور ہندوؤں کے بڑے بڑے رشی اور مہاتما کو اپنی اعانت کے لیے بلائیں تا کہ کمزوری ظاہر ہونے پر اس عذر کا موقع نہ رہے کہ اگر فلاں شخص ہوتا تو شاید کچھ ہماری بگڑی بنا سکتا مگر کہے دیتا ہوں کہ وہ ویدک دھرم میں اتنا دم ہی نہیں ہے کہ پنڈت اور ان کے سارے مہاتما مل کر وید کے کتاب الٰہی ہونے کا ثبوت دے سکیں۔

پھرتے ہو کیا تیغ باندھے اے حسینو ناز سے
سامنے مردوں کے آؤ امتحان ہو جائے گا

(دبدبہ سکندری، رامپور، ۳۰ جولائی ۱۹۲۴ء، صفحہ ۲)

صدرالافاضل کا دوبارہ اعلانِ مناظرہ بذریعہ اشتہار

حضور صدرالافاضل کے اس چیلنج کا جب کوئی جواب نہیں ملا تو ایک بار پھر آپ نے باطل مذہب کے ٹھیکیدار شردھانند کو پھر آواز دی۔ اس مرتبہ آپ نے باضابطہ ایک اشتہار شردھانند کے خلاف شائع کیا جس میں آپ نے شردھانند سے کچھ اس طرح خطاب کیا:

> ”جب آپ ویدک دھرم کا چرچا اور آریہ مذہب کی تبلیغ کرتے ہیں اور دنیا کی اقوام کو اپنی طرف آنے کی دعوت دیتے ہیں تو آپ کا پہلا فرض تھا کہ آپ اپنے مذہب کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے تیار ہوتے اور اپنے خیالی دو ارب سال سے زیادہ عمر والے مذہب کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے دنیا کو چیلنج دیتے نہ کہ آپ سے مطالبہ کیا جائے اور آپ خاموش ہوں۔“

حضور صدرالافاضل کے اس اعلانِ مناظرہ کا شردھانند پر تو کچھ اثر نہ ہوا،

البتہ پنڈت بلدیو پرشاد، پنڈت رام چندر دہلوی میدانِ مناظرہ میں آنے کے لیے تیار ہوگئے۔ مناظرہ کے لیے بریلی شہر کا انتخاب کیا گیا۔ صدرالافاضل آگرہ سے فوراً بریلی تشریف لے آئے۔ مناظرہ شروع کردیا گیا۔ حضور صدرالافاضل کے سامنے بھلا ان بے علموں کی کیا حیثیت تھی جو زیادہ دیر پیر جما پاتے۔ صدرالافاضل نے ذرا سی دیر میں دونوں پنڈتوں کے سارے کس بل ڈھیلے کردیئے۔

آپ نے ویدا اور ویدک دھرم کے بطلان پر وہ علمی و عقلی شواہد پیش فرمائے کہ وہ مناظر پنڈت رام چندر سرعام یہ کہنے پر مجبور ہوگیا کہ ''وید سرچشمہ علوم نہیں ہے اور میں وید کے کلام الٰہی ہونے کا ثبوت پیش نہیں کرسکتا''۔

(دبدبہ سکندری، رامپور، ۱۰ ستمبر ۱۹۲۳ء، صفحہ ۸)

اور اس طرح یہ مناظرہ مسلمانوں کی فتح وکامرانی کے ساتھ اختتام کو پہنچا۔

صدرالافاضل کے خلاف آریہ اشتہار کا دندان شکن جواب

صدرالافاضل کے ہاتھوں مشہور آریہ پنڈتوں کی شرم ناک شکست کو ابھی کچھ وقت نہ گزر پایا تھا کہ بریلی سے ایک آریہ سماجی پنڈت منتری ستیہ پال نے ایک اشتہار شائع کردیا جس میں اس پنڈت نے اپنے جھوٹے مذہب کو بچانے کے لیے اپنے پنڈتوں کی شکست فاش پر جھوٹی فتح کا لیبل لگا کر شکست کا رخ صدرالافاضل کی طرف موڑ دیا تھا اور آپ کی طرف سے دیے جانے والے دعوتِ مناظرہ کو منظور کرلیا۔

جب یہ اشتہار حضور شیر بیشہ اہلسنت مولانا حشمت علی خان صاحب علیہ الرحمۃ کے ہاتھوں میں پہنچا تو آپ نے اس پنڈت کو دندان شکن جواب دیتے ہوئے صدر الافاضل کے ہاتھوں ان پنڈتوں کی جو درگت ہوئی، اس کی صحیح منظر کشی فرمائی اور اس پنڈت کے چیلنج مناظرہ کی منظوری پر خوشی کا اظہار فرمایا۔

مزید آپ نے مناظرہ کی تاریخ ۲۰ ستمبر ۱۹۲۴ء بھی مقرر فرمائی۔ ملاحظہ ہو درج ذیل مراسلہ جو اخبار دبدبہ سکندری میں شائع ہوا۔

پنڈت شردھانند مناظرہ کے لیے حاضر ہوں!

از محترم جناب عبید الرضا مولانا محمد حشمت علی خان صاحب قادری رضوی لکھنوی
از دفتر مرکز وفود اسلام، جماعت رضائے مصطفیٰ بمقام آگرہ

آج ۷ محرم ۱۳۴۲ھ کو ہمیں منتری ستیہ پال آریہ سماج بریلی کا اشتہار ملا جو انہوں نے تہذیب کا خون کر کے لکھا ہے اور ہر شخص جیسی تعلیم پاتا ہے ویسا ہی اس کی زبان سے نکلتا ہے ہمیں ان کی تعلیوں کی طرف التفات نہیں وہ اس سے زیادہ تعلیاں کریں مگر ان کی ایسی غلط بیانی پر ضرور افسوس ہے جس کی انہوں نے جرأت کی۔ ماسٹر بلدیو پرشاد اور پنڈت رام چندر صاحب دہلوی حضرت صدر الافاضل اُستاذ العلماء مولانا مولوی حکیم نعیم الدین صاحب قبلہ ظلہم العالی کے مقابل جس طرح لاجواب ہوئے اور مجمع عام میں اپنے عجز کے اقرار کیے وہ منظر ہزارہا آدمیوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ بریلی کے وہ تمام لوگ جو اس جلسہ میں شریک تھے جانتے ہیں کہ ماسٹر بلدیو پرشاد کے تمام رفقاء ان کی نازک حالت دیکھ کر ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے تھے اور ان بے چارے کی یہ حالت تھی کہ ہمت ہارے ہوئے کئی کئی منٹ کے بعد اُٹھتے تھے جس پر مضحکہ ہو رہا تھا اور پنڈت رام چندر صاحب تو ایسے عاجز ہوئے کہ انہوں نے ہزار بار آدمیوں کے مجمع میں صاف اقرار کر لیا کہ ”وید سرچشمہ علوم نہیں ہے اور وید کے کلام الٰہی ہونے کا ثبوت نہیں پیش کر سکتا۔“

کیا یہی حضرت صدر الافاضل کی زک ہے؟ کیا اسی کو حضرت اُستاذ العلماء کی شکست فاش کہتے ہیں؟ اگر زک اور شکست فاش کے یہی معنی ہیں تو ایسی زک اور شکست فاش آپ ہمیں ہزار بار دیجئے۔ آپ پنڈت شردھانند سے مجمع عام میں اقرار کرا لیجئے کہ وید کتاب الٰہی نہیں اور کہہ دیجئے کہ ہم نے مسلمانوں کو زک اور شکست فاش دے دی، ہم اس سے بہت خوش ہوں گے۔

یہ واقعے تو آریہ سماج کے لیے ایسے شرم ناک تھے کہ آریہ ان کا ذکر بھی اپنی

زبانوں پر نہ لاتے مگر اپنی اپنی حیاء۔ میں دریافت کرتا ہوں کہ کیا وید کی ایسی ہی سچائی ثابت کی جائے گی جیسی ان واقعات میں ظاہر کی گئی ہے۔ خیر یہ تو آپ جانیں جھوٹ سچ بولیں۔ آپ کو اختیار ہے آپ کا مذہب جیسی تعلیم دے وہ کیجئے لیکن ہم اس پر اظہار مسرت کرتے ہیں کہ آپ نے چیلنج مناظرہ کی منظوری کا اعلان دیا۔ اس لیے تاریخ مقرر کی جاتی ہے چونکہ آپ نے بریلی سے اعلان شائع کرایا ہے، اس لیے ۲۰ ستمبر ۱۹۲۳ء کو پنڈت شردھانند صاحب بریلی میں مناظرہ کے لیے تشریف لائیں اور ہمارے چیلنج کے مطابق حقانیت وید کے ثبوت پیش کریں۔ تعلیوں کی ضرورت نہیں میدانِ مناظرہ میں باطل کا راز فاش ہوجائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

اس تاریخ میں حضرت سیّدی صدر الافاضل استاذ العلماء جناب مولانا نعیم الدین صاحب قبلہ مدظلہم العالی بھی بریلی میں تشریف فرما ہوں گے۔ آپ کو چاہیے کہ پنڈت شردھانند کی تشریف آوری کی اطلاع ایک ہفتہ قبل بذریعہ رجسٹری آپ دیں''۔

(۱۰ر ستمبر ۱۹۲۳ء، ص ۸)

بجائے اس کے کہ آریہ سماجی میدان مناظرہ میں پہنچتے۔ ایک اور اشتہار حضور صدر الافاضل علیہ الرحمہ کے خلاف شائع کر دیا جس میں کھل کر حضور صدرالافاضل کے خلاف وریدہ دہنی کا مظاہرہ کیا گیا۔ حضور شیر بیشہ اہل سنت نے اس اشتہار کا تفصیلی جواب تحریر فرمایا جو دبدبہ سکندری میں شائع کیا گیا ہم اس کا وہ حصہ جس کا تعلق صدر الافاضل کی ذات گرامی سے ہے، نقل کرتے ہیں۔

''آج ہمیں ستیہ پال منتری آریہ سماج بریلی کا دوسرا اشتہار ملا جس میں انہوں نے بدستور سابق وریدہ دہنی سے کام لیا ہے ہم ۔۔۔۔ ان سب باتوں سے قطع نظر کر کے اصل ذکر پر پنڈت جی کو توجہ دلاتے ہیں حضرت سیّدی صدرالافاضل استاذ العلماء، مولانا مولوی محمد نعیم الدین صاحب قبلہ مدظلہم العالی نے پنڈت شردھانند کو مناظرہ کا چیلنج دیا وہ بذریعہ رجسٹری پنڈت شردھانند کو گیا اس میں مضمون وشرائط

مناظرہ مفصل بتادیے گئے۔ رسید پنڈت شردھا نند کی ہمارے پاس پہنچ گئی۔ آپ کون تھے؟ آپ کو قابل خطاب ہی کس نے گنا ہے؟ آپ کو کیا حق تھا کہ اس کے جواب میں گالیوں بھرا اشتہار شائع کراتے۔ ہمارا چیلنج مناظرہ پر جو پنڈت شردھا نند کے نام تھا۔ آپ نے کیوں منظوری کا اعلان دیا اور جب آپ دے چکے تو از انجا کہ آپ قابل خطاب نہیں، اگر چہ آپ کے سماج بھر میں کوئی بھی حضرت استاذ العلماء مدظلہ العالی کے مقابلہ آنے کے قابل نہیں۔ مگر چونکہ پنڈت شردھا نند نے علم اشدھی اس وقت ہاتھ میں لیا ہے اور تمام سماجیں ان کے پیچھے ہولئے ہیں، اس لیے ہم نے دوسرا اشتہار آپ کی منظوری پر پھر انہیں کے نام شائع کیا اور اس میں مقام مناظرہ بریلی بھی مقرر کر دیا اور پنڈت شردھا نند تک بذریعہ رجسٹری پہنچا دیا۔ اس دوسری مرتبہ بھی رسید ان کی ہماری پاس آ گئی۔ ہماری طرف سے ۲۰ ستمبر مناظرہ کے لیے مقرر ہے۔ حضرت استاذ العلماء مدظلہ العالی اس تاریخ کو بریلی تشریف فرما ہوں گے ...... اگر تاریخ مذکور پر پنڈت شردھا نند مناظرہ کے لیے حاضر نہ ہوئے تو ویدک دھرم کی شکست فاش اور آریہ سماج کا فاحش قرار ہوگا''۔

(دبدبہ سکندری، ۱۷ر ستمبر ۱۹۲۳ء، ص ۸، ۹)

سراج گنج بنگال میں صدرالافاضل کا آنا اور شردھا نند کا بھاگنا

اس مقررہ تاریخ پر بھی پنڈت شردھا نند یا اس کا کوئی حواری میدان مناظرہ میں نہیں پہنچا مگر صدرالافاضل نے بھی جیسے قسم کھالی ہو کہ جب تک شردھا نند ہاتھ نہیں آئے گا چین کی سانس نہیں لوں گا، آپ جا بجا اس کا پیچھا کرتے رہے۔ آپ کو پتا چلتا کہ وہ آج فلاں گاؤں میں گیا ہے، آپ بھی وہیں پہنچ جاتے مگر اس سے پہلے کہ آپ اس کو پکڑ پاتے وہ فرار ہو جاتا اور اس طرح لوگوں پر یہ بات آشکار ہوتی چلی گئی کہ شردھا نند مناظرہ کرنے کے لائق نہیں ہے۔ آریوں کو یہ بات بڑی ندامت آمیز محسوس ہوئی۔

اس پس منظر میں انہوں نے صدرالافاضل کو سراج گنج بنگال میں آ کر شردھانند سے مناظرہ کا چیلنج دے دیا۔ صدرالافاضل تو پہلے ہی سے موقع کی تلاش میں تھے، فوراً سراج گنج بنگال روانہ ہو گئے۔ جب آپ مناظرہ گاہ میں پہنچے تو شردھانند آپ کو دیکھتے ہی فرار ہو گیا۔

جماعت اشاعۃ الحق مرادآباد سے شائع شدہ ایک اشتہار میں اس کا خلاصہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

''حامی دین وملت ناصر شریعت حضرت مولانا مولوی حافظ حکیم محمد نعیم الدین صاحب ...... لالہ شردھانند کے مقابلے کے لیے سراج گنج بنگال بلائے گئے تھے، وہاں تشریف لے گئے اور الحمدللہ ہیبت حق کا یہ اثر ہوا کہ شردھانند صاحب اپنا جلسہ چھوڑ کر روانہ ہو گئے وہاں کی پبلک نے حق کی صولت اپنی آنکھوں سے دیکھی''۔

(اشتہار بعنوان ''مسلمانوں کی حالت اور اظہار افسوس'')

صدرالافاضل کی تبلیغی کارکردگی اور علمائے کرام کے تاثرات

آخر میں صدرالافاضل کی شدھی تحریک میں اعلیٰ کارکردگی سے متعلق چند مقتدر شخصیات کے تاثرات نقل کیے جاتے ہیں۔

مولانا قناعت علی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:

''حضرت مولانا مولوی حکیم حافظ سیّد شاہ محمد نعیم الدین صاحب کا کس زبان سے شکریہ ادا کیا جائے کہ انہوں نے اپنی تمام ضروریات سے منھ موڑ کر دینی خدمت کے لیے وفد جماعت رضائے مصطفیٰ میں روز اوّل ہی سے اپنے آپ کو وقف کر دیا''۔

(دبدبہ سکندری، ۱۶/اپریل ۱۹۲۳ء، ص ۴، ۵)

مفتی بہرائچ قاضی احسان الحق علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''استاذ العلماء مولانا حکیم محمد نعیم الدین ...... جیسے ناز پرور ہستیاں آج خدمت دین متین کے لیے گاؤں گاؤں پھرتے ہیں پیروں میں چھالے پڑتے ہیں،

فاقے کرتے ہیں، مگر سماجی شرارتوں کے خاتمے پر تلے ہیں"۔

(دبدبہ سکندری، ۱۶/ جولائی ۱۹۲۳ء، ص ۸)

اراکین جماعت رضائے مصطفیٰ نے اس طرح آپ کی خدمات جلیلہ کا اظہار کیا:

"مفتی شاہ محمد مصطفیٰ رضا خان صاحب صدر شعبہ تبلیغ وحضرت فاضل اجل عالم بے بدل امام المناظرین استاذ العلماء جناب مولانا مولوی حافظ حکیم سیّد محمد نعیم الدین صاحب دامت برکاتہم کی جانفشانیاں اور محنتیں اور ان حضرات کے فیوض و برکات اور سرگرم مساعی کا تذکرہ جماعت کے پاس زبان نہیں ہے کہ ادا کر سکے۔ انہیں کی ہمت و برکت تھی کہ جماعت کے ہر معرکہ اور ہر موقع میں امید سے زیادہ کامیابیاں نصیب ہوئیں، ہم نہ ان کے اس احسان کو فراموش کر سکتے ہیں اور نہ ان کے شکریہ سے عہدہ برآ ہوسکتے ہیں جو تکلیفیں انہوں نے اٹھائی ہیں اور جو محنتیں برداشت کی ہیں ان کے نقوش ہمارے سینوں سے کبھی محو نہیں ہو سکتے ہیں"۔

(دبدبہ سکندری، یکم مارچ ۱۹۲۶ء)

الحاصل:

حضور صدرالافاضل نے تحریک شدھی کے سدباب میں جس اعلیٰ کارکردگی اور قائدانہ ومجاہدانہ کردار کا مظاہرہ فرمایا ہے یقیناً یہ آپ ہی کا حصہ ہے اور یہ اوراق اس کے متحمل نہیں ہیں کہ یہاں آپ کے شدھی تحریک میں نمایاں کارناموں کا تفصیلی ذکر کیا جاسکے۔ اس کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔

اللہ ہمیں صدرالافاضل کے ان تبلیغی کارناموں سے دروس عبرت اخذ کرنے کی توفیق رفیق مرحمت فرمائے اور ان کے طفیل ہمیں بھی دینی وتبلیغی جذبہ عطا فرمائے آمین بجاہ النبی الامین الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

***

تحریک پاکستان کے ممتاز راہنما

صدر الافاضل حضرت
مولانا سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی نور اللہ مرقدہٗ

ازقلم: جناب پروفیسر اشتیاق طالب (کراچی)

مرادآباد۔ ایک عہد ساز شہر

دارالحکومت دلی سے ۱۰۰ میل دور مشرق میں دریائے رام گنگا کے کنارے آباد مغرب سے مشرق جانے والوں کی گزرگاہ، خانقاہوں درس گاہوں اور برصغیر کے ممتاز خانوادوں کا وطن۔۔۔ شیر شاہ سوری کی تاریخی جرنیلی سڑک پر واقع، باؤلیوں، حویلیوں، باغوں، سراؤں اور تہذیبوں کا شہر۔۔۔ شہنشاہ تغزل جگر کا دیس۔۔۔ روہیلوں کا گڑھ۔۔۔ ایک طرف پانچ ہزار سال قدیم تہذیب کا علاقہ سنبھل۔۔۔ دوسری جانب علم ودانش کا مرکز امروہہ۔۔۔ صوفیائے کرام اور اولیائے کرام کی بارگاہ۔۔۔ شہر آرزو، شہر سخنوراں، نامیوں اور ناموروں کی سرزمین۔۔۔ شعلہ رخوں اور آتش بیانوں کا شہر نام اس کا مرادآباد ہے۔

شاہ جہاں بادشاہ کے بیٹے شہزادہ مراد کے نام پر رستم خان نامی جرنیل نے اس بستی کا نام "مرادآباد" رکھا تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے ہراول دستے اسی دیارِ غیرت منداں سے کوچ کرتے تھے۔۔۔ یہیں جنرل بخت خان پیلی کوٹھی میں آکر گوروں کے خلاف صف آراء ہوتا رہا۔۔۔ شہیدان جنگ آزادی کے ناموروں مولانا وہاج الدین عرف

منو، مولانا کفایت علی کافی، نواب مجید الدین عرف مجو، رسالدار محمد شفیع کی آخری آرام گاہ، شہیدوں کے لہو کے امانت دار تاریخی محلے کٹار شہید اور گل شہید اسی شہر کے ماتھے کے جھومر ہیں۔

زمین ایسی کہ سونا اگلے، موسم ایسے شریر کہ جسموں کو گدگدائیں، تہوار ایسے دلکش کہ رنگوں کی دھنک پھیل جائے، گلی گلی ایک ہنر، گھر گھر فنکار، وسعت اور آبادی کے اعتبار سے مراد آباد کا علاقہ اتنا اہم نہیں لیکن ممالک متحدہ آگرہ واودھ کے سربلند وسرفراز شہروں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔۔۔ظروف سازی میں ساری دنیا اس کی معترف۔۔۔دنیا کا شاید ہی کوئی ایسا گھر ہو جہاں مراد آباد کی صنائی کا کوئی نہ کوئی نمونہ موجود نہ ہو۔۔۔ہندوستان کی کل برآمدات میں مراد آباد کا ایک نمایاں حصہ ہے تمبا کو کی صنعت اس پر مستزاد ہے۔

صوبہ یوپی میں غلے کی ایک بڑی منڈی تحصیل چندوسی کا تعلق بھی ضلع مراد آباد سے ہے۔ مراد آباد کا علاقہ مردم خیز ہے اس نے بہت سے نامور انساں پیدا کیے۔ سرسید احمد خان نے مسلم یونی ورسٹی کے قیام کے لیے سب سے پہلے اسی شہر سرفروشاں کو منتخب کیا تھا۔ طبیب حاذق (تصدق حسین) حکیم باؤلے بھی اسی بستی میں شفا تقسیم کرتے تھے۔۔۔اُردو کی سب سے بڑی ادیبہ ''آگ کا دریا'' کی مصنفہ قرۃ العین کی والدہ کا تعلق بھی اسی کوچہ دلداراں سے ہے۔۔۔لیلیٰ کے خطوط لکھنے والے اُردو کے صاحب طرز ادیب، انشاء پرداز اور بے مثال صحافی عبدالغفار نے اسی اس زمین پر آنکھیں کھولیں۔۔۔۔شام اودھ کے مصنف تنقید نگار بزرگ اُستاذ ڈاکٹر محمد احسن فاروقی کا مولد بھی یہی شہر بے مثال ہے۔

صحافت وسیاست کے قدآور مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کی بے شمار نسبتیں اسی شہر با مراد سے ہیں۔۔۔اُردو کے بے مثال بزرگ ادیب و محقق داستان اُردو کے مصنف مولانا حامد حسن قادری کا تعلق بھی ضلع مراد آباد کے ایک قصبے بچھرایوں سے ہے۔۔۔ شاہ محمد ابراہیم، شاہ بلاقی، شاہ مکمل اور حافظ صاحب جیسے بلند مرتبت اور صاحب کرامت بزرگوں کا بھی یہی مسکن ہے۔۔۔غالب نے دلی سے مشرق کی طرف کوچ کرتے ہوئے اسی

بستی کی مشہور ''فضل سرائے'' میں قیام کیا تھا۔ یوپی میں اپنی طرز کا سب سے منفرد مسافر خانہ بھی یہیں تعمیر کیا گیا۔

یہ وہ مسافر خانہ ہے جس کی عمارت کا آج بھی دور دور تک ثانی نہیں۔ تحریک پاکستان اور مسلم لیگ کی تحریکوں میں مراد آباد نے اپنی بساط سے بڑھ کر حصہ لیا۔

ہندوستان میں ہونے والے فرقہ ورانہ خون ریز فسادات بھی اسی بناء پر یہیں ہوئے تھے۔ ۱۹۴۷ء میں لٹے پٹے ہندوستانی مسلمانوں کو مراد آباد ہی نے پناہ دی تھی۔

مراد آباد کا ذکر کیے بغیر تحریک پاکستان اور مسلم لیگ کی کہانی ادھوری اور ہندوستان کی تاریخ نامکمل ہے۔ اسی شہر بے مثال میں ماضی قریب کی ایک یکتائے روزگار شخصیت جو ایک طرف علم وفضل میں یگانہ روزگار تھی تو دوسری جانب علوم روحانیت میں منفرد و بے مثال تھی۔ انہوں نے شریعت وطریقت کے امتزاج سے علم وفضل کا دربار لگایا تھا جس کے آباء واجداد مغل تاجدار عالم اور بزرگ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد حکمرانی میں ایران کے شہر مشہد سے ہندوستان آئے۔ بادشاہ نے ان کے علم وفضل کی قدر و منزلت کی۔ مسند پر بٹھایا اور جاگیر بھی عطا کی۔ سرزمین مراد آباد نے ان بزرگوں کی ایسی پذیرائی کی اور یہ زمین ان کے قدموں سے ایسی لپٹی کہ وہ یہیں کے ہو رہے اسی کو اپنا مسکن بنا بیٹھے۔

مولانا نعیم الدین کی آمد

اسی خاندان کے ایک عالم دین اور شاعر مولانا محمد معین الدین نزہت کے ہاں ۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۳ء میں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا تاریخی نام غلام مصطفیٰ رکھا گیا۔ مگر مشہور سیّد محمد نعیم الدین کے نام سے ہوا۔ حافظہ کا یہ عالم کہ آٹھ (۸) سال کی عمر میں قرآن حکیم حفظ کر لیا۔ ذہانت کی یہ نیرنگیاں کہ مولانا شاہ فضل احمد امروہوی سے ملاحسن تک درس نظامی کی کتابیں پڑھیں۔

عربی میں کمال اور طب میں مہارت حاصل کی۔ شیخ الکل مولانا سید شاہ محمد گل قدس سرہ سے فلسفہ، منطق، اقلیدس اور حدیث وتفسیر کی تعلیم حاصل کی اور سند بھی اور انہی سے

بیعت بھی ہوئے۔ زندگی کی انیسویں (۱۹) بہار میں علم وفضل کے رنگ ونور سے یہ گل تو بہار ایسا مہکا کہ اس کی خوشبو سے فضائیں معطر ہوگئیں۔ ۱۹۰۲ء میں مدرسہ امدادیہ، مرادآباد سے دستارِ فضیلت حاصل کی۔ بیسویں (۲۰) برس میں "الکلمۃ العلیا" لکھ کر باکمالوں سے داد و تحسین حاصل کی۔ ذہانت کی چھوٹ دور دور پڑنے لگی اہل کمال اس کے گرد جمع ہونے لگے۔

اس دربارِ علم وفضل میں خاص وعام کی تفریق نہ تھی۔ اپنے بیگانے کا امتیاز نہ تھا۔ نہ طرہ ودستار کا رعب ودبدبہ تھا اور جاہ ومنصب کا۔ ہاں جاہ وجلال تھا تو علم کا اور حسن وجمال تھا تو عرفان کا۔ دبدبہ تھا تو ذہانت کا، رعب تھا تو نکتہ رسی کا۔ اس کا دربار تشنگانِ علم کا سرچشمہ، عالموں اور باکمالوں کا مرکز، علم کی روشنی میں اس کا چہرہ سورج کی طرح تابناک مگر عجز و انکساری کا مجسمہ تھا۔ لہجے میں وہ نرمی جیسے خوشبو کی پھوار، اندازِ استدلال ایسا کہ دشمن کو بھی داد پر مجبور کردے۔ ذہانت وہ کہ فلسفہ ومنطق حیرت سے منہ تکیں۔

اعلیٰ حضرت کے معتمد خاص

فاضل بریلوی اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان کے معتمد ہونے کی وجہ سے اس یکتائے روز شخصیت نے اپنا لوہا منوالیا۔ اس کی ذہانت اور طرز استدلال نے بڑے بڑے عالموں، فاضلوں اور بزرگوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا تھا۔ اس کی سیدھی سادی مدلل اور دلکش تحریروں نے دلوں پر سکہ جما دیا تھا۔ اس کے فتوے اور نکتہ آفرینیوں نے اپنے مخالفوں سے داد وصول کی تھی۔ اس ذہانت محنت اور لگن نے مولانا سیّد محمد نعیم الدین کو مولانا احمد رضا خان بریلوی کے قریب کردیا۔

گو مولانا موصوف اپنے اُستاذ مولانا سیّد محمد گل صاحب سے مجاز وماذون تھے لیکن جب شیخ المشائخ شاہ علی حسین اشرفی سے نیاز حاصل ہوا تو ان کی مسحور کن شخصیت نے متاثر کیا۔ شیخ اوّل نے اپنی روحانیت سے مرید کی کیفیت دیکھی تو خود مولانا سیّد محمد نعیم الدین کو لے کر شیخ کچھوچھوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا:

"حضرت والا یہ فرزند میرا شاگرد، مرید خلیفہ مجاز وماذون متقی اور متبع

آخرت ہے جو کچھ ان کے لیے میرے پاس تھا وہ دے دیا اب ان کا
کچھ حصہ آپ کے پاس ہے وہ آپ عطا فرمادیں"۔

اس طرح مولانا سیّد محمد نعیم الدین سلسلہ اشرفیہ سے بھی منسلک ہو گئے۔

سیاسی وسماجی بصیرت

فاضل بریلوی کی نظروں نے اس جوہر قابل کو پہچانا اور بریلی سے علمی خلافت بھی عطا ہوئی۔ درس وتدریس کو خراج تحسین کے صلے میں علماء نے صدرالافاضل کے لقب سے ملقب کیا۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ صدرالافاضل نہ تو فاضل بریلوی کے مرید تھے اور نہ دست گرفتہ خلیفہ۔۔۔ یہ لیکن خصوصیت صرف مولانا سیّد محمد نعیم الدین کو حاصل رہی کہ جہاں فاضل بریلوی اپنی شرعی ذمہ داریوں اور مصروفیات کی وجہ سے خود شرکت نہ فرماتے، وہاں مولانا سیّد محمد نعیم الدین آپ کی نمائندگی کرتے۔

مولانا موصوف نہ صرف خانوادۂ بریلی بلکہ برصغیر کے تمام خانوادوں میں قابل اعتماد شخصیت رہے۔ مولانا سیّد محمد نعیم الدین نہ صرف ایک عالم دین، پیر طریقت، اُستاذ اور مبلغ تھے بلکہ سیاسی مفکر بھی تھے۔ وہ ہر سیاسی مسئلے کو کتاب وسنت کی روشنی میں جانچتے اور پرکھتے تھے۔ ان کے نظریات اٹل تھے اس لئے وہ ہر اُس نظریہ اور تحریک سے دور رہے جس کا انجام بے دینی اور قوم کی تباہی وبربادی تھا۔

اس اُصول پر وہ آخر دم تک قائم رہے۔ ان کے خیالات اور اُصولوں کو کوئی متزلزل نہ کرسکا۔ وہ اپنی جگہ خود ایک کوہِ گراں تھے۔ دوسرے علماء کی طرح غیروں کے حاشیہ بردار نہ بنے بلکہ اپنا سیاسی شعور بیدار کرتے رہے، یہی وجہ تھی کہ وہ تحریک خلافت کی کمیٹی میں حریص اور نام ونمود کے متوالے علماء کے ساتھ شامل نہیں ہوئے بلکہ اس تحریک کے بارے میں انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کرلیا تھا کہ:

"یہ تحریک ایک صورت فریب اور دھوکے سے زیادہ نہیں۔ نتیجے میں ہندو غالب آجائیں گے اور یہ سب کچھ مسلمانوں کو دھوکا دیا جارہا ہے"۔

مولانا کو اس تحریک سے کوئی اختلاف نہیں تھا بلکہ اس تحریک میں شامل علماء کی عاقبت نااندیشی پر دکھ اور مسٹر گاندھی کی قیادت سے اختلاف تھا کیونکہ مولانا نے مسٹر گاندھی کے مزاج اور باتوں کے تضاد کی اصل وجہ کو سمجھ لیا تھا۔ اس جماعت کے ذریعہ ان کا مقصد تحریک ترکِ موالات کو کامیاب بنانے کے لیے مسلمانوں کو اپنا ہم خیال اور حامی بنانا تھا۔

(السواد الاعظم بشوال المکرم ۱۳۳۸ھ صفحہ نمبر ۱۷)

مولانا نے اسی پہلو کو سامنے رکھ کر برصغیر کے مسلمانوں اور تحریک میں شامل علماء کو کچھ اس طرح سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

''ہندو نادان نہیں، ان کی کوئی حرکت عبث و بے کار نہیں، وہ ہر کام کے لیے کوئی نہ کوئی مقصد رکھتے ہیں۔ ان کا ہر عمل اسی مقصد کے محور پر گردش کرتا ہے۔ جب تم نے انہیں اپنا پیشوا بنایا تو وہ اپنے مقصد کو مقدم رکھیں گے۔ ایک اور جگہ مسٹر گاندھی کے مزاج اور باتوں کے تضاد کو اس طرح پیش کرتے ہیں۔

> ''ایک طرف تو مسٹر گاندھی مسلمانوں سے یہ خطاب کرتے ہیں کہ تمہارے خطابات بالکل جائز ہیں اور تم حق بجانب ہو میں تمہارے ساتھ ہوں۔۔ دوسری طرف مسٹر گاندھی لب ولہجہ بدل کر یہ فرماتے ہیں کہ دیکھو خبردار قانون کی حدود سے باہر قدم نہ رکھنا۔ امن عامہ میں خلل اندازی کرنے سے باز رہنا، ورنہ میں تمہارے ساتھ نہیں جس سے گورنمنٹ کو مسلمانوں کی شوریدی سری اور قانون شکن اور امن عامہ میں فاور انگریزی کا ثبوت دینا چاہتے ہیں اور اپنے آپ کو امن عامہ اور قانون کا حامی ظاہر کرتے ہیں''۔

(تحریک آزادیٔ ہند اور السواد الاعظم۔ محمد مسعود احمد، ص ۲۲۱)

مسلمانانِ ہند کے لیے رہنمائی

مولانا سید محمد نعیم مرادآبادی نے تحریک کی ظاہری صورت، زور شور، چمک دمک، جذباتیت اور گاندھی کی چالاکیوں اور مقاصد کو دیکھ کر جو نتیجہ اخذ کیا، وقت نے اس کو صحیح

کر دکھایا اور خود ہندوستان کے مسلمانوں نے بھی دیکھ لیا کہ خلافت کمیٹی گاندھی جی کی اسیر اور کانگریس کا شکار ہو کر اس کی قصیدہ خواہ بن گئی۔ اس کا تمام تر سرمایہ کانگریس کے استحکام، طاقت اور ترویج واشاعت پر خرچ ہوا جو مسلمان قوم کے گاڑھے پسینے کی کمائی تھی وہ انہی کے خون سے ہولی کھیلنے کے لیے ہندوؤں کے ہاتھ آئی۔

اس کامیابی کے بعد کانگریس نے علماء کو ہم خیال بنا کر مسلمانوں کے قتلِ عام کے لیے جو سازشیں کیں، حربے استعمال کیے اور چالیں چلیں وہ خود کانگریس کے ظلم وستم کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ مثال کے طور پر شدھی کی تحریک آریہ سماجی شردھانند کے شر وفساد اور گورکل تحریک کے ذریعہ مسلمانوں کے خلاف نفرت وحقارت کا جو انتقامی جذبہ اور جنون پیدا کیا، کانگریس کی عبوری حکومت کے دوران مسلمانوں پر جو زیادتیاں کی گئیں اور امن وامان کے جو مسائل پیدا کیے گئے وہ خود کانگریس اور ہندوستان کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکا بنے اور مسلمانوں میں اتحاد واستحکام، تحفظ اور علیحدہ مملکت کے حصول کا جواز بنے، لیکن کانگریس کے پجاری علماء ان تمام باتوں سے بے خبر اپنے آپ میں مگن اور مست وبے خود رہے جس پر ہندوستان کے مسلمان آج تک شرمندہ ہیں۔

مولانا سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی نے ان تمام واقعات کو دیکھ کر فرمایا تھا:

''دیکھو میں نہ کہتا تھا کہ ہندوؤں پر بھروسا کرنا کسی وقت بھی صحیح نہ تھا، فرمان حق، حق نکلا، کفار سے مسلمانوں کی فلاح وبہبود کی توقع رکھنا سخت نادانی اور عاقبت نااندیشی ہے۔

(حیات صدر الافاضل)

اسی طرح مسلمانوں کے خلاف کانگریس کے عزائم اور اس کی گھناؤنی چالوں اور ہتھکنڈوں کے پیش نظر مسلمانوں کو سمجھانے کی کوشش کی تھی، انہوں نے فرمایا تھا:

''اگر تم اب بھی ہوش میں نہیں آئے اور تنظیم نہ کی تو پھر جو انجام ہونا ہے اس کے لیے تیار رہو''۔

(حیات صدر الافاضل)

آل انڈیا سنی کانفرنس کی بنیاد اور اغراض و مقاصد

مولانا موصوف نے مسلمانوں کے تحفظ اور اتحاد کی خاطر ۱۹۲۵ء میں مرادآباد میں آل انڈیا سنی کانفرنس کی بنیاد ڈالی اور اس کی شاخیں قائم کیں۔ مولانا کی یہ کوششیں بارآور ثابت ہوئیں۔ آل انڈیا سنی کانفرنس کی تعمیر و تشکیل جن مقاصد کے حصول کے لیے کی گئی تھی وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ہندوستان کے سنی مسلمانوں کی کثیر تعداد کے انتشار کو دور کر کے ان کی تنظیم کرنا اور انفرادی طور پر مذہبی کام کرنے والوں میں ایک ربط پیدا کر کے متحدہ قوت بنانا۔

۲۔ ہندوستان کے ہر شہر، قصبات و دیہات میں اسلامی انجمنیں قائم کرنا اور موجودہ انجمنوں کو جمعیت عالیہ کے ساتھ مربوط کرنا۔

۳۔ تبلیغی کام کو ایک نظم محکم کے ساتھ وسیع کرنا اور اس کے لیے مفید ذرائع اختیار کرنا

۴۔ تبلیغ کی تعلیم دینے کے لیے خاص مدارس کھولنا۔

۵۔ مذہبی تعلیم عام مسلمانوں کے ہر طبقے کو مذہب سے باخبر اور شائستہ کرنا۔

الف: انگریزی خواں طلبہ کے لیے مذہبی تعلیم کا خاص اہتمام اور آسان ذرائع بہم پہنچانا

ب: مزدوروں اور پیشہ وروں کی تعلیم کے لیے مدارس شبینہ جاری کرنا۔

۶۔ مسلمانوں کو تجارت کی طرف مائل کرنا اور ان کی معاشرت میں اصلاح کرنا

۷۔ مسلمانوں سے قرض کی عادت چھڑوانا اور ایسی تدابیر اختیار کرنا کہ مسلمان اپنی ضرورتیں خود پوری کریں اور غیر قوم کے سامنے قرض کے لیے ہاتھ پھیلانے کی ذلت سے محفوظ رہیں۔

۸۔ مقروض مسلمانوں کے لیے وہ تدابیر اختیار کرنا وہ ایک محدود مدت میں قرض سے سبکدوش ہو جائیں۔

۹۔ بے روزگار مسلمانوں کے لیے ذریعہ معاش تجویز کرنا اور انہیں کام پر لگانا۔

(السواد الاعظم مرآباد، ذی قعدہ، ۱۳۴۵ھ ص ۵)

کانفرنس کے ان مقاصد کے پیش نظر برصغیر کے مختلف حصوں میں اس کے اجلاس منعقد ہوئے۔ان اجلاسوں میں نہ صرف مسلمانوں کے اتحاد و تنظیم پر زور دیا گیا بلکہ جمعیت العلماء ہند کی گمراہ کن پالیسیوں پر سخت تنقید کی گئی اور کانگریس کی سازشوں، چالاکیوں کا جائزہ پیش کر کے مسلمانوں کو اس کے زہر، نقصانات اور گھناؤنے جرائم سے باخبر رکھا گیا۔

اس سلسلے میں آل انڈیا سنی کانفرنس کا ایک اجلاس ۱۸ ستمبر ۱۹۲۸ء کو مراد آباد میں منعقد ہوا۔جس میں نہرو کمیٹی کی رپورٹ کے خلاف قرارداد پاس کی گئی جس میں لازمی تعلیم کے ساتھ جزوی طور پر مذہبی تعلیم کو لازمی قرار دینے پر زور دیا گیا۔

(السواد الاعظم، جمادی الاولی، ۱۳۴۷ھ، ص ۱۸)

آل انڈیا کانفرنس کے اجلاس منعقد کرنے کا جو مقصد تھا اگر چہ وہ کانفرنس کے تنظیمی مقاصد میں بیان ہو چکا ہے لیکن اس کی وضاحت جس طرح مولانا محمد عمر نعیمی نے کی ہے وہ خود اپنی جگہ بڑی اہم اور دور رس نتائج کی حامل ہے۔مولانا محمد عمر نعیمی صاحب فرماتے ہیں۔

> ''ہندوستان کے لیے مراعات طلب کرنے میں اگر ہندوستان نے مسلمانوں کی پروا نہیں کی تو مسلمان اپنی آواز خود علیحدہ کیوں نہ اُٹھائیں؟ اپنے لیے ضروری اور مناسب مراعات کیوں نہ طلب کریں، اپنے حقوق کے مطالبے سے کیوں زبان روکیں''۔

(السواد الاعظم، ربیع الاول، ۱۳۴۹ء، ص ۱۲)

دو قومی نظریہ کے وجود کی بنیاد

دور اندیشی، ذہانت اور تجربات سے پیدا ہوتی ہے۔صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی نے ہندوؤں اور انگریزوں کی مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں سے یہ اندازہ لگایا گیا تھا کہ ہندوستان میں مسلمان ہندوؤں کے ساتھ مل کر نہ تو پرسکون زندگی گزار سکتے ہیں اور نہ ہی اپنی تہذیب و ثقافت کا تحفظ کر سکتے ہیں اور نہ اپنے دین کی ترویج و اشاعت کا کام بحسن و خوبی سر انجام دے سکتے ہیں۔

ان کے نزدیک دونوں قومیں اپنے اپنے طور پر جداگانہ قومی نظریہ کے تحت زندگی

گزار سکتی ہیں۔ اس لیے برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ مملکت کا حصول نہایت ضروری ہے۔

دو قومی نظریئے کے سلسلے میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ سب سے پہلے اُردو زبان کے خلاف ہندوؤں نے آواز اُٹھائی۔ ہندوؤں کی سازشوں، کینہ پروری، پس پردہ مسلم دشمنی اور اُردو ہند قبضے کے پیشِ نظر سرسیّد احمد خان نے نواب محسن الملک کو ایک خط میں لکھا تھا۔

''ہندوؤں کا یہ رجحان ایک دن ہندوؤں اور مسلمانوں کو الگ الگ کردے گا''۔

(قومی زبان کراچی، دسمبر ۷۶ء، ص ۲۹)

اُردو کے خلاف ہندی زبان کی جب تحریک شروع ہوئی تو بنارس کے کمشنر مسٹر شیکسپیئر نے سرسیّد احمد خان سے بڑے دکھ کے ساتھ یہ بات کہی تھی۔

''یہ پہلا موقع تھا کہ جب مجھے یقین ہوگیا کہ اب ہندوستان کا بطور ایک قوم کے ساتھ چلنا اور دونوں کو ملا کر ایک قوم بنانے کی کوشش کرنا محال ہے۔

(تحریک آزادی، صلاح الدین ناسک، ص: ۲۷۱)

سرسیّد احمد خان کی پیش گوئی اور مسٹر شیکسپیئر کے خدشات دونوں حقیقت بن کر سامنے آگئے۔ ہندوؤں کے مذہبی جنون، سیاسی، ریشہ دوانیوں اور نفرتوں نے مسلمانوں کو اپنے دین، تہذیب وثقافت، زبان اور اپنے تحفظ کے لیے علیحدہ مملکت کے حصول کے لیے مجبور کر دیا۔ یہی وہ عوامل، محرکات اور رویئے تھے جو ہندوستان میں ایک نظریہ کے بجائے دو قومی نظریہ کے وجود کی بنیاد بنے۔ اس سلسلے میں اس وقت کچھ سیاسی اکابرین نے اس پر اظہار خیال ضرور کیا تھا لیکن سیاسی پلیٹ فارم سے منظم طور پر کوئی قدم نہیں اُٹھایا گیا۔

مسلمانوں میں سیاسی شعور کی بیداری

برصغیر میں سیاسی اکابرین، زعماء نے حالات کا رخ دیکھتے ہوئے بھی دو قومی نظریہ کے لیے منظم تحریک شروع کی اور نہ واضح طور پر اس کا عوام تک پہنچانے کی بھرپور کوشش کی۔ مولانا سیّد محمد نعیم مرادآبادی وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے سیاسی نقطہ نظر کے ساتھ ساتھ

قرآن حکیم اور احادیث کی روشنی اور عقلی دلائل کے ساتھ دوقومی نظریہ کی بھرپور وضاحت بھی کی اور وکالت بھی کی تھی جس سے دوقومی نظریہ کی اہمیت واضح ہوئی اور خاص طور پر مسلمانوں میں دوقومی نظریہ جڑ پکڑ گیا۔

مولانا موصوف نے اس طرح مسلمانوں میں سیاسی شعور بیدار کرکے ہندو اور کانگریس کے ہتھکنڈوں اور چالوں سے بچالیا کیونکہ اس نظریہ کے خلاف گاندھی پرست اور کانگریس علماء نے زہر اُگلنا شروع کردیا اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی پوری پوری کوشش کررہے تھے۔ نفسیاتی ہتھکنڈے استعمال کررہے تھے۔ خوبصورت اور پرفریب نعرے کے ذریعہ مسلمانوں کو یوں دھوکا دینے کی کوششوں میں مصروف تھے کہ:

> ''ہندو مسلم دوقومیں نہیں ہیں بلکہ ایک قوم ہے، دونوں کا وطن ہندوستان ہے، ملت وطنیت سے بنتی ہے اس لئے ملت کے وجود کو تقسیم کرنا صحیح نہیں ہے''۔

یہ وہ پُرفریب نعرے اور ہتھکنڈے تھے جن کا طلسم مولانا سید محمد نعیم الدین اور علامہ اقبال نے توڑا تھا، جبکہ ہندو مسلم اتحاد پر لالہ لاج پت رائے نے مسٹر سی آر داس کے نام خط میں اس حقیقت کی طرف واضح طور پر اظہار کیا تھا:

> ''میں چاہتا ہوں کہ آپ کو اس دعوتِ غور وخوض دوں، گزشتہ چھ ماہ میں میں نے اپنے وقت کا بیشتر حصہ اسلامی تاریخ اور اسلامی قوانین کے مطالعہ میں مصروف کیا ہے اور اس سے جس نتیجے پر پہنچا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ چیز یعنی ''ہندو مسلم اتحاد'' ایک امر محال ہے اور ناقابل عمل شے ہے''۔

اسی خط میں عدم تعاون کی تحریک میں شامل علماء کے بارے میں لالہ لاج پت رائے نے اظہار کیا ہے کہ میں نے تاریخ اسلام اور اسلامی قوانین کے مطالعہ سے جو کچھ نتائج اخذ کیے ہیں وہ خود ایک حقیقت کا ادراک ہے۔ لکھتے ہیں۔

> ''وہ مسلم رہنما جو عدم تعاون کی تحریک میں شامل ہیں، اگر ان کے

خلوص نیت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو پھر بھی میرے خیال میں ان کا مذہب اس چیز پر ہندو مسلم اتحاد کے راستے میں رکاوٹ ثابت ہوگا"۔

اس مسلمہ حقیقت کے باوجود زعماء اور علماء کرام کا ہندو مسلم اتحاد پر زور دینا خود مسلم اتحاد کو کمزور کرنے کے مترادف تھا۔ مسٹر گاندھی کی پیروی اور گاندھی جی کے فلسفے کو فکر و شعور کے دروازے بند کر کے قبول کرنا انتہائی نادانی کی بات تھی۔

کانگریس کے پُرفریب نعرے اور ہتھکنڈے

مسٹر گاندھی کے فلسفے اور شخصیت نے شعوری طور پر ان کانگریسی زعماء کو اس طرح اپنی پیروی کرنے پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ گاندھی جی کا فلسفہ کانگریس کا لائحہ عمل بن چکا ہے، ان کی ساری جدو جہد کانگریس کو مضبوط و مستحکم اور ہندوستان کی واحد بڑی سیاسی جماعت بنا کر ہندوؤں کو طاقتور بنانا تھا اور مسلمانوں کو کمزور کرنا تھا۔

گاندھی جی اور کانگریس کے اس تمام طریقہ کار اور چالاکیوں کے باوجود اخبار مدینہ (بجنور) اس طرح رقم طراز ہے:

> "کانگریس کے ہر بشرے کے لیے ضروری ہے کہ وہ گاندھی جی کے فلسفہ زندگی کو دنیا کے تمام دوسرے فلسفہ ہائے زندگی سے بہتر سمجھے اور کانگریس کے پروگرام کو گاندھی جی کے فلسفے کی روشنی میں دیکھے۔ جو شخص ایسا نہیں کر سکتا وہ کانگریس کا ممبر نہیں بن سکتا"۔

(اخبار مدینہ بجنور ۱۷ اگست ۱۹۳۹ء)

اس کا سیدھا سادہ مطلب یہی ہے کہ کانگریس میں شامل مسلمان بھی گاندھی جی کے فلسفے کو اپنائے بغیر کانگریس کے ممبر نہیں بن سکتے۔ جبکہ لالہ لاج پت رائے واضح طور پر کہہ چکے ہیں کہ:

"ہندو مسلم اتحاد" کے راستے میں ان کا مذہب ایک زبردست رکاوٹ ثابت ہوگا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسلمان گاندھی جی کے فلسفہ کو جبراً و قہراً اپنائے ہوئے ہیں یا

پھر وہ مسلمان نہیں ہیں۔ان دونوں اقتباسات کو ذہن میں رکھتے ہوئے سردار ولبھ بھائی پٹیل کی اس بات کو بھی پیش نظر رکھیے:

''جو مسلمان کانگریس میں شریک ہیں وہ مسلمان ہیں کب؟ میاں صاحب! اگر اپنے ایمان کی خیر منانا چاہتے ہو تو مسلمانوں کی کانگریس مسلم لیگ میں جائیں''۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی،۲۷دسمبر ۱۹۴۵ء)

سردار ولبھ بھائی پٹیل نے جو کچھ کہا تھا، اگر کانگریسی مسلمان علماء سمجھ لیتے تو ان کی سیاسی آخرت سنور جاتی لیکن جو خود اپنے دین وایمان کا دشمن ہوا سے رسوا ہونے سے کون روک سکتا ہے۔کون سمجھا سکتا ہے؟ اب ذرا مولانا ابوالکلام کا وہ تبصرہ ملاحظہ فرمائیں جو انہوں نے اپنے صدارتی انتخاب پر کیا تھا۔فرماتے ہیں۔

''میرا انتخاب صدارت کے لیے درحقیقت مہاتما گاندھی کی قیادت پر اعتماد کا آئینہ دار اور اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ ملک ان کے پروگراموں سے بالکل متفق ہے''۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی،۱۹فروری ۱۹۴۰ء)

صدرالافاضل کی طرف سے کانگریسی چالوں کا جواب

ان تمام اقتباسات اور حقائق کے پیش نظر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ مولانا سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی نے گاندھی جی اور کانگریس کی شاطرانہ چالوں اور کانگریس میں شامل مسلمان زعماء، علماء کرام کی نادانیوں اور ان کے اغراض ومقاصد کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ یہ سب ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ کیسا بھیانک کھیل کھیلنا چاہتے ہیں اور ان کے عزائم کیا ہیں؟ اور کانگریسی مسلمان اپنے چھوٹے مفادات کی خاطر کیا کیا خواب دیکھ رہے ہیں؟ انہیں اس سے غرض نہیں کہ عام مسلمان کس حال میں ہے؟ اس پر کیا کیا مظالم ڈھائے جارہے ہیں اور اس کے دین ومذہب سے کس طرح کھیلا جارہا ہے؟

ہندوستان میں انگریز اگر ہندوؤں کے ساتھ جانب داری نہ برتتے اور ہندو مسلمانوں کے خلاف نفرت وحقارت سے پیش نہ آتے، کانگریس کی عبوری حکومت مسلمانوں کی تذلیل اور قتل عام نہ کرتی، مسلمانوں کو برابر کے حقوق دیتی اور اُردو ہندی قضیے کو نہ اُٹھاتی تو شاید مسلمانوں کے دلوں میں علیحدہ مملکت کا خیال انگڑائی تک نہ لیتا۔ لیکن انگریزوں نے تقسیم بنگال کو کالعدم قرار دے کر ہندوؤں کے ساتھ جو جانب داری برتی اور ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف جو ہتھکنڈے استعمال کیے جو سازشیں اور ریشہ دوانیاں کیں جن کی وجہ سے مسلمانوں میں عدم استحکام اور عدم تحفظ کا خیال پیدا ہوا اور اس خیال کو کانگریس کے عزائم نے استحکام دیا کہ مسلمان علیحدہ مملکت کے حصول کے لیے جدوجہد کرنے پر آمادہ ہو گئے اور تقسیم ہند کی تجویزیں پیش ہونے لگیں۔

ریاست ''پاکستان'' کا نام اور خاکہ

ہندوستان میں مسلم ریاست کی ضرورت پر سب سے پہلے ۱۹۱۵ء میں چودھری رحمت علی نے زور دیا اور پہلی بار ۲۸ جنوری ۱۹۳۳ء میں اپنے کتابچے (New and never) میں اس نئی ریاست کا نام ''پاکستان'' تجویز کیا۔

۱۹۲۰ء میں بدایوں کے محمد عبدالقدیر نے تقسیم ہند کی تجویز گاندھی کے نام ایک کھلے خط میں پیش کی۔

یہ تجویز بدایوں کے اخبار ذوالقرنین کے شمارے مارچ اپریل ۱۹۲۰ء میں شائع ہوئی اور بعد میں ۱۹۲۵ء میں نظامی پریس بدایوں سے چھپ کر شائع ہوئی۔ دوبارہ ۱۹۲۵ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ پریس سے چھپی جس کی تصدیق ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی کتاب The Struggle for Pakistan سے ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں۔

> مارچ اپریل ۱۹۲۰ء میں بدایوں کے اخبار ذوالقرنین نے ایک صاحب
> محمد عبدالقدیر کا گاندھی کے نام ایک کھلا خط شائع کیا تھا جس میں
> برصغیر کی تقسیم کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ اس میں انہوں نے مسلم اضلاع

کی فہرست تک دی تھی جو مشرقی و مغربی پاکستان کی موجودہ سرحدوں
سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی۔

(The Struggle for Pakistan صفحہ ۱۱۶)

محمد عبدالقدیر نے گاندھی کے نام کھلے خط میں تقسیم ہند کی جو تجویز پیش کی تھی اس کی تفصیل کچھ اس طرح تھی۔

۱۔ ہندوستان کی تقسیم از سر نو قومیت کی بنا، پر اس طرح کی جائے کہ ہر قوم کے لیے بڑے سے بڑا حصہ اس کی آبادی کا علیحدہ کر دیا جائے اور یہ حصہ اس قوم کا حلقہ اثر قرار دیا جائے، مثلاً: مسلمانوں کے لیے حسب ذیل تین صوبہ جات بنائے جا سکتے ہیں۔

الف: صوبہ سرحدی اور مغربی پنجاب کے دس اضلاع راولپنڈی، اٹک، جہلم، گجرات، شاہ پور، سرگودھا، میانوالی، جھنگ، مظفر گڑھ، ڈیرہ غازی خان اور ملتان کو یکجا کر کے صوبہ بنایا جائے۔

ب: بنگال میں بوگرا، رنگ پور، تاج پور، جیسور، ندیا، فرید پور، ڈھاکا، راج شاہی، پبنا، میمن سنگھ، باڈ گنج، نواکھائی، پٹرا، چٹاگانگ کے اضلاع کا دوسرا صوبہ بنایا جائے۔

ج: سندھ کو بمبئی پریزیڈنسی سے جدا کر کے تیسرا صوبہ بنایا جائے۔

۲۔ یہ بات اصولاً طے کر دی جائے کہ اس تقسیم کے ہر حصے ملک کا نظم و نسق اس کی کثیر تعداد رعایا کے مفاد کے لیے کیا جائے گا۔

۳۔ قلیل التعداد قوم کی حفاظت و ادائے مراسم مذہبی و حقوق ملازمت وغیرہ کے لیے قواعد مرتب کیے جائیں اور ان کے لیے قومی سیاسی اہمیت کی بناء پر حسب ضرورت دارالامن قائم کیے جائیں، مثلاً: پنجاب میں سکھ ایک بااثر قوم ہے لیکن کسی واحد ضلع میں وہ بلحاظ آبادی کے ہندو یا مسلمانوں سے زیادہ نہیں ہے، جو اس کا حلقہ اثر بنایا جا سکے۔

اس لیے قومی و پولیٹکل اہمیت کی بناء پر ان کے لیے دارالامن قائم کیا جائے، لدھیانہ و امرتسر اس کے لیے بہت موزوں ہیں۔ ان مقامات کا نظام حکومت سکھوں کے

مفادات کے لحاظ سے ترتیب دیا جائے۔ سیالکوٹ عیسائیوں کا ملجا وماویٰ قرار دیا جائے اور ان کو وہاں وہی حقوق دیے جائیں جو سکھوں کو امرتسر اور لدھیانہ میں۔ اسی طرح مملکت متحدہ آگرہ اودھ میں جو اسلامی تمدن کا گہوارہ ہے۔ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے خاص انتظام کی ضرورت ہوگی۔

۴۔ تبادلہ آبادی کے لیے سہولتیں بہم پہنچائی جائیں تاکہ قلیل التعداد اقوام کے افراد جو کسی وجہ سے ترک وطن کر کے خود اپنی قوم کے حلقہ اثر میں جانا چاہیں وہ بغیر زیادہ نقصان کے تبدیلی سکونت کر سکیں۔

۵۔ کمیشن مجوزہ کا فیصلہ قومی معاہدہ کی صورت میں ترتیب دیا جائے اور گورنمنٹ کے سامنے بطور ملکی مطالبہ کے عمل درآمد کے لیے پیش کیا جائے۔

اس تجویز کو ۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال نے الہ آباد میں مسلم لیگ کے سیاسی پلیٹ فارم سے آگے بڑھایا۔ پھر اسی تجویز کو ۱۹۳۱ء میں دوسری گول میز کانفرنس کے موقع پر انگلستان میں حکومت برطانیہ کے سامنے پیش کیا گیا۔

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے اس سلسلے میں اپنی کتاب میں لکھا ہے:

"عام طور پر کہا جاتا ہے کہ محمد اقبال نے تقسیم کا تصور پیش کیا جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے۔ اقبال سے پہلے کچھ لوگ تھے جنہوں نے تقسیم کی تجویز پیش کی۔ ہاں اقبال وہ پہلے عوامی شخص ہیں جنہوں نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے برصغیر کی تقسیم کی تجویز پیش کی۔ مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ الہ آباد ۱۹۳۰ء میں انہوں نے اپنے صدارتی خطبے میں برصغیر کے اس مسئلے پر تفصیلی بحث کی۔

(The Struggle for Pakistan، ۱۵، ۱۴، السواد الاعظم، شوال المکرم وذیقعدہ ۱۹۳۱ء)

تقسیم ہند کی تجویز کی تائید

ہندوستان کے علماء میں مولانا سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی وہ پہلے عالم ہیں جنہوں نے ۱۹۲۰ء میں اپنے ماہنامہ "السواد الاعظم" میں اس تجویز کی بھرپور حمایت

اور تائید فرمایا:

ڈاکٹر محمد اقبال کی رائے پر کہ ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ ایک حصہ ہندوؤں کے زیر اقتدار، دوسرا مسلمانوں کے ہندوؤں کو کس قدر اس پر آیا۔ یہ ہندو اخبارات کو دیکھنے سے ظاہر ہوگا۔

(The Struggle for Pakistan، ۱۵، ۱۴، السواد الاعظم، شوال المکرم وذیقعدہ ۱۹۳۱ء)

تقسیم ہند کی تجویز کی تائید کرتے ہوئے اسی ماہنامے میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''جب ہندو اپنی حفاظت اس میں سمجھتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے محلوں سے علیحدہ ہو جائیں اور اپنے حدود علیحدہ کر لیں تو مسلمانوں کو یقیناً ان کے محلوں میں جانے اور ان کے ساتھ کاروبار رکھنے سے احتیاط رکھنا چاہیے۔ دونوں اپنے اپنے حدود جداگانہ قرار دیں اور اس نکتہ کو ملحوظ رکھ کر سیاسی جماعت کو طے کر لیں یعنی ہندوستان میں ملک کی تقسیم سے ہندو مسلم علاقے جدا جدا بنا لیں تاکہ باہمی تصادم کا اندیشہ اور خطرہ باقی نہ رہے۔ ہر علاقے میں اسی علاقے والوں کی حکومت ہو مسلم علاقہ میں مسلمانوں کی اور ہندو علاقوں میں ہندوؤں کی۔

(The Struggle for Pakistan، ۱۵، ۱۴، السواد الاعظم، شوال المکرم وذیقعدہ ۱۹۳۱ء)

اس سلسلے میں مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی نے علماء کی سطح پر کوششیں شروع کر دی۔ آپ نے لاہور میں مولانا سید ابوالحسنات کو تحریک پاکستان کے سلسلے میں متعدد خطوط لکھے۔ ایک خط میں آپ نے پاکستان بنانے کے بارے میں لکھا۔

''پاکستان کی تجویز سے جمہوریت اسلامیہ و آل انڈیا سنی کانفرنس کو کسی طرح دست بردار ہونا منظور نہیں خواہ جناح صاحب اس کے حامی رہیں یا نہ رہیں، وزارتی مشن سے ہمارا مدعا حاصل نہیں ہوتا''۔

تحریک پاکستان کے سلسلے میں ایک اور جگہ مولانا موصوف نے فرمایا۔

''ہم نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر آنا علماء کی شایان شان نہ سمجھا

لیکن علماء نے مسلم لیگ کے حریفوں کا سرگرمی کے ساتھ مقابلہ کیا اور یہ مسلم لیگ پر کوئی احسان نہیں بلکہ ہمارا نقطہ نظر شروع ہی سے اسلامی تعلیمات کے ماتحت تھا، اس جماعت نے ہر دور میں کبھی غیر مسلموں پر اعتماد و بھروسا نہیں کیا۔ اب جو ایک قدم مسلم لیگ نے قرآن وسنت اور اس کے اسلامی احکام کی ترویج کا ذمہ اٹھایا تو علماء نے اسلام کی سربلندی کے لیے مسلم لیگ کے حریفوں کا مقابلہ کیا اور ان تمام بذلہ خواروں کا پردہ فاش کیا جنہوں نے پہلے سلطنت مغلیہ کے دور میں انگریزوں کی ہمنوائی میں بڑی بڑی رشوتیں لیں جس کے صلے میں ''شمس العلماء'' اور ''خان بہادر'' کے خطاب پائے، جاگیریں لیں اور وہی سب ہندوؤں کے ٹکڑوں پر بک کر مسلمانوں کی پشت پر چھرا مارنے کا کام انجام دے رہے ہیں''

(حیات صدر الافاضل، مرتبہ مولانا غلام معین الدین نعیمی)

کانگریس اور کانگریسی علماء کی رخنہ اندازیوں اور اختراع پردازیوں کے پیش نظر علماء اہل سنت نے شدت کے ساتھ محسوس کیا کہ تمام سنی علماء متحد و یک جان ہو کر نظریہ پاکستان کو مضبوط و مستحکم کریں اور برصغیر کو دو علیحدہ مملکتوں میں تقسیم کرا کر مسلم اکثریت کے صوبوں کو علیحدہ اسلامی ریاست بنانے میں معاون ہوں۔

قراردادِ پاکستان کی حمایت اور علماء اہلسنت کی سرگرمیاں

۱۹۴۰ء میں جب مسلم لیگ نے مسلم اکثریت کے صوبوں کو علیحدہ مرکزی حکومت کی قرارداد ''قرارداد پاکستان'' پاس کی تو علماء اہل سنت مسلم لیگ کو مضبوط اور فعال بنانے میں مصروف ہو گئے۔ مطالبہ پاکستان کے سلسلے میں آل انڈیا سنی کانفرنس کا ایک اجلاس ۲۹/۱پریل ۱۹۴۶ء میں بمقام بنارس منعقد ہوا، جس میں پاکستان کے حصول کے لیے جو قرارداد پاس کی گئی اس کی اپنی تاریخی اہمیت ہے''۔

''آل انڈیا سنی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبہ پاکستان کی پرزور حمایت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ علماء و مشائخ اہل سنت اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں اور اپنا یہ فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جو قرآن حکیم اور احادیث نبوی کی روشنی میں اور فقہی اصولوں کے مطابق ہو''۔

(خطبہ صدارت جمہوریہ اسلامیہ، مطبوعہ ۴۶ء، صفحہ ۲۹)

اس سلسلے میں مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی نے جو خطبہ صدارت پڑھا وہ حصول پاکستان اور تحریک پاکستان کے حق میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

مسلم لیگ کی جلد بازیاں اور غلطیاں

تقسیم ہند اور حصول پاکستان کے سلسلے میں مسلم لیگ نے اگرچہ بڑی محنت کی، بڑی قربانیاں دیں اور برصغیر کے مسلمانوں کی آرزوؤں اور تمناؤں کے عین مطابق حالات کا رخ موڑنے میں کامیابی حاصل کی جس کے باعث پاکستان معرض وجود میں آیا لیکن قربانیوں کے صلے میں جو جلد بازی دکھائی اور جو فاش غلطیاں سرزد ہوئیں پوری ملت اسلامیہ آج تک ان کا خمیازہ بھگت رہی ہے۔ اس کی تلافی ناممکن نہیں تو بے پناہ مشکل ضرور ہے۔

مسلم لیگ کی جلد بازی اور غلطیوں کی طرف اس وقت سب سے پہلے مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی نے نشاندہی کی جو حسب ذیل ہے:

۱۔ دونوں صوبوں کے بُعد المشرقین کے اتصال کے لیے بری (خشکی) راستہ اپنے نصب العین میں شامل نہیں کیا۔

۲۔ مسلم اکثریت کے دو عظیم صوبوں کی اندرونی تقسیم گوارا کر لی جس کی بناء پر ۱۹۴۷ء کی ہوش ربا قیامت خیز خون ریزی، عصمت دری اور بے پناہ تبادلۂ آبادی کی نوبت آئی جس سے پاکستان غایت درجہ کمزور ہو گیا اور اسی کی بدولت کشمیر کا مسئلہ پیش آیا۔

۳۔ سب سے بڑی اور اہم غلطی یہ کہ آنکھ بند کر کے ریڈ کلف پر اعتماد کیا۔ اس کا نتیجہ

یہ ہوا کہ کپورتھلہ جیسی مسلم اکثریت کی ریاست ہی نہیں بلکہ مالیر کوٹلہ اور گورداس پور وغیرہ بھی انڈیا کو دے دیا۔ حیدر آباد، جوناگڑھ اور ماناودر وغیرہ کے ساتھ بے انصافی کر کے ہندوؤں کے سپرد کیا اور سراسر انصاف کا خون ہے۔

۴۔ مسلم لیگ نے قائداعظم کو مملکت کا پہلا گورنر جنرل بنایا، حالانکہ بہتر یہ تھا کہ قائداعظم کو کسی قانونی شکنجے میں پھانسنے کے بجائے انہیں صرف ملت کا معتمد علیہ اور ان کو لیڈر کی حیثیت سے رکھا جاتا۔ چنانچہ اس کا نتیجہ ہے کہ لیڈرشپ، حکومت کی باندی و غلام بن کر رہ گئی اور ملک کے عوام اور حکومت میں کافی کشیدگی اور بعد المشرقین ہوگئی۔ عوام بہت جلد ایسی حکومت سے بیزار ہو گئے جو لیڈری سے سربراہی پر پہنچے۔

حصول پاکستان کے سلسلے میں اگر ان پہلوؤں کو مدنظر رکھا جاتا اور ہر گوشے پر تنقیدی نظر ڈالی جاتی تو کشمیر کا مسئلہ باقی نہ رہتا اور نہ ۱۹۴۷ء کے دل ہلا دینے والے واقعات پیش آتے اور نہ مسلم ریاستیں اور علاقے ہندوستان کا حصہ بنتے۔

ان تمام اہم اور بنیادی باتوں پر مولانا موصوف نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے، اس سے ان کی سیاسی بصیرت اور نکتہ رسی کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

''اسلامی دستور'' کا خاکہ

خدا نے مولانا سید محمد نعیم مرادآبادی کو گوناگوں صلاحیتوں سے نوازا تھا وہ سیاسی بصیرت بھی رکھتے تھے اور دستور سازی کے عمل سے بھی آگاہ تھے۔ دستور سازی ایک نازک اور پیچیدہ معاملہ ہے۔ کسی ملک کے لیے دستوری خاکہ تیار کرنا اور بھی دشوار ہے۔ یہ کسی ایک فرد واحد کے بس کی بات نہیں بلکہ دستوری خاکہ مرتب کرنے کے لیے ملک کے اعلیٰ دماغ اور صاحب بصیرت افراد غور و فکر کرتے ہیں۔

حصول پاکستان کے بعد علماء اہل سنت نے ان کی ہمہ جہت صفات اور صلاحیتوں اور خدمات کے پیش نظر پاکستان آنے کی دعوت دی وہ دہلی سے کراچی تشریف لائے، لاہور اور کراچی کے قیام کے دوران انہوں نے علماء سے مختلف امور پر تبادلۂ خیالات بھی کیا اور

خاص طور پر کراچی میں پاکستان کے لیے جو مولانا کے خوابوں کی جیتی جاگتی تعبیر تھی، اسلامی دستور کے بارے میں علماء سیاسی اکابرین اور زعماء سے گفت وشنید رہی اور مرکزی وزیروں سے علماء کے ساتھ ملاقاتوں میں اس سلسلے میں تبادلۂ خیال بھی ہوا۔

یہ طے کیا گیا کہ مولانا سے درخواست کی جائے کہ وہ مملکت خداداد پاکستان کے لیے اسلامی دستور کا اسلامی اصولوں اور ضوابط کے تحت خاکہ مرتب فرمادیں جسے پاکستان کی قومی اسمبلی میں پیش کر کے منظور کرالیا جائے۔

مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب نے اس پرخلوص درخواست کو قبول کرتے ہوئے ''اسلامی دستور'' کا خاکہ مرتب کرنے کا وعدہ فرمالیا لیکن اپنی علالت کی وجہ سے پاکستان میں اپنے قیام کے دوران وہ خاکہ مرتب نہ کرسکے۔ علالت نے جب طول کھینچا تو مولانا واپس ہندوستان چلے گئے۔ پاکستان سے محبت کا یہ عالم کہ علالت کے باوجود انہوں نے مرادآباد میں مختلف اسلامی ممالک کے دساتیر اور قوانین کو جمع کیا اور ان کا مطالعہ شروع کردیا۔ پاکستان کے اسلامی دستور کے لیے ابھی وہ گیارہ (۱۱) دفعات ہی مرتب کر پائے تھے کہ مرض شدت اختیار کر گیا اور بالآخر ۱۸ اکتوبر ۱۹۴۸ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

مولانا نے جو گیارہ دفعات مرتب کی تھیں وہ حسب ذیل ہیں:

پاکستان

تعریف: آل انڈیا سنی کانفرنس کی تصریحات کے مطابق پاکستان سے وہ آزاد اسلامی حکومت مراد ہے جو ہندوستان کے اندر شریعت طاہرہ کے مطابق فقہی اصول کے مطابق قائم کی جائے۔

(۱) اس حکومت کا فرماں روا ایک سنی امیر ہوگا۔

(۲) اس امیر کو مسلمانانِ اہل سنت کی اکثریت منتخب کرے گی۔

(۳) وہ امیر دین دار اور مدبر اہل اسلام کی ایک جماعت کو شوریٰ کے لیے منتخب کرے گا۔

(۴) جماعت شوریٰ کی تجاویز امیر کی منظوری کے بعد مکمل سمجھی جائیں گی۔

(۵) جماعت شوریٰ امیر کے ماتحت ہوگی۔

(۶) امیر جماعت شوریٰ کے مشورے سے ایک وزیر اعظم کا انتخاب کرے گا۔

(۷) یہ وزیر جملہ امور داخلہ وخارجہ کے نظم ونگرانی کا کفیل ہوگا۔

(۸) وزیر اعظم، محکمہ جات سلطنت کے لیے جدا جدا وزیر نامزد کر کے امیر سے منظوری حاصل کرے گا۔

(۹) امیر کی منظوری کے بعد یہ وزراء اپنے اپنے محکمے کا کام ہاتھ میں لیں گے اور حسب ضرورت عہدیدار اور محکمے مقرر کریں گے۔

(۱۰) محصولات شرع کے مطابق فقہ کی رہنمائی سے مقرر کیے جائیں گے۔

(۱۱) غیر مسلم رعایا کو معاہد بنایا جائے گا اور انہیں امن پہنچائے گی اور ان کی جان و مال کی حفاظت حکومت کے ذمہ ہوگی۔

اسلامی دستور کے لیے مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کی مرتب کردہ ان دفعات سے لوگوں کو اختلاف ہوسکتا ہے لیکن اسلام کے نام پر حاصل کی ہوئی مملکت کے دستور کے لیے اسلامی دفعات ہی ہوسکتی ہیں جو عوام کی امنگوں اور خواہشات کے مطابق ہوں جن سے عوام کے احساسات وجذبات کی ترجمانی ہوتی ہو۔

مولانا موصوف کی مرتب کردہ ان دفعات میں ان تمام پہلوؤں کی ترجمانی ہوتی ہے جو اسلامی فقہ اور مسلمانوں کی امنگوں، خواہشوں، احساسات وجذبات اور رسم ورواج کے عین مطابق ہیں۔ ان دفعات میں غیر مسلم رعایا کے حقوق کے تحفظ اور جان ومال کی حفاظت کے لیے بھی واضح دفعہ شامل ہے جو یہاں کی غیر مسلم رعایا کے لیے ضروری تھی۔ مولانا کی زندگی اگر وفا کرتی تو مملکت پاکستان کو ایک مضبوط اسلامی دستور کا خاکہ مل جاتا۔

’’تقویت الایمان‘‘ کا تنقیدی جائزہ

مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی ایک عالم دین تھے اور دینی معاملات میں وہ

کتاب وسنت کے اصولوں پر سختی سے کاربند تھے۔ انہیں مذہبی امور سے خاص لگاؤ تھا۔ مذہبی علوم اور تحریکات پر ان کی گہری نظر تھی۔ علمی سوجھ بوجھ، مذہبی معاملات اور مطالعہ کی وجہ سے ان کی معلومات بے پناہ تھیں۔ دینی اور علمی کتب کے مطالعہ نے ان میں قوت فیصلہ اور بے باک اظہار خیال کی صفت پیدا کردی تھی۔ خاندان ولی اللہ کی ڈگر سے ہٹ کر جب مولوی اسماعیل دہلوی نے کتاب ''تقویت الایمان'' لکھی تو اس پر مولانا موصوف نے اہمیت کا حامل مدلل تبصرہ کیا۔

ان کے تبصرے نے اس کتاب کی حقیقت اور صاحب تصنیف کی شخصیت کو واضح طور پر پیش کر کے اصل حقائق کی طرف توجہ مبذول کرا کے مصنف کے عزائم کو بے نقاب کردیا۔ مولوی اسمٰعیل اگر شاہ ولی اللہ کے مشن پر قائم رہتے اور اسی کو آگے بڑھاتے تو جو فساد اور شر اُن کی کتاب سے برصغیر کے مسلمانوں میں پیدا ہوا اور ان کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی مذموم کوشش کی گئی کبھی نہ لکھتے بلکہ ایسی تصنیف معرض میں آتی جس سے مسلمانوں میں مزید اتحاد اور استحکام پیدا ہوتا۔

اسماعیل دہلوی نے مسلمانانِ ہند کو تقسیم کردیا

ہندوستان کے مسلمان نئی توانائیوں کے ساتھ اپنے حالات کو درست کرتے اور دشمن قوتوں کا مقابلہ کرتے لیکن ایسا نہ ہوا یا تو وہ انگریزوں کے سبز باغ دکھانے میں آگئے یا خود ان کے سر میں تخت وتاج کے حصول کا سودا سما گیا تھا یا ان میں اقتدار کی ہوس پیدا ہوگئی تھی۔ اسی باعث انھوں نے شیخ نجدی کی ''کتاب التوحید'' کا چربہ اتارا جو تقویت الایمان کی صورت میں سامنے آیا، جس کی بدولت برصغیر کے ہزاروں مسلمان صراط مستقیم سے ہٹ کر گمراہ ہوگئے یہی نہیں بلکہ مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی نے اکابرین اسلام، بزرگان دین حتیٰ کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی شان میں گستاخیاں کرنے سے بھی گریز نہیں کیا۔

جب اپنوں کا یہ حال ہو تو ہم غیر مسلم مصنفوں کو کیا کہہ سکتے ہیں؟ اس کتاب نے وہ آگ لگائی، وہ فساد برپا کیا کہ ہندوستان کے مسلمان گھرانے نفرت وحقارت کی جنگ کے

میدان بن گئے۔ مسلمانوں کی شیرازہ بندی کے بجائے شیرازہ بکھرنے لگا۔ اتحاد کے بجائے نفاق ومخاصمت پیدا ہوگئی۔ اخوت ومحبت کے بجائے دشمنی کی فصل اگ آئی۔ بھائی چارہ اور یگانگت کے بجائے بغض وعناد اور ایک دوسرے کے خلاف مزید نفرت پیدا ہوگئی۔

نفرت وحقارت کے شعلوں کی زبانیں نہ جانے کتنے جسموں کو چاٹ چکی تھی اس پر مولوی محمد اسماعیل کے تحریر کردہ دو (۲) اصولوں نے بھڑکتی ہوئی نفرت کی آگ پر تیل کا کام کیا جو حسب ذیل ہیں:

(۱) اسلاف کرام اور بزرگوں کا اتباع نہ کرنا چاہیے اور متقدین کی پیروی درست نہیں۔

(۲) علمائے دین اور ائمہ مجتہدین کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔ ہر شخص قرآن وحدیث کو سمجھ سکتا ہے اس کے لیے بڑا علم درکار نہیں۔

مولانا سیّد محمد نعیم الدین نے مولوی محمد اسماعیل کے بیان کردہ ان دونوں اصولوں کو قرآن وسنت، احادیث اور مستند مفسرین کے حوالوں سے باطل ٹھہرایا۔ مولوی محمد اسمٰعیل کے فتنہ پرداز ذہن کی فتنہ پردازیوں کو آیات قرآنی اور دلائل وبراہین کے ذریعہ قلع قمع کر کے مسلمانوں کے دل ودماغ سے شکوک وشبہات دور کرنے کی کوشش کی اور نفرت وحقارت کی بھڑکتی آگ کو ٹھنڈا کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ اس طرح مولانا سیّد محمد نعیم الدین صاحب کی کوششوں نے مسلمانوں کو مزید کمزور ہونے سے بچالیا۔

اس کتاب کے تمام مباحث کو یہاں پیش کرنا طول کلام ہوگا اور اس لیے تبلیغ کے سلسلے میں مولانا سیّد محمد نعیم الدین کے آریہ سماجیوں دیوبندی علماء اور غیر مقلدین سے مناظرے کرنے پڑے۔

مناظروں میں صرف زور خطابت، الفاظ کے کرتب اور شخصیت کی کرشمہ سازی نہیں چلتی بلکہ دلائل وبراہین، سیدھی سادی مثالیں اور منطقیانہ استدلال کا جادو چلتا ہے۔ مولانا کے مناظروں کی بہت مثالیں ہیں لیکن طوالت کے باعث صرف ایک مثال پیش کی جاتی ہے تاکہ مولانا کے مناظرہ کا اندازہ ہوسکے۔

پنڈت رام چندر سے مناظرہ

بریلی میں دلّی کے ایک آریہ سماجی رام چندر نے مسلمانوں کو مناظرہ کا کھلا چیلنج دیا جسے مسلمانوں نے قبول کرلیا۔ رام چندر سے ''روح و مادہ'' کے تعلق پر گفتگو ٹھہری۔ مولانا سیّد محمد نعیم الدین نے رام چندر کی گفتگو بغور سنی۔

پھر آپ نے پنڈت جی سے فرمایا:

''پنڈت جی! آپ یہ کہتے ہیں کہ روح انسانی وحیوانی ایک ہے، صرف نوعیت کا فرق ہے''

پنڈت جی نے کہا ''جی ہاں''۔

مولانا موصوف نے فرمایا:

''فقط صورت ہی میں فرق نہیں بلکہ روح انسانی اور روح حیوانی میں بہت فرق ہے''۔

جس پر مولانا ظہور الحسن نے داد دیتے ہوئے فرمایا ''صحیح ہے''۔

مولانا سیّد محمد نعیم الدین نے مسکراتے ہوئے مجمع سے دریافت کیا:

''آپ لوگ کچھ سمجھے؟''

مجمع نے کہا ''کچھ نہیں''۔

مولانا نے فرمایا، ''پنڈت جی کہتے ہیں کہ آدمی اور گدھے میں روحانی فرق نہیں، گدھا اور آدمی ایک ہیں، فقط صورت میں فرق ہے۔ تمہارے سامنے انھوں نے اقرار کیا کہ روح انسانی اور حیوانی ایک ہے''۔

یہ سن کر تمام مجمع ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہوگیا۔ مولانا نے فرمایا:

''پنڈت جی اور گدھے میں فقط صورت کا فرق ہے ورنہ دونوں ایک ہیں''۔

اسی طرح نواح متھرا اور آگرہ میں شردھانند کے فتنہ وفساد کو ختم کیا۔ اس قسم کے اور بہت سے مناظرے تھے جن میں مولانا موصوف نے اپنی ذہانت کے جوہر دکھائے اور ایسے ایسے دلائل پیش کیے کہ مقابل بھی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔

''مدرسہ انجمن اہل سنت و جماعت'' کی بنیاد

مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی نے جہاں سیاسی میدان میں اپنی سیاسی بصیرت کالوہا منوایا اسی طرح انہوں نے دینی علوم کے فروغ کے سلسلے میں بھرپور کوشش کیں۔ ۱۹۱۰ء میں مولانا نے ''مدرسہ انجمن اہل سنت و جماعت'' کی بنیاد رکھی جسے ۱۹۳۲ء میں ''جامعہ نعیمیہ'' کا نام دیا گیا۔

جامعہ نعیمیہ کے قیام کا مقصد نہ صرف تشنگان علم کی پیاس بجھانا تھا بلکہ طالبانِ علم کے دل و دماغ کو بھی منور کرنا تھا۔ ان کی صلاحیتوں کو ابھارنا، ہندوستان میں پھیلی ہوئی کفرو شرک اور بدعتوں کے گھور اندھیروں کو دور کر کے اسلامی تعلیمات کی روشنی سے دلوں کو منور اور دماغوں کو جگمگانا تھا۔ نئی نسل کو دینی اور دنیوی زیور تعلیم سے آراستہ و پیراستہ کرنا تھا۔

اندازِ درس و تدریس ایسا کہ باتوں باتوں میں علم کی روشنی منتقل کر دیں پیچیدہ اور بحث طلب مسائل کے بیان میں وہ طرزِ استدلال کہ سوالیہ چہرے بھی مطمئن ہو کر کھل اٹھیں۔

جو دلوں کو فتح کر لے وہ فاتح زمانہ

مولانا سیّد محمد نعیم الدین صاحب خود بھی علم کے جویا تھے اور علم کی روشنی سے بھٹکے ہوؤں کو سیدھے راستے پر لانا، دماغوں سے الجھنوں کو دور کرنا، سوالات کا تشفی بخش اور مدلل جوابات سے دلوں اور ذہنوں کو مطمئن کرنا اور صحیح راہ دکھانا بڑا مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ لیکن سچی بات یہ ہے۔

ع جو دلوں کو فتح کر لے وہ فاتح زمانہ

مولانا نے دلوں کو فتح کیا۔ جامعہ نعیمیہ کے فارغ التحصیل تلامذہ میں پاک و ہند کے ایسے جید علماء، خطیبوں کے نام شامل ہیں جو اپنے زمانے کی مشہور و معروف شخصیتیں ہوئیں اور اپنے علم و فراست سے دینی و دنیوی تعلیمات کی روشنی پھیلاتے رہے، ان میں مولانا محمد عمر نعیمی، علامہ سیّد ابوالحسنات قادری، مولانا سیّد ابوالبرکات قادری، علامہ پیر محمد کرم

شاہ الازہری، مولانا مفتی محمد حسین نعیمی، مولانا مفتی احمد یار خاں نعیمی، فقیہ اعظم مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی اور دوسرے بڑے بڑے نام شامل ہیں۔

مولانا سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی جہاں سیاسی عالم، عالم دین اور بزرگ شخصیت کے مالک تھے وہیں تحریر وتقریر دونوں کے دھنی بھی تھے۔ خاص طور پر ان کی تحریروں میں فلسفہ و منطق اور دلائل و براہین کو بڑا دخل تھا۔ بیس (۲۰) برس کی عمر میں پہلی کتاب ''الکلمۃ العلیاء'' لکھی جو علمی ونظریاتی دنیا میں بڑی مقبول ہوئی۔

مولانا ابوالکلام آزاد کے البلاغ اور الہلال میں مختلف موضوعات پر مضامین لکھ کر علمی دنیا میں اعتبار پایا۔ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت و جماعت احمد رضا خاں بریلوی کے ترجمہ قرآن ''کنزالایمان'' پر مولانا سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی نے جو تفسیری حاشیہ بہ نام ''خزائن العرفان'' تحریر کیا ہے وہ خود ایک بہت اہم کارنامہ ہے۔ اس تفسیر حاشیہ سے مولانا موصوف کی ذہانت، معلومات، علمی بصیرت، زبان و بیان کی شگفتگی ورعنائی، لسانی مسائل سے آگہی اور رموز قرآنی سے گہری واقفیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

شریعت وطریقت اور علم وفن کا جو خزانہ مولانا سیّد محمد نعیم الدین صاحب کو اپنے خاندان کے بزرگوں اور عالموں کے علاوہ اپنے اساتذہ کرام اور اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی کے فیوض و برکات سے ملا تھا وہ بڑی فیاضی کے ساتھ بغیر تفریق مذہب و ملت دونوں سے لٹا رہے تھے۔ لوٹنے والوں سے لٹانے والا زیادہ خوش تھا۔

❋❋❋

مفتیٔ اعظم ہند اور صدر الافاضل کا باہمی والہانہ تعلق

از قلم: مولانا غلام مصطفیٰ نعیمی
(مدیر اعلیٰ، سہ ماہی سواد اعظم، دہلی)

شہزادۂ اعلیٰ حضرت، پیکر تقویٰ وطہارت، ہم شبیہ غوث اعظم، حضرت علامہ مفتی محمد مصطفیٰ رضا خاں المعروف حضور مفتیٔ اعظم ہند کی ذات ستودہ صفات محتاج تعارف نہیں ہے۔ ان کے بارے میں پاک و ہند کا ہر منصف مزاج شخص اچھی ہی رائے رکھتا ہے۔ جو اپنوں اور بیگانوں میں یکساں مقبول رہے۔ جن کی زندگی زہد وقناعت اور صبر وشکر کا عظیم نمونہ تھی جو اپنی علمی ہیبت وشوکت اور وفور علمی کے باوجود ہمیشہ منکسر المزاج رہے۔ علما کی قدر دانی ان کے مزاج کا لازمہ تھی۔ خلوص وایثار گویا ان کے وجود مسعود کا ایک حصہ تھا۔ اگر ان کی زندگی کے کسی بھی حصے پر خامہ فرسائی کرنے بیٹھ جائیں تو دفتروں کے دفتر کھل جائیں لیکن ہم یہاں پر حضرت مفتی اعظم ہند کی زندگی کا ایسا پہلو پیش کریں گے جو اس سے پہلے شاید ہی عوام وخواص کی نگاہوں سے گزرا ہو۔

یہ پہلو سرکار مفتی اعظم ہند کے امام الہند حضرت صدر الافاضل سے، آپ کے شہر

اور آپ کے قائم کردہ ادارے جامعہ نعیمیہ مراد آباد سے والہانہ تعلق کا ہے۔ جو ہماری تاریخ کا ایک روشن وتابناک پہلو جس پر شاید اب تک نہیں لکھا گیا۔ جو ہمارے اکابرین کی وسیع القلبی، کشادہ ظرفی، آپسی احترام واکرام اور ایثار وخلوص کی ایک ایسی داستان ہے جہاں قدم قدم پر بوئے وفا آتی ہے، الفت ومحبت کے پیمانے چھلکتے دکھائی پڑتے ہیں۔ ''رحماء بینھم '' کی جیتی جاگتی تصویریں نظر آتی ہیں۔ بلندی کردار کی نئی تاریخ رقم کی جاتی ہے۔ جن کا کردار وعمل آج بھی ہمارے لیے ایک روشن مینارہ ہے۔ جس کی روشنی میں تقسیم در تقسیم کا شکار ہماری ملت کو سکون وچین مل سکتا ہے، علماء ومشائخ کے درمیان خلیج کو پاٹا جاسکتا ہے اور ہم اپنے اختلافات کو بآسانی دور کر سکتے ہیں۔

مفتی اعظم ہند کی صدر الافاضل سے قربت:

جس وقت حضرت صدر الافاضل کی بارگاہِ اعلیٰ حضرت میں پہلی حاضری ہوئی، اس وقت آپ کی عمر اکیس سال تھی۔ یہ وہ وقت ہے جبکہ حضرت مفتی اعظم کی عمر محض گیارہ سال کی تھی یعنی دونوں کی عمر میں قریب دس سال کا فرق تھا۔ لیکن حضور مفتی اعظم ہند تو مادر زاد ولی تھے۔ وقت کے ایک عظیم بزرگ وشیخ نے ان کی ولایت کی پہلے ہی گواہی دے دی تھی۔ اس وجہ سے مفتی اعظم دیگر بچوں سے کافی ممتاز تھے۔ جیسا کہ کہاوت ہے۔

ع ہونہار بِروا کے ہوتے چکنے چکنے پات

اس وقت سے حضرت صدر الافاضل اور مفتی اعظم ہند کے مابین جو تعلق قائم ہوا وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہی چلا گیا، اس تعلق میں عمر نہیں خیالات کی یکسانیت تھی۔ خدمت دین کے مساوی جذبات تھے۔ دونوں ہی ایک دوسرے کی صلاحیتوں سے واقف و رازدار تھے اور اس باہمی تعلق کی بنیاد خلوص ایثار اور والہانہ محبت پر مبنی تھی۔ محبت والفت، احترام واکرام اور قدردانی میں دونوں بزرگ ایک دوسرے کے بہت قریب تھے۔

جب جب اہل سنت کو مشکلات درپیش ہوئیں تو اس کے دفاع کے لیے ان دو بزرگوں کا آپسی تال میل دیکھنے والا ہوتا تھا۔ تاریخ کے سینے پر ایسے کتنے واقعات درج ہیں جو میرے اس دعوے کی تائید کریں گے۔

مفتی اعظم کا صدر الافاضل سے لگاؤ:

جب ۱۹۲۳ء میں شدت پسند ہندوؤں کی تنظیم شدھی اور سنگھٹن نے مسلم راجپوتوں کے خلاف ارتداد کی مہم چلائی اور لاکھوں مسلمانوں کو مرتد بنا ڈالا۔ تب سرزمین بریلی سے اس فتنہ کے خلاف حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں علیہ الرحمۃ نے آواز اٹھائی اور مرادآباد سے امام الہند حضرت صدر الافاضل کو یاد فرمایا۔ آپ حاضر ہوئے تو حجۃ الاسلام نے اس فتنے کی سرکوبی کے لیے جن دو شخصیتوں کا انتخاب فرمایا وہ حضور مفتی اعظم ہند اور صدر الافاضل کی تھی۔ ان کی سرپرستی میں علما کا دس رکنی قافلہ آگرہ روانہ کیا۔

اس دس رکنی وفد نے راجپوتوں کو واپس اسلام میں لانے کے لیے بڑی مشقتیں اٹھائیں اور محنتیں کیں۔ جب یہ وفد آگرہ پہنچا جہاں اس ارتدادی مہم نے کافی مسلمانوں کو دین سے برگشتہ کر دیا تھا تو وہاں کی جامع مسجد میں حضرت صدر الافاضل کا خطاب نایاب ہوا جس کی مکمل روداد تحریری روپ میں حضرت مفتی اعظم ہند نے اس طرح درج کی ہے:

> ''ہمارے وفد کے بہترین رکن حضرت مولانا المحترم مولوی محمد نعیم الدین صاحب زیدت برکاتہ نے اسلام کی شان و شوکت اور موجودہ حالت پر زار پر دلگداز تقریر فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجمع ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا اور مسلمانوں کے دل اسلامی جوش سے لہریں مار رہے تھے۔''

(دبدبہ سکندری، مجریہ ۱۹/فروری ۱۹۲۳ء)

اس اقتباس کا ایک ایک لفظ کس قدر اپنائیت اور محبت سے لبریز ہے۔ اس پر مزید تبصرہ کی گنجائش نہیں، لیکن ہاں یہ بات ضرور قابل غور ہے کہ حضرت مفتی اعظم ہند اگر چاہتے تو خود بھی خطاب فرما سکتے تھے مگر آپ نے خود خطاب نہ فرما کر صدر الافاضل کو آگے بڑھایا اور ساتھ ہی ان کو وفد کا بہترین رکن بھی قرار دیا، حالانکہ اس وفد میں خود سرکار مفتی اعظم بھی شریک تھے مگر آپسی احترام کا یہ عالم کہ حضرت صدر الافاضل کو اپنے اوپر فوقیت دے رہے ہیں۔ یہ تواضع و خاکساری کی عمدہ مثال ہے اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ۔

جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرے گا، اللہ رب العزت اس کے درجہ کو بلند فرمائے گا۔

صدرالافاضل کے تعلق سے مفتی اعظم ہند کا یہ طرزِ عمل یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ وہ کسی قدر وسیع القلب اور خوبیوں کا برملا اعتراف کرنے میں کس قدر فراخ دل تھے۔ یہ تعلقات ایک طرفہ نہیں تھے بلکہ باہمی جذبہ تھا جس کا اظہار وقتاً فوقتاً دونوں جانب سے ہوتا تھا۔ اب سرکار صدرالافاضل کے تعلق سے حضرت مفتی اعظم کا ایک اور طرزِ عمل بھی دیکھیں:

مفتی اعظم سے ایک مراد آبادی کی ملاقات:

امروہہ جو پہلے ضلع مراد آباد ہی کا حصہ تھا، یہاں ایک شخص ملا توفیق نامی رہتا تھا۔ علمائے اہل سنت کے تعلق سے کہا کرتا تھا کہ سنی علما اپنے اکابرین کی تعریف میں مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں۔ حقیقت سے اس کا بہت کم تعلق ہوتا ہے۔ ایک بار کسی کام کے سلسلے میں اس کا بریلی جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں پہنچ کر اس نے اپنا کام نپٹایا اور پھر سوچا کہ ابھی وقت کافی بچا ہے، لاؤ مفتی اعظم ہند سے ہی ملاقات کر لیتا ہوں، دیکھتا ہوں کہ سنی علماء جس شخصیت کی بڑی تعریف کرتے ہیں وہ حقیقت ہے یا پھر محض مبالغہ آرائی ہے۔

یہ شخص اپنے کام سے فارغ ہو کر مفتی اعظم کے دولت کدہ پر حاضر ہوا، نماز ظہر ہو چکی تھی اور اس شخص نے جا کر حضرت کے دروازے پر دستک دی۔ اس شخص کا کہنا ہے کہ جب میں نے کئی بار دستک دی تو ایک معمر شخص نے دروازہ کھولا۔ جن کے آنے کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ اندر سے بڑی جلدی سے آئے ہیں کیوں کہ ان کی سانس کی آمد و رفت معمول سے تھوڑی تیز تھی۔ شاید وہ آرام کر رہے تھے اور دستک سن کر دوڑے چلے آئے تھے، مجھے تھوڑی شرمندگی بھی ہوئی کہ اس وقت جب کہ لوگ آرام کرتے ہیں مجھے نہیں آنا چاہیے تھا۔ خیر! میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دے کر مجھے محبت سے ساتھ بٹھایا۔ پھر جلدی سے گھر میں داخل ہوئے اور واپس آئے تو ان کے ہاتھ میں پانی کا

برتن تھے۔ اس بار ان کے بدن پر گرتا نظر آرہا تھا۔ اس کے بعد وہ بزرگ پھر گھر میں گئے اور دسترخوان لاکر میرے سامنے لگادیا۔ میں نے کہا کہ جناب میں کھانے سے فارغ ہو چکا ہوں مگر انہوں نے کہا نہیں آپ ہمارے گھر تشریف لائے، اس لیے ہماری خوشی کی خاطر کچھ تو تناول فرما ہی لیں ہمیں اچھا لگے گا۔ یہ کہہ کر انہوں نے مجھے کھانا کھلایا۔ جب تک میں کھانے سے فارغ ہوا وہ اس وقت تک چائے بھی لا چکے تھے۔ چائے نوشی کے بعد انہوں نے سارا سامان گھر واپس پہنچایا اور پھر مجھ سے کہا۔

اے عزیز مہمان! آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں۔

میں نے عرض کیا کہ میں امروہہ سے حاضر ہوا ہوں اور حضرت مفتی اعظم ہند سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔

یہ بات سن کر اس بزرگ نے جسے میں اب تک اس گھر کا کوئی خادم سمجھ رہا تھا، بڑی انکساری سے کہا کہ کہیے، اسی خادم کو ''مصطفیٰ رضا'' کہتے ہیں۔

ملا توفیق صاحب کا بیان ہے کہ میرے اوپر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور میں شرم سے پانی پانی ہوگیا کہ اتنی عظیم شخصیت سے میں نے اتنے کام لیے۔ میں نے بڑی لجاجت سے معافی طلب کی۔

اس پر مفتی اعظم نے فرمایا کہ ارے اس میں معافی کی کیا بات ہے آپ ہمارے مہمان ہیں اور مہمان کی خدمت کرنا تو ہمارے آقا حضور سید عالم ﷺ کی سنت ہے، ہمیں تو آپ کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ آپ کی وجہ سے ہمیں سنتِ مصطفیٰ ﷺ پر عمل کا موقع فراہم ہوا۔

پھر مفتی اعظم نے ان کے اہل خانہ کی خیریت معلوم کی اور کاروبار وغیرہ کے بارے میں معلوم کیا اور کاروباری نقطہ نظر سے کچھ شرعی احکام بھی بتائے۔ اس کے بعد ملا توفیق صاحب نے چلنے کی اجازت چاہی تو مفتی اعظم نے فرمایا ذرا ٹھہریں! پھر آپ گھر میں تشریف لے گئے اور جب واپس آئے تو آپ کے ہاتھ میں ایک تھیلی تھی جس میں کچھ لڈو اور چائے کے ساتھ استعمال کیے جانے والے پاپے تھے۔ آپ نے وہ تھیلی مجھے تھمائی اور کہا کہ اس وقت گھر میں کچھ اور موجود نہیں، اس لیے اس چھوٹے سے تحفے کو قبول کر کے

ہمیں سرخرو ہونے کا موقع دیں۔

یہ بات سن کر ملا توفیق بڑی شرمندگی سے بولے، حضرت آپ یہ کہہ کر مجھے مزید شرمندہ نہ کریں۔ تب مفتی اعظم نے فرمایا کہ مہمان کو وداع کرتے وقت تحفہ آقائے کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے اور ہم نہیں چاہتے کہ یہ سنت ہم سے چھوٹ جائے حالانکہ تحفہ بہت معمولی ہے مگر آپ قبول کرلیں گے تو سنت کی ادائیگی کا ثواب مل جائے گا۔

ملا توفیق کا کہنا ہے کہ میں بڑی عقیدت کے ساتھ اس سارے سامان کو اپنے گھر لایا اور آج مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے مجھے کوئی خزانہ مل گیا ہو۔ اتنی حفاظت کے ساتھ اس سامان کو گھر لایا۔ میرے دل میں ارمانوں کی امنگیں موجیں مار رہی تھیں اور میں اپنے نصیب پر فخر کر رہا تھا جو مجھے اتنی عظیم بارگاہ سے تحفہ ملا تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ میں نے اپنے محلے میں لوگوں کو وہ تبرک تقسیم کیا اور لوگوں سے کہا، اے لوگو یہ تبرک اس ذات کا ہے جو اس دور میں سنت نبوی کا چلتا پھرتا آئینہ ہے۔

ملا توفیق صاحب کا کہنا ہے کہ ایک ایک لڈو میں نے کئی کئی لوگوں میں تقسیم کیا اس کے بعد وہ لوگوں سے کہتے تھے کہ بزرگوں کے بارے میں سنا تھا کہ وہ سنتوں کے عاشق ہوا کرتے تھے مگر کسی کو دیکھا نہیں تھا مگر جب مفتی اعظم کو دیکھا تو پتا لگا کہ عشق مصطفیٰ ﷺ کیا ہوتا ہے۔

مفتی اعظم کا صدر الافاضل سے لگاؤ کا ایک اور واقعہ:

ہمارے ایک عزیز اور کرم فرما حضرت مولانا نعیم الدین رضوی علیگ جو ایک مشہور عالم اور خطیب ہیں موضع تمرڈیا کلاں ضلع مراد آباد کے رہنے والے ہیں۔ انہوں نے اپنے والد ماسٹر محمد اشفاق قریشی صاحب کے حوالے سے بتایا کہ جب ان کی ولادت ہوئی تو ان کے والد بریلی شریف حاضر ہوئے اور حضرت مفتی اعظم ہند سے ملاقات کرنے کے بعد دل کا مدعا عرض کیا کہ حضرت غلام زادہ پیدا ہوا ہے، آپ اس کے بلندیٔ نصیب کے لیے دعا فرمادیں اور اس کا نام بھی تجویز فرمادیں۔

یہ بات سن کر حضرت مفتی اعظم ہند نے فرمایا کہ ماسٹر صاحب آپ کہاں سے

تشریف لائے ہیں۔ انہوں نے عرض کی: حضور میں مراد آباد سے حاضر ہوا ہوں۔

یہ سن کر مفتی اعظم مسکرائے اور کہا کہ شہر صدر الافاضل سے آئے ہو، انہوں نے عرض کی جی حضور! یہ سن کر مفتی اعظم نے بڑی معنی خیزی کے ساتھ فرمایا کہ جب صدر الافاضل کے شہر سے آئے ہیں تو نام بھی ان کے نام پر ہی رکھئے۔ جایئے آپ کے اس بیٹے کا نام حضرت صدرالافاضل کے نام پر''نعیم الدین'' رکھا جاتا ہے۔

اس واقعے سے آپ اندازہ لگائیں کہ مفتی اعظم صدرالافاضل ان کے شہر سے کتنی محبت فرماتے تھے اور یہ سرکار مفتی اعظم کی کشادہ قلبی کا ایک روشن باب بھی ہے کہ اپنے مرید کے بیٹے کا نام خود پر یا اپنے شیخ پر نہ رکھا کر صدر الافاضل کے نام پر رکھا جو اُن کی صدرالافاضل بے انتہا محبت کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔

سچ ہی کہا ہے کسی نے کہ جب کسی سے سچی محبت ہو جائے تو اس سے منسوب چیزیں بھی پیاری ہو جاتی ہیں۔ بقول ''ہم کو عزیز ہے بس تیری نسبت کا خیال''۔

صدرالافاضل کا مفتی اعظم سے لگاؤ:

یہ محبت وخلوص محض ایک طرفہ نہیں تھا بلکہ دونوں طرف الفت ووفا کی دل نواز خوشبو تھی۔ حضرت صدرالافاضل نے مفتی اعظم ہند کو اپنے ادارے جامعہ نعیمیہ کا سرپرست اعلیٰ بنایا تھا اور مفتی اعظم ہند تاحیات اس منصب پر فائز رہے اور بہ حسن وخوبی اس کی ذمہ داریوں کو انجام دیا۔

جامعہ نعیمیہ کے بزرگ اساتذہ کرام حضرت مفتی محمد ایوب صاحب نعیمی، شیخ الحدیث جامعہ اور حضرت علامہ پروفیسر محمد ہاشم صاحب نعیمی بیان فرماتے ہیں کہ حضرت مفتی اعظم ہند کا معمول تھا کہ آپ جب بھی جامعہ تشریف لاتے تھے کبھی بھی جامعہ کی طرف سے نذرانہ قبول نہیں فرماتے تھے۔ جب زیادہ اصرار کیا جاتا تو فرماتے کہ حضرت صدرالافاضل نے مجھے ادارے کا ذمہ دار بنایا ہے اور ذمہ دار خود خرچ کرتا ہے اپنے اوپر خرچ نہیں کراتا۔ یہ کہہ کر مفتی اعظم اپنی جیب سے کچھ پیسے نکال کر اس نذرانے میں ملا کر وہ سارے پیسے جامعہ کو واپس لوٹا دیتے۔

ایثار و خلوص کی ایسی روشن مثال کیا آسانی سے مل سکتی ہے۔ آج تو حالت یہ ہے کہ اگر ادارے کا سرپرست آرہا ہو تو اس نے، استقبال کے لیے ادارے کو دل کھول کر پیسا خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اعلیٰ قسم کی گاڑی میں آمد و رفت کا انتظام کرانا پڑتا ہے۔ عمدہ اور پر تکلف دعوتیں اس پر مستزاد! تب کہیں جا کر سرپرست صاحب کو احساس ہوتا ہے کہ ہاں ہم ادارے کے سرپرست ہیں۔ مگر مفتی اعظم اس قسم کے تکلفات سے کوسوں نہیں ہزاروں لاکھوں میل دور تھے۔

فارغین جامعہ نعیمیہ کے لیے تحائف لانا:

سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمہ جب جامعہ نعیمیہ کے سالانہ جلسہ دستار بندی کے موقع پر مراد آباد تشریف لاتے تھے تو آپ کا معمول تھا کہ جتنے بھی فارغین طلبہ ہوتے تھے سب کے لیے آپ کچھ نہ کچھ تحائف ضرور لاتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ یہ لوگ ہمارے سپاہی ہیں، انہیں ملت کی حفاظت کرنا ہے، جہاں بڑی مشکلات اٹھانا پڑیں گی، اس لیے ان لوگوں کو تحائف دے کر ان کے دلوں کو شاد و خرم رکھو تا کہ یہ خوش دلی سے فروغ دین کا کام انجام دے سکیں۔

جامعہ نعیمیہ کے طلبہ پورے سال اتنی شدت سے کسی چیز کا انتظار نہیں کرتے تھے جتنی شدت سے انہیں حضور مفتی اعظم سے ملنے والے تحفے کا انتظار رہتا تھا اور جو طالب علم بھی تحفہ حاصل کرتا تھا وہ خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا۔ آپ کی آمد پر پورا جامعہ گلزار ہو جاتا تھا ایسا لگتا تھا، ہزاروں گلاب مہک اٹھے ہوں۔ کیا علماء، کیا عوام، کیا طلبہ، سبھی مفتی اعظم سے نیاز مندی کو لے کر بڑے بے قرار رہتے تھے۔

جامعہ سے محبت کا ایک ناقابل فراموش واقعہ:

ہمارے اساتذہ کرام بیان فرماتے ہیں کہ جب سرکار مفتی اعظم ہند جامعہ نعیمیہ میں تشریف لاتے تو آپ جامعہ کا کھانا تناول نہیں فرماتے تھے اور یہ کہہ کر انکار کر دیا کرتے تھے کہ میرے کھانے سے بہتر ہے کہ وہ کھانا کسی طالب علم کو کھلا دیا جائے۔ میں یہاں کا

خادم ہوں اگر نہیں کھاؤں گا تو حرج کی بات نہیں، مگر یہ عزیز طلبہ جو اپنے اہل خانہ کو چھوڑ کر یہاں ہمارے مہمان بنے ہیں ان کا خیال رکھنا ہم پر لازم وضروری ہے۔

اس صورت حال کو دیکھ کر استاذ الاساتذہ فقیہ النفس حضرت حبیب اللہ نعیمی رحمۃ اللہ علیہ (سابق پرنسپل وشیخ الحدیث جامعہ) آپ کو اپنے گھر پر کھانے کی دعوت پیش کرتے جسے حضور مفتی اعظم ہند اس شرط پر قبول فرماتے کہ مفتی صاحب دعوت منظور مگر آپ کچھ تکلف نہیں فرمائیں گے جو کچھ گھر میں بنا ہوگا بس وہی پیش کریں گے۔ جب کھانے سے فارغ ہوکر چلتے تو مفتی صاحب کے بچوں کو عطیہ دیے بغیر کبھی واپس نہ ہوتے۔

ہمارے استاذ محترم فقیہ العصر حضرت مفتی محمد ایوب صاحب قبلہ فرماتے ہیں کہ دستار بندی کے موقع پر کئی مرتبہ مفتی اعظم ہند نے میری دعوت قبول فرما کر اس فقیر پر بھی کرم فرمایا اور میرے گھر کو اپنے قدوم میمنت سے سرفراز فرمایا۔

دونوں بزرگوں کی خدمات کا اعتراف:

جماعت اہل سنت کے ارباب حل وعقد کی نگاہ میں ان دو عظیم شخصیتوں کی کیا اہمیت تھی۔ اس کا اندازہ جماعت رضائے مصطفی کے ارکان کی جانب سے لکھے گئے اس مکتوب سے لگائیں جو انہوں نے شدھی تحریک میں امام الہند صدر الافاضل اور حضرت مفتی اعظم ہند کی بے مثال کارگزاری وجانفشانی کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی بارگاہ میں خراج عقیدت اور ہدیہ تشکر پیش کیا۔

"تبلیغی سرگرمیوں کی تفصیل اور مخلص کارکنوں کی شاقہ محنتوں کا مکمل تذکرہ دفتروں میں بھی نہیں آسکتا۔ صاحبزادہ عالی شان فاضل جلیل المکانۃ والمکان حضرت مولانا مولوی مفتی شاہ محمد مصطفی رضا خاں صاحب دامت برکاتہم (صدر شعبہ تبلیغ) وحضرت فاضل اجل عالم بے بدل امام المناظرین استاذ العلماء جناب مولانا مولوی حافظ حکیم سید محمد نعیم الدین صاحب دامت برکاتہم کی جانفشانیاں اور محنتیں اور ان حضرات کے فیوض وبرکات اور سرگرم مساعی کے تذکرہ کے لیے جماعت کے پاس زبان نہیں ہے کہ ادا کرسکے، انہیں کی ہمت و

برکت تھی کہ جماعت کو ہر معرکہ اور ہر موقع میں امید سے زیادہ کامیابیاں نصیب ہوئیں، ہم نہ تو ان کے اس احسان کو فراموش کر سکتے ہیں اور نہ ہی ان کے شکریہ سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں جو تکلیفیں انہوں نے اٹھائی ہیں اور جو محنتیں برداشت کی ہیں، ان کے نقوش ہمارے سینوں سے کبھی محو نہیں ہو سکتے ہیں''۔

(اخبار دبدبہ سکندری، مجریہ یکم مارچ ۱۹۲۶ء)

مراد آباد میں مفتی اعظم کا بے مثال استقبال:

حضرت صدر الافاضل کی نگاہ میں مفتی اعظم ہند کی وقعت و رفعت کس قدر تھی یہ تو سرکار صدر الافاضل ہی جانیں مگر زمانے کی نگاہوں نے جو دیکھا تو یہی پایا کہ مفتی اعظم ہند آپ کے نزدیک انتہائی محترم و مکرم تھے۔ ایک نظارہ اس وقت بھی ظاہر ہوا جب لاہور کے ایک مناظرہ سے لوٹتے ہوئے مفتی اعظم مراد آباد سے گزرے تو حضرت صدر الافاضل نے انتہائی تزک و احتشام کے ساتھ آپ کا خیر مقدم کیا۔ خیر مقدم کا انداز کیا تھا، اس کے بارے میں السواد الاعظم کی یہ رپورٹ ملاحظہ فرمائیں:

سرکار مفتی اعظم ہند اور حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں علیہما الرحمہ پنجاب کے مناظرے سے واپس لوٹ رہے تھے۔ پنجاب سے آنے والی فیروز پور ایکسپریس گاڑی مراد آباد ہو کر بریلی جاتی ہے۔ اس لیے صدر الافاضل نے درخواست کی کہ شہزادگان اعلیٰ حضرت مراد آباد میں ہو کر جائیں۔ صدر الافاضل کی یہ دعوت قبول کی گئی، اب آگے کا حال خود رپورٹ کنندہ کی زبانی سنیے:

''۹ فروری کو شب کے دس بجے تار سے اطلاع دی گئی کہ حضرت ممدوح صبح سات بجے پنجاب میل سے رونق افروز ہوں گے۔ موسم سرما میں ۱۰ بجے شب لوگ سو جاتے ہیں کسی کو اطلاع دینے اور خبر کے کا موقع بھی نہ تھا لیکن باوجود اس کے صبح کو میل کے پہنچنے کے وقت مسلمانوں کی کثیر تعداد جس میں عمائد و علما اور ہر طبقہ کے مسلمان تھے، اسٹیشن پر موجود تھی۔ والنٹیر وں (رضا کاروں) کی ایک جماعت جھنڈیاں لیے ہوئے منشی شوکت حسین صاحب کی سرکردگی میں صف بستہ تھی۔ مجمع دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ بڑے اہتمام بلیغ سے

حضرت کی تشریف آوری کا اعلان کیا گیا ہے۔ گاڑی آئی اور حضرت حجۃ الاسلام اور آپ کے برادر حقیقی مفتی ہند مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں صاحب دام مجدہ اور جناب مولانا مولوی عبدالحق صاحب رئیس پیلی بھیت رونق افروز ہوئے۔ مرحبا کی صداؤں اور تکبیر کے نعروں سے فضا گونج اٹھی۔ پھول نثار کیے گئے اور موٹروں میں آپ کا جلوس اسٹیشن سے روانہ ہو کر بازار شاہی مسجد اور منڈی چوک سے گزرتا ہوا مدرسہ عالیہ اہل سنت و جماعت مرادآباد (جامعہ نعیمیہ) میں پہنچا۔ موٹر آراستہ کیے گئے تھے۔ راستے میں جابجا مدحیہ نظمیں خوش آوازی سے پڑھی جارہی تھیں۔ لوگ پھول برساتے تھے، عطر اور پان پیش کرتے تھے۔ ہجوم کثیر تھا بڑے شان و شکوہ کے ساتھ حضرت کی سواری مدرسے میں پہنچی۔ تمام مجمع بیٹھ گیا اور حضرت صدر الافاضل مولانا مولوی حافظ حکیم محمد نعیم الدین صاحب دامت برکاتہم نے مسلمانان مرادآباد کی جانب سے حضرت حجۃ الاسلام اور ان کے برادر حضرت مفتی ہند کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا اور آپ کی دینی خدمات اور حمایت ملت کے کارناموں کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ کے طول حیات و کثرت فیوض و برکات کی دعا کی"۔

(ماہنامہ السواد الاعظم مرادآباد، مجریہ ربیع الاول و جمادی الاول ۱۳۵۲ھ)

استقبال کے جشن کو اپنی چشم تصور میں لائیں اور پھر سوچیں کہ دوطرفہ دیوانوں کی قطاریں، پھولوں کی بارش، مدحیہ نظمیں، استقبالی جھنڈے، نعروں کی گونج، نذریں پیش کرنا اور شہر کے سب سے اہم علاقوں میں اس جلوس کو نکالنے جیسا بڑا اہتمام ہر کس و ناکس کے لیے نہیں کیا جاتا یقیناً حضرت مفتی اعظم ہند اور حجۃ الاسلام سے صدر الافاضل کو ایک خصوصی تعلق اور لگاؤ تھا۔ اسی لیے آپ نے اس شان و شوکت کے ساتھ جلوس نکال کر اپنی بے پایاں محبتوں کا شاندار نمونہ پیش کیا۔

یہاں صدر الافاضل کے عقیدت مندوں کی دانش مندی کا بھی پتا چلتا ہے۔ ظاہر سی بات ہے کہ صدر الافاضل کو اعلان کا موقع نہیں ملا مگر! آپ کی بارگاہ کے حاضر باش یقیناً آپ کے مزاج شناس تھے، اس لیے انہیں اعلان کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئی اور انہوں نے اپنے آقائے نعمت صدر الافاضل کے مزاج کو پہچان کر از خود ہی لوگوں کو اطلاع کر دی

اور نمازِ فجر پڑھتے ہی دیوانوں کا ہجوم مراد آباد کے اسٹیشن پر جمع ہو گیا اور اہل مراد آباد کے اس مزاج کا بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے علماء و مشائخ کی بارگاہوں میں شروع ہی سے مؤدب، نذریں پیش کرنے اور محبت کرنے والے واقع ہوئے ہیں۔ اسٹیشن سے جامعہ نعیمیہ کا فاصلہ قریب دو کلو میٹر ہے، مگر یہ اہل مراد آباد کا مذہبی جوش ہی تھا کہ کڑاکے کی سردی میں اپنے معزز مہمانوں کو اہلاً و سہلاً مرحبا کی صداؤں میں بڑی شان و شوکت کے ساتھ لاتے ہیں۔

حضور مفتی اعظم ہند اور امام الہند فخر الاماثل حضرت صدر الافاضل علیہما الرحمہ کی حیات مبارکہ کی یہ چند گھڑیاں تھیں جو آپ کی نگاہوں سے گزری۔ جن پر محبت و خلوص اور ایثار و وفا کا رنگ حسین چڑھا ہے۔ وقت نے مہلت دی تو اس موضوع پر ان شاء اللہ مزید تاریخی شہادتیں پیش کروں گا۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے اکابر کے ان معمولات کو دیکھ کر سبق حاصل کریں اور آپسی تعلقات کی نوعیت ایسے ہی رکھیں جیسے ہمارے بزرگوں کے مابین تھی۔ اگر ہم اس پر عمل کرنے میں کامیاب رہتے ہیں تو یقین جانیں، ایک شاندار مستقبل ہمارا منتظر ہے۔

(بشکریہ: ماہنامہ معارف رضا کراچی، فروری ۲۰۱۵ء، ص ۳۳-۳۵)

❋❋❋

بحر العلوم، امام المنثور والمنظوم
قدوۃ اصحاب تحقیق وعمدۃ ارباب تدقیق
اُستاذ الاساتذہ استاذ الکل حضرت مولانا الحاج المولوی

شاہ سیّد محمد گل قادری کابلی علیہ الرحمۃ

تحریر: خلیل احمد رانا

بحر العلوم، امام المنثور والمنظوم، قدوۂ اصحاب تحقیق وعمدۂ ارباب تدقیق، اُستاذ الاساتذہ استاذ الکل حضرت مولانا الحاج المولوی شاہ سیّد محمد گل قادری ولایتی (۱) ابن سیّد احمد خان کابلی ۱۲۸۵ء میں (کابل، افغانستان) میں پیدا ہوئے۔

علوم کی تحصیل وتکمیل

علوم معقولات آپ نے مولوی محمد مشک عالم سے پڑھے۔ علم ہندسہ مولوی محمد نصر اللہ صاحب غزنوی سے حاصل کیا اور علم عروض وقوافی، رمل، نجوم، فقہ، حدیث، تفسیر، کلام، اصول وغیرہ مختلف ممالک میں اساتذہ کرام سے اخذ کیے اور علم ادب، نظم ونثر وبلاغت مولوی فیض الحسن صاحب سہارن پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۲) سابق پروفیسر شعبہ عربی اورینٹل کالج لاہور (متوفی ۱۳۰۴ھ) سے حاصل کیا (۳) اور مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ (۴) متوفی ۱۳۳۰ھ ۱۸۹۵ء) کے بھی شاگرد رہے۔ (۵) حدیث وتفسیر کی سند واجازت شیخ العلماء علامہ شیخ احمد بن زینی دحلان مکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (۶) متوفی ۱۳۰۴ھ

(۱۸۸۶ھ مدفون مدینہ منورہ) سے حاصل کی۔ فقہ اور اُصول فقہ زیادہ تر اپنی ہی ولایت (وطن) میں پڑھا۔ علم اُصول حدیث حضرت شیخ محمد مکی کتبی رحمۃ اللہ علیہ (۷) (متوفی ۱۳۲۳ھ) سے پڑھا۔ (۸)

آپ کا سلسلہ حدیث

صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری مہتمم جامعہ حنیفہ فرید، بصیر پور ضلع اوکاڑا لکھتے ہیں۔

''حضرت شاہ محمد گل نے شیخ محمد مکی کتبی خلوتی علیہ الرحمۃ سے حدیث، تفسیر، فقہ اور دیگر علوم اسلامیہ کے علاوہ اُردو وظائف، مسلسلات اور کلمہ طیبہ کی سند واجازت حاصل کی۔ یہ تمام اسناد مطبوعہ ثبت نعیمی میں محفوظ ہیں۔ (۹)

علم حدیث کی سند شیخ محمد حسین مکی (کتبی) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۳۸۰۔ ۱۸۶۳ھ) سے بھی حاصل کی۔ (۱۰)

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب (کراچی) لکھتے ہیں۔

''آپ کا سلسلہ حدیث براہ راست حجاز مقدس سے مربوط ہے۔ برصغیر پاک وہند کے دوسرے سلاسل حدیث کے مقابلے میں آپ کو یہ خصوصی امتیاز حاصل ہے۔ (۱۱)

مرادآباد تشریف آوری

علوم کی تحصیل وتکمیل، حج بیت اللہ، مدینہ طیبہ اور دیگر مقامات کی زیارت سے مشرف ہوکر سیر وسیاحت پر مائل ہوئے اور جانب ہندوستان تشریف لائے۔ ۱۲۸۵ء میں مرادآباد تشریف لائے اور مدرسہ امدادیہ کے مدرس مقرر ہوئے (۱۲) بعدازاں اسی مدرسہ کے مہتمم ہوگئے۔ (یہ مدرسہ سرسید احمد خان کے مخالف ڈپٹی امداد علی نے قائم کیا تھا) (۱۳) آپ کی صحیح مہر کی عبارت یہ ہے:

''شگفتہ محمد گل بے نظیر'' (۱۴)

دینی خدمات

مرزا نصیر الدین محمد نبیرہ مولوی عبدالقادر خان (متوفی ۱۹۰۹ء میں مدفون مرادآباد)

نے ۱۳۱۷ھ۔ ۱۹۰۰ء میں مرادآباد (صوبہ اُتر پردیش، بھارت) کے حالات قلم بند کیے۔ مدرسہ امدادیہ کے متعلق علمائے مرادآباد کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

"مولوی محمد گل مدرسہ اسلامیہ امدادیہ کے مہتمم اور کابل کے رہنے والے ہیں، ان کی ذات فائز البرکات سے مدرسہ اسلامیہ مرادآباد کی رونق وترقی ہے۔ عالم باعمل اور علماء کی جماعت میں بے مثال وبے بدل ہیں، ان کے فیوضات کی بدولت ہر سال مجمع علماء میں چار پانچ آدمی (فارغ التحصیل طلبہ) دستار فضیلت اور خلعت استغناء وقابلیت سے مشرف ہوئے۔ مولوی محمد گل کا مزاج درویشانہ ہے۔ ریاست رام پور اور دوسرے مسلمانوں سے مدرسہ کی امداد کے لیے جو کچھ ملتا ہے، نہایت امانت اور دیانت سے مدرسہ کے کام میں جب جب خرچ کردیتے ہیں، خدا اور رسول ﷺ کے بعد بزرگان دین اور اولیائے کاملین کے آثار کو عظمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ خیرات، طعام، مسکین، تقسیم شیرینی حلوا برائے ثواب رسانی میت یا اروح بزرگان کو اچھا سمجھتے ہیں اور اہل حدیث کی طرح کفر وبدعت نہیں کہتے ہیں۔ بہت صاف دل اور غیر متعصب ہیں، یگانہ وبے گانہ کی رعایت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہیں، تقلید کے حامی ہیں، غیر مقلدوں کو اپنا مخالف سمجھتے ہیں اور صوفی بھی نہیں ہیں کہ ان کو بربط وطنبور ونغمہ وغزل پر حال آئے۔ اس قسم افعال کو مذموم بنا شروع اور بدعت سمجھتے ہیں۔ (۱۵)

صدرالافاضل کی حاضری اور درس نظامی کی تکمیل

حضرت صدرالافاضل مولانا مفتی حکیم سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ (۱۶) (متوفی ۱۳۶۷ھ۔ ۱۹۴۸ء) جب اپنے والد ماجد مولانا معین الدین نزہت علیہ الرحمۃ (۱۷) (متوفی ۱۳۲۹ھ۔ ۱۹۲۱ء) اور مولانا حکیم ابوالفضل فضل احمد امروہوی علیہ الرحمۃ (۱۸) سے ابتدائی کتابیں پڑھ چکے تو مولانا ابوالفضل صاحب علیہ الرحمہ، حضرت صدرالافاضل کو (اسی مدرسہ امدادیہ میں) جامع معقول ومنقول، حاویٔ فروع واُصول، شیخ الکل حضرت مولانا سید محمد گل صاحب قدس سرہ العزیز کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یہ صاحبزادہ

نہایت ذکی وفہیم، صاحب فہم و مستقیم ہیں (درس نظامی کی کتاب) ''ملاحسن'' تک پڑھ چکے ہیں، میری یہ خواہش ہے کہ بقیہ درس نظامی کی حضرت سے تکمیل کرے، حضرت نے قبول فرمایا۔ حضرت صدر الافاضل نے منطق، فلسفہ، اوقلیدس اور دورۂ حدیث کی تکمیل حضرت مولانا محمد گل صاحب سے فرمائی۔ صرف انیس سال کی عمر میں تمام فتوحات و دینیات سے فراغت پائی۔ ایک سال مشق فتویٰ نویسی و روایت کشی کی مشق فرمائی۔ ۱۳۲۰ھ میں بیس سال کی عمر میں دستار بندی ہوئی، مدرسہ امداد میں نہایت تزک واحتشام سے جلسہ منعقد ہوا۔[19]

علمائے اہل سنت مولانا شاہ محمد گل کو اپنے مدارس کی سالانہ تقریبات میں مدعو کرتے تھے۔ مولانا سید محمد حسین سید پوری بدایونی (متوفی ۱۹۱۸ء) لکھتے ہیں:

''میں نے ۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۵ھ کو بمقام ''آنولہ'' (ضلع بریلی) میں تقریب جلسہ دستار بندی میں مولانا شاہ محمد گل قادری (علیہ الرحمہ) سے ملاقات کی''۔[20]

سلسلہ قادریہ میں شرف بیعت

حضرت مولانا محمد گل کابلی مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، سلسلہ قادریہ میں حضرت شیخ محمد مکی کتبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۱۸۶۳ء۔۱۹۰۵ء) سے صاحب اجازت تھے۔

حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین علیہ الرحمہ کے آپ سے بیعت ہونے کا واقعہ یوں ہے کہ حضرت صدر الافاضل جب بیعت ہونے کی جستجو میں پیلی بھیت (یوپی، بھارت) میں حضرت شاہ جی محمد شیر میاں رحمۃ اللہ علیہ[21] (متوفی ۱۳۲۴ھ) کی خدمت میں حاضر ہوئے تو شاہ جی میاں صاحب بڑی محبت وکرم سے پیش آئے اور فرمایا:

''میاں! مرادآباد میں مولانا محمد گل صاحب بڑی اچھی صورت ہیں، میں مرادآباد جاتا ہوں تو ان کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں، آپ جس ارادہ سے آئے ہیں، آپ کا حصہ وہیں ہے''۔

حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ مرادآباد واپس آئے تو حضرت مولانا محمد گل صاحب علیہ لرحمۃ نے فرمایا:

''شاہ جی میاں کے ہاں ہو آئے ہو، اچھا پرسوں جمعہ ہے، نماز فجر کے بعد آیئے تو آپ کا جو حصہ ہے، عطا کیا جائے گا''۔

تیسرے روز جمعہ کو بعد نماز فجر حضرت مولانا محمد گل صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو قادری سلسلہ میں بیعت فرمایا۔ (۲۲)

مولانا سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کا سلسلہ روایت و اجازت مولانا شاہ محمد گل کابلی مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے واسطہ سے شیخ محمد مکی کتبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ملتا ہے، انہوں نے آپ کا قادری شجرۂ طریقت مکمل اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ (۲۳)

دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع اوکاڑا (پاکستان) کے موجودہ سرپرست مولانا مفتی صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری مدظلہ العالی جن سلاسل صوفیہ میں مجاز ہیں ان میں قادری سلسلہ دو واسطوں سے مولانا شاہ محمد گل قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ملتا ہے چنانچہ انہوں نے آپ کا مکمل شجرۂ طریقت عربی نثر، اردو نثر، اردو نظم اور پنجابی میں اپنے دیگر شجرہ ہائے طریقت کے ساتھ یکجا شائع کیا ہے۔ مولانا شاہ محمد گل قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ان کا اتصال اس طرح ہے۔

''مولانا محمد محب اللہ نوری عن مولانا محمد نور اللہ سالموی بصیر پوری عن مولانا محمد نعیم الدین آبادری عن مولانا محمد گل کابلی مرادآبادی۔ (۲۴)

حضرت مولانا شاہ محمد گل قادری علیہ الرحمہ کی تصنیفات میں کتاب ''ذخیرۃ العقبیٰ فی استحباب مجلس میلاد مصطفیٰ ﷺ) (۲۵) دعائے برکت بر طعام ضیافت، دعائے اموات، بروز جمعرات (۲۶) اثبات المعقول بالمنقول علی رغم انف کل ظلوم و جهول اور لؤلؤ المنثور فی مدح والی رام فور وغیرہ شامل ہیں۔ (۲۷)

مولانا سیّد محمد گل قادری کابلی مرادآبادی علیہ الرحمۃ کا انتقال ۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۲ء میں مرادآباد میں ہوا۔ ''رواہ محمد گل ببستان جنتہ'' سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔ (۲۸)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ (متوفی ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) نے یہ تاریخ وفات تحریر فرمائی۔

۱۔ لیھن ضلال النجد قلة ذلته
بموت محمد گل وغیبة ھیبته

۲۔ فموت ھداة الدین فی الدین ثلمة
کما فی حدیث لاَّ انسداد لثلمته

۳۔ مرید مراد اٰبادنا لو مرادھم
و لکن مضت للدین وعدة نصرته

۴۔ فلاتفرحوا یابور موتوا بغیظکم
فلیس اله الحق مخلف وعدته

۵۔ الیس نعیم الدین عضة خلقکم
یبدد شمل الضالین بصولته

۶۔ مضی الورد ابقی الله ذا الزھرا باسماً
و دام نعیم الدین غضاً بزھرته

۷۔ یقول الرضا فی عام رحلة حبه
رَوَاحُ مُحَمَّدْ گل بِبُسْتَانِ جَنَّتِهٖ

۱۳۳۰ھ

ترجمہ:

۱۔ نجد کی ضلالت وگم راہی کو اس کی ذلت ورسوائی کا شیخ محمد گل کے وصال اور ان کی پُرہیبت شخصیت کے پس پردہ چلے جانے کے باعث کم پڑ جانا مبارک ہو۔

۲۔ کیوں کہ دین کے رہنماؤں کا وفات پا جانا دین میں ایسا رخنہ ہے کہ اس کا خلاء کبھی پُر نہیں ہوتا، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

۳۔ ہمارے مراد آباد کا ارادہ کر کے آنے والا اگر ان کی مراد ہے تو جی ہاں لیکن اس

دین حق کے لیے اس کی مدد و نصرت کا وعدہ ہو چکا ہے۔

۴۔ تو اے قوم بور یعنی تباہ و برباد اور ہلاک ہونے والے فرقہ والو! تم اپنے غیظ وغضب میں مرو، زیادہ خوشیاں نہ مناؤ کیونکہ معبود برحق اپنے وعدے کا خلاف کرنے والا نہیں ہے۔

۵۔ کیا (ان کے جانشین) نعیم الدین تمہارا اگلا کاٹنے والے نہیں ہیں؟ جو حملہ آور ہوکر اپنے قہر وسطوت سے گمراہوں کی جماعت کو منتشر کر دیتے ہیں۔

۶۔ وہ پھول چلا گیا، اللہ تعالیٰ اس کلی/شگوفے کو ہنستا مسکراتا باقی رکھے اور نعیم الدین اپنی آب وتاب کے ساتھ ہمیشہ تروتازہ رہے۔

۷۔ احمد رضا اپنے پیارے کے سالِ رحلت میں کہتا ہے "محمد گل کا اپنے باغ جنت میں جا مہکنا"۔

(ترجمہ اشعار: مولانا محمد اسد اللہ نوری)

حوالہ جات وحواشی

۱۔ گزشتہ صدی میں ولایت افغانستان سے ہجرت کر کے آنے والے علمائے کرام کے نام کے ساتھ ولایتی لکھا جاتا تھا۔

۲۔ مولانا فیض الحسن قریشی، حنفی، چشتی، سہارن پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۲۳۲ھ/ ۱۸۱۶ء میں سہارن پور (یوپی بھارت) میں پیدا ہوئے۔ مفتی صدر الدین آزردہ بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۸۶۸ء) شاہ احمد سعید مجددی دہلوی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۲۷۷)، مولانا فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۸۶۱ء) آخوان صاحب ولایتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (اخوند شیر محمد) سے اکتساب علم کیا۔ مشق سخن مولانا امام بخش صہبائی (متوفی ۱۸۵۷ء) سے کی۔ نواب مصطفیٰ خان شیفتہ (متوفی ۱۸۶۹ء)، حکیم مومن خان مومن (متوفی ۱۸۸۵ء)، استاذ ابراہیم ذوق (متوفی ۱۸۵۴ء) اور مرزا غالب (متوفی ۱۸۶۹ء) سے صحبت رہی۔ ۱۸۷۰ء میں اورینٹل کالج لاہور میں عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۸۹۹ء) کی بیعت کی تھی۔ بالالتزام دلائل الخیرات شریف پڑھتے تھے، لاہور میں جب تک رہے، ہر جمعہ کو بلاناغہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۴۶۵ھ) کی درگاہ میں بیٹھ کر دس ہزار بار درود شریف کا ورد کرتے تھے۔ عربی، فارسی اور اُردو کے بہت بڑے فاضل تھے۔ مولانا عبدالسمیع بے دل رام پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۹۰۱ء) کی مشہور کتاب ''انوار ساطعہ در بیان مولود وفاتحہ'' پر آپ کی تقریظ موجود ہے۔ بہت سی تصانیف ان کے علم وفضل کی یادگار ہیں۔ ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۴ھ ۶ فروری ۱۸۸۷ء کو لاہور میں انتقال فرمایا۔

(تفصیل کے لیے دیکھئے ''اساتذہ امیر ملت'' محمد صادق قصوری، مطبوعہ لاہور، ۱۹۹۶ء/ تذکرہ علمائے اہل سنت وجماعت لاہور'' پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء)

۳۔ مولوی سیّد محمد حسین سید پوری بدایونی (متوفی 1918ء) مظہر العلماء تلخیص پروفیسر ڈاکٹر محمد ایوب قادری، کراچی (متوفی 1983ء) مشمولہ سہ ماہی العلم کراچی، شمارہ اکتوبر

تا دسمبر ۱۹۸۱ء صفحہ ۴۹

۴۔ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ ۲۱ ررمضان المبارک ۱۲۰۸ھ/ ۲۲ اپریل ۱۷۹۴ھ کو قصبہ ملانواں ضلع ہردوئی (یوپی، بھارت) میں پیدا ہوئے۔ مولانا نورالحق فرنگی محلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۸۲۲ء) سے ابتدائی کتب درسیہ لکھنؤ میں پڑھیں۔ پھر دہلی میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے حدیث کی سند لی۔ حضرت شاہ محمد آفاق دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت کر کے اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ ۱۳۱۱ھ میں آپ کی زیارت کے لیے گئے۔

تفصیل کے لیے دیکھئے تذکرۂ مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی، ابوالحسن ندوی، مطبوعہ کراچی، ۱۹۸۵ء۔ تذکرۂ محدث سورتی، خواجہ رضی حیدر، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۱ء۔

۵۔ حاشیہ وقائع نصیر خانی، ضمیمہ علم وعمل (وقائع عبدالقادر خانی) جلد دوم، ترجمہ مولوی معین الدین افضل گڑھی، ترتیب وحواشی پروفیسر محمد ایوب قادری، مطبوعہ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی ۱۹۶۱ء صفحہ ۹۵

۶۔ علامہ شیخ سید احمد بن زینی دحلان مکی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ ۱۸۱۷ء میں شہر مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ تصنیف وتالیف، درس وتدریس اور اعلیٰ مناصب ہر اعتبار سے علماء مکہ کے سرتاج تھے۔ عرب وعجم کے لاتعداد اکابر علماء نے آپ سے استفادہ کیا۔ اور آپ سے روایت حدیث میں اسناد حاصل کیں۔ وہابیہ کے رد میں کتابیں لکھیں۔ ۱۳۰۴ھ/ ۱۸۸۶ء میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ ''الاعلام''، خیرالدین زرکلی، مطبوعہ بیروت (لبنان) ۱۹۹۹ء جلد ۱۔ صفحہ ۱۲۹۔

۷۔ شیخ سید محمد مکی کتبی بن محمد صالح کتبی بن محمد بن حسین کتبی رحیم اللہ تعالیٰ کی ولادت ۱۲۸۰ھ/ ۱۸۶۳ء، میں مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ ظاہری وباطنی علوم اپنے والد ماجد شیخ سید محمد صالح بن محمد کتبی مصری مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۲۴۵ھ/ ۱۸۳۰ء۔۔۔ ۱۲۹۵ء/ ۱۸۷۸ء سے حاصل کئے اور شیخ العلماء علامہ سید احمد بن زینی دحلان مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور شیخ سید

ابوالحسن محمد بن خلیل قاوقجی طرابلس الزہری رحمۃ اللہ سے بھی تعلیم حاصل کی۔ سلسلہ خلوتیہ اور دلائل الخیرات وغیرہ کی اجازت اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ والدہ ماجد کی وفات کے بعد شیخ مصطفیٰ بن علی مرعشی رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلہ قادریہ میں اخذ کیا۔ ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء میں مکہ مکرمہ میں وفات پائی اور قبرستان جنت المعلی میں دفن ہوئے۔

تفصیل کے لیے دیکھئے۔ ''مکہ مکرمہ کے کتبی علماء'' عبدالحق انصاری، مطبوعہ فقیہ اعظم پبلی کیشنز بصیر پور ضلع اوکاڑا ۲۰۰۳ء صفحہ ۵

۸۔ مظہر العلماء، مولوی محمد حسین سید پوری بدایونی، تلخیص پروفیسر محمد ایوب قادری، سہ ماہی العلم، کراچی، شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۸۱ء صفحہ ۴۹

۹۔ مکہ مکرمہ کے کتبی علماء، عبدالحق انصاری، مطبوعہ فقیہ اعظم پبلی کیشنز بصیر پور ضلع اوکاڑا ۲۰۰۳ء صفحہ ۵

۱۰۔ مظہر العلماء، مولوی محمد حسین سید پوری بدایونی، مشمولہ سہ ماہی العلم، کراچی، شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۸۱ء صفحہ ۴۹

۱۱۔ تحریک آزادیٔ ہند اور السواد الاعظم، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۹ء صفحہ ۴۹

۱۲۔ مظہر العلماء، مولوی محمد حسین سید پوری بدایونی سہ ماہی العلم کراچی، شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۸۱ء صفحہ ۴۹

۱۳۔ حاشیہ وقائع نصیر خانی، نصیر الدین محمد، ضمیمہ علم وعمل، جلد دوم مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء صفحہ ۹۵ (محشی پروفیسر محمد ایوب قادری)

۱۴۔ مظہر العلماء (تلخیص) مشمولہ سہ ماہی العلم کراچی شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۸۱ء صفحہ ۹۴

۱۵۔ وقائع نصیر خانی، ضمیمہ علم وعمل، جلد دوم، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء صفحہ ۹۵

۱۶۔ صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی بن مولانا معین الدین نزہت بن مولانا امین الدین راسخ بن مولانا کریم الدین آزاد، ۲۱ صفر المظفر ۱۳۰۰ھ کو مراد آباد (یوپی، بھارت) میں پیدا ہوئے۔ آٹھ سال کی عمر میں قرآن مجید کے حافظ ہوئے۔ اردو، فارسی کی

ابتدائی کتابیں والد ماجد سے پڑھیں، ملاحسن تک درس نظامی مولانا شاہ فضل احمد سے پڑھا، مولانا سید محمد گل قادری سے درس نظامی کی تکمیل کی۔ ۱۳۲۰ھ میں دستار بندی ہوئی، سلسلہ قادریہ میں حضرت شاہ محمد گل علیہ الرحمہ سے بیعت ہوئے، انہوں نے آپ کو حضرت شاہ علی حسین کچھوچھوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۳۵۵ھ) کے سپرد کیا۔ آپ سے خلافت واجازت حاصل کی۔

ان کے علاوہ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بھی خلافت واجازت تھی۔ ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء میں مراد آباد میں مدرسہ انجمن اہل سنت و جماعت کی بنیاد رکھی، بعد میں ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۲ء میں اس مدرسہ کا نام جامعہ نعیمیہ قرار پایا۔ بیس سے زائد کتب ورسائل تصنیف کئے۔ ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۶۷ھ/ ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۸ء کو مراد آباد میں وفات پائی۔

تفصیل کے لیے دیکھیے ''خلفائے اعلیٰ حضرت، مرتبین محمد صادق قصوری، پروفیسر مجید اللہ قادری، مطبوعہ کراچی ۱۹۹۲ء/ تذکرہ علمائے اہل سنت مولانا محمود احمد قادری مطبوعہ کان پور، ۱۳۹۱ھ

۱۷۔ اُستاذ الشعراء مولانا سید محمد معین الدین نزہت رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲۵۹ھ کو مراد آباد (یوپی، بھارت) میں پیدا ہوئے۔ آپ پرانی وضع کے مقدس اور بزرگ شخصیت تھے۔ آپ ملک الشعراء نواب مہدی علی خان ذکی مراد آبادی (متوفی ۱۲۸۱ھ/ ۱۸۶۴ء) کے ارشد تلامذہ میں تھے۔

ذکی کے شاگردوں میں مولانا کفایت علی کافی شہید (متوفی ۱۸۵۸ء) مولانا محمد حسین تمنا مراد آباد (متوفی ۱۳۱۷ھ/ ۱۹۰۰ء) نواب شیر علی خاں تنہا بہت مشہور ہیں۔ حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ ہی کے فرزند ہیں۔ حضرت صدر الافاضل نے جب دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی تو آپ نے دستار بندی کی تاریخ تحریر فرمائی:

ہے میرے پسر کو طلباء پر وہ تفضل
سیاروں میں رکھا ہے جو مریخ فضیلت

نزہت نعیم الدین کو یہ کہہ کے سنا دے
دستار فضیلت کی ہے تاریخ ''فضیلت''
۱۳۲۰ھ

آپ کے ہزاروں شاگرد ہوئے۔ اسی سال کی عمر میں چار دن بخار میں مبتلا رہ کر نفی اثبات کا ذکر کرتے ہوئے جمعہ مبارک کے دن ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء کو مراد آباد میں وصال فرمایا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز جن دنوں بھوالی (ضلع نینی تال) میں بہ سبب علالت قیام پذیر تھے، مولانا سید محمد معین الدین نزہت رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پر ملال کی خبر جب کوہ بھوالی پہنچی تو آپ نے فوراً حسب ذیل مکتوب گرامی صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام تعزیت میں ارسال فرمایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

نحمدہ ونصلی علیہ رسولہ الکریم

مولانا المبجل المکرم ذی المجد والکرم

حامی السنن ماحی الفتن جعل کاسمہ نعیم الدین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ان للہ ما اخذ و ما اعطی وکل شئ عندہ باجل مسمی انما یوفی الصبرون اجرھم بغیر حساب. وانما المحروم من حرم الثواب غفر اللہ لمولانا معین الدین. ورفع کتابہ فی علیین. وبیض وجہہ یوم الدین. والحقہ بنبیہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ وبارک وسلم علیہ وعلی آلہ وازواجہ اجمعین واجمل صبرکم واجزل اجرکم وجبر کسرکم ورفع قدرکم. آمین

یہ پُر ملال کارڈ روز عید آیا، میں نماز پڑھنے نینی تال گیا ہوا تھا، شب کو بے خواب رہا تھا اور دن کو بے خور وخواب اور آتے جاتے ڈانڈی میں چودہ میل کا سفر، دوسرے دن بعد نماز صبح سو رہا، سو کر اٹھا تو یہ کارڈ پایا، اسی وقت یہ تاریخیں خیال میں آئیں، ایک بے تکلف قرآن عظیم سے اور ان شاء اللہ فال حسن ہے، دوسری حسب فرمائش سامی فارسی

میں، مگر دو شعر کے لیے فرمایا تھا، یہ پانچ ہو گئے اور مادے میں ایک تخرجہ کرنا ہوا، جس کا میں عادی نہیں، مگر اس میں کوئی لفظ قابل تبدیل نہ تھا، لہٰذا یوں ہی رکھا اور اسی روز سے مولانا مرحوم کا نام تا بقائے حیات ان شاء اللہ تعالیٰ روزانہ ایصال ثواب کے لیے داخل وظیفہ کرلیا، وہ ان شاء اللہ تعالیٰ بہت اچھے گئے، مگر دنیا میں ان سے ملنے کی حسرت رہ گئی، مولیٰ تعالیٰ آخرت میں زیر لوائے سرکار غوثیت ملائے۔ آمین اللھم آمین۔

تاریخ از قرآن عظیم: رزق ربک خیر (۱۳۳۹ھ)

دیگر

یک شہادت وفات در رمضان	مرگِ جمعہ شہادتِ دگر است
مرض تپ شہادت سومیں	ہر ہر سہ شہادتِ خبر است
در مزار ست چشم وا یعنی	پئے دیدار یار منتظر است
مردہ ہرگز نہ معین الدین	کہ ترا چوں نعیمِ دیں پسر است

از رضا سال بے سر اہمال

''قرب صدق ملیک مقتدر ست''

۱۳۴۰-۱=۱۳۳۹ھ

شب عید کے بے خوابی اور دن کو بے خور و خواب اور دوہرے سفر کا پیچ و تاب، اس کے سبب کل شام تک حالت ردی رہی، میں قابل حاضری ہوتا تو سر سے چل کر مزار کی زیارت اور آپ کی تعزیت کرتا، مصطفیٰ رضا کل بریلی گئے، میں نے کہہ دیا ہے کہ تعزیت کے لیے حاضر خدمت ہوں، کل شام تک طبیعت کی بہت غیر حالت نے اس نیاز نامہ میں تعویق کی اور آج اتوار تھا، لفافہ نہ مل سکتا تھا، اب حاضر کرتا ہوں۔

والسلام مع الاکرام، سب احباب کو سلام

فقیر احمد رضا

شب پنجم، شوال مکرم ۱۳۳۹ھ، از بھوالی

حیات صدر الافاضل ، از مولانا مفتی حکیم سیّد غلام معین الدین نعیمی مراد آبادی (متوفی ۱۹۷۱ء) مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۷ء، صفحہ ۲، ۳، ۴، ۱۷، تا ۱۷۶، ماہ نامہ جہان رضا، لاہور، شمارہ جنوری ۱۹۹۸ء۔

۱۸......حضرت مولانا حکیم ابوالفضلی احمد امروہوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایسے مقدس بزرگ تھے کہ بیس سال مسجد چوکی حسن خاں مراد آباد کے حجرہ میں قیام فرمایا، وہیں مطب فرماتے تھے، ایسے مہذب کہ آسمان کی طرف نظر اٹھانا تو کیا معنی کسی سے نظر ملا کر بھی کلام نہ فرماتے، ہمیشہ نگاہ نیچی رہتی، تمام محلہ حضرت کے تقوے اور پرہیزگاری کا معتقد تھا۔ نعت شریف سے عشق تھا۔ ہر جمعہ کو بعد نماز جمعہ مسجد چوکی حسن خاں میں نعت شریف کی محفل ہوتی، جس میں امیر و غریب تمام لوگ شرکت کرتے، نعت کا یہ جلسہ ابھی تک جاری ہے اور نعت خواں اب بھی بعد نماز جمعہ یہاں آکر نعت شریف پڑھتے ہیں۔

''حیات صدر الافاضل'' مولانا مفتی حکیم سیّد غلام معین الدین نعیمی مراد آبادی (متوفی ۱۹۷۱ء) مطبوعہ لاہور ۱۹۶۷ء، صفحہ ۵

۱۹......حیات صدر الافاضل، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۷ء، صفحہ ۵

۲۰......مظہر العلماء سہ ماہی العلم، کراچی، شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۸۱ء، صفحہ ۴۹

۲۱......حضرت شاہ جی محمد شیر میاں پیلی بھیتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۲۲۰ھ/ ۱۸۰۵ء کو پیلی بھیت (یو پی، بھارت) کے محلہ منیر خاں میں پیدا ہوئے۔ ۱۲۴۰ھ میں حضرت سیّد احمد علی شاہ رام پوری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۲۶۶ھ/ ۱۸۴۹ء) سے بیعت ہوئے۔ پیلی بھیت کی سرزمین پر جو عارفان کامل صاحبان کشف و کرامات گزرے ہیں، ان میں حضرت شاہ محمد شیر میاں پیلی بھیتی کو شہرت دوام حاصل ہے۔ آپ کا وصال ۵ ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ کو ہوا۔ تفصیل کے لیے دیکھئے ''تذکرہ محدث سورتی'' خواجہ رضی حیدر، مطبوعہ کراچی، ۱۹۸۱ء

۲۲......حیات صدر الافاضل، مطبوعہ لاہور، صفحہ ۷

۲۳......مکہ مکرمہ کے کتبی علماء، عبدالحق انصاری، مطبوعہ بصیر پور ضلع اوکاڑا، صفحہ ۳۶

۲۴......ایضاً

۲۵......ڈاکٹر محمد مسعود احمد لکھتے ہیں:

''فاضل ممدوح کے عشق و محبت اور علمیت و فقاہت کی ایک جھلک ان کی تالیف ''ذخیرۃ العقبیٰ فی استحباب مجلس میلاد مصطفیٰ'' مطبوعہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء میں نظر آتی ہے''۔

[تحریک آزادیٔ ہند اور السواد الاعظم، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۹ء، صفحہ ۴۹]

۲۶......ایک مرتبہ برقی پریس مراد آباد انڈیا میں چھپی اور دوسری مرتبہ ۲۰۰۲ء میں ادارہ ضیاء السنۃ جامع مسجد شاہ سلطان کالونی، ریلوے روڈ ملتان سے شائع ہوئی۔

۲۷......مظہر العلماء، ماہی العلم، کراچی، شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۸۱ء، صفحہ ۴۹

۲۸......وقائع تصیر خانی، ضمیمہ علم و عمل، مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۱ء، صفحہ ۴۹

۲۹......ماہ نامہ پاسبان، الٰہ آباد، یوپی، بھارت، امام احمد رضا نمبر، شمارہ مئی، جون ۱۹۶۲ء، مطبوعہ بار دوم، رضا اکیڈمی، لاہور ۲۰۰۱ء، صفحہ ۱۶۵

***

وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ

اور (اے محمد ﷺ) ہم نے تم کو تمام جہان کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

ہذہ الشجرۃ اصلہا اصیل و فرعہا تبیل

حضرت صدرالافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت مولانا شاہ سیّد محمد گل کابلی ولایتی رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے شجرۂ طریقت۔۔۔

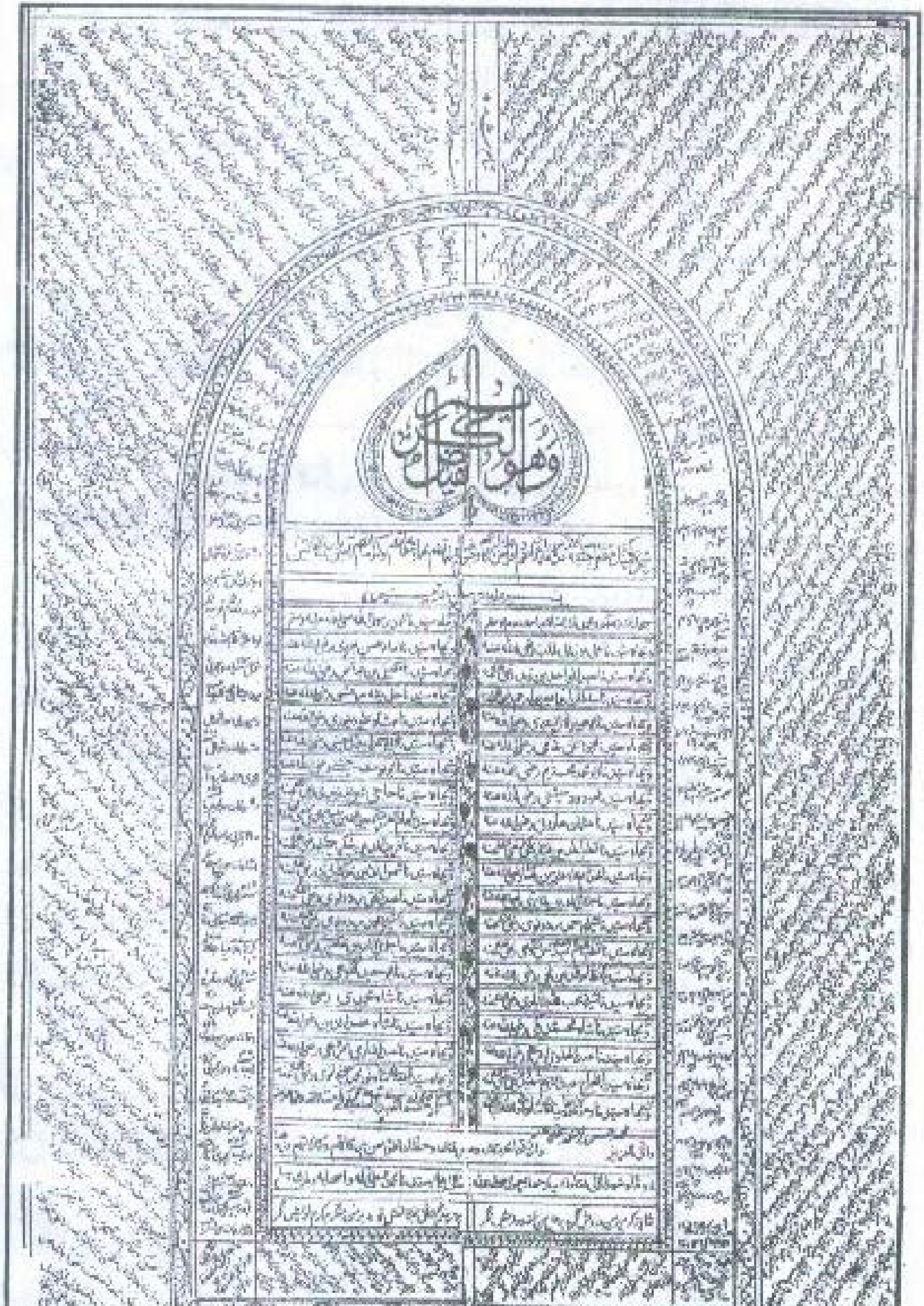
بسم اللہ الرحمن الرحیم

بسم اللہ خیر الاسمآء رب السمآء بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شیئی فی الارض ولا فی السمآء وھو السمیع العلیم ھذہ الشجرۃ اصلھا اصیل و فرعھا تبیل و حاملھا رجل جلیل نسئل اللہ ان یرزقہ الاستقامۃ بحرمۃ سیدنا محمد الشفیع یوم القیامۃ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وصحبہ اجمعین الحمد للہ فاتح اقفال القلوب بذکرہ و کاشف استار الغیوب بسرہ و رافع الاعلام و زیادۃ المقام بشکرہ و صل وسلم علی سیدنا محمد افضل الانبیاء و المرسلین و علی الہ واصحابہ المھاجرین اما بعد فیقول العبد الحقیر المعتصم بذیل سیّد الرسل محمد گل قد اجزت و خلفت الفاضل الکامل مولا السیّد محمد نعیم الدین ابن المولانا محمد معین الدین المراد آبادی البتہ فرقۃ الخلافۃ و امرتہ بکلمۃ التوحید و اجزت من المؤمنین الصالحین مولانا السید محمد الکتبی الخلوتی عن رکنیتھا ابوالفضل الشیخ مصطفیٰ افندی ابن علی المرعشی الحافظ رئیس الائمہ بالمقام الحنفی بمکۃ المکرمۃ زادھا اللہ تشریفاً عن شیخہ السید مہمان خواجہ ابن السید الیشان خواجہ اتمسکانی عن شیخہ السید عبد اللہ عن شیخہ و ابن عمہ السید علی عن شیخہ السید یحییٰ عن شیخہ السید ابی بکر عن شیخہ السید اسمٰعیل عن شیخہ السید عبد الوھاب عن شیخہ السید نور الدین عن شیخہ السید محمد درویش عن شیخہ السید حسام الدین و عن شیخہ السید نور الدین عن شیخہ السید ولی الدین عن شیخہ السید زین الدین عن شیخہ السید شرف الدین عن شیخہ السید شمس الدین عن شیخہ السید محمد الساک عن شیخہ السید عبد العزیز عن شیخہ

وابیہ سید السادات مجمع الفضل و الجود و البرکات نور الشمسین و القمرین سید الثقلین حضرت جناب سید محی الدین عبد القادر الجیلانی قدس اللہ اسرارھم عن شیخہ حسن العکاری عن شیخہ ابی الفرح عن شیخہ عبد الواحد تمیم عن شیخہ ابوبکر الشبلی عن شیخہ الجنید البغدادی عن شیخہ السری السقطی عن شیخہ معروف الکرخی عن شیخہ ابی الحسن الامام علی ابن موسٰی الرضا عن شیخہ الامام موسٰی الکاظم عن شیخہ الامام جعفر الصادق عن شیخہ الامام محمد الباقر عن شیخہ الامام زین العابدین عن شیخہ و والدہ سید شباب اھل الجنۃ و قرۃ عین اھل السنۃ الامام الحسین رضی اللہ عنھم عن شیخہ و ابیہ مظھر العجائب والغرائب امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ و کرم اللہ وجھہ. قال حدثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال حدثنی جبرائیل علیہ السلام قال سمعت رب العزۃ یقول لا الہ الا اللہ حصنی لمن قالھا ادخل فی حصنی و من دخل فی حصنی آمن من عذابی و بالسند المتقدم الی الشیخ معروف کرخی عن شیخہ داؤد الطائی عن شیخہ حبیب العجمی عن شیخہ الشیخ الحسن البصری عن شیخہ امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجھہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن جبرائیل علیہ السلام عن رب العزۃ رب العالمین تعلموا کلمۃ التوحید و امرنا بتلاوتھا و تعلیمھا عقب کل فریضۃ مأتہ و خمسۃ وستین مرۃ قال اللہ تبارک و تعالٰی ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ فوق ایدیھم فمن نکث فانما ینکث علی نفسہ ومن اوفٰی بما عاھد علیہ اللہ فسیوتیہ اجرا عظیما. اللھم وفقہ الصالح الاعمال والا ذکار بحرمۃ سیدنا و مولانا محمد المختار وآلہ الابرار و اصحابہ الاخیار سید الرسل محمد گل المدرس فی المدرسۃ الامدادیہ عفی عنہ ما کثر و قل عن الخطایا..

(شگفتہ محمد گل بے نظیر)

عکس: شجرۂ مبارکہ حضرات چشتیہ صابریہ قدس اللہ اسرارہم



عکس: سلسلہ بیعت و خلافت اور حزب البحر کی سند اجازت

سند اجازت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

حقیر فقیر امیدوار رحمت رب قدیر محمد مسعود احمد خلف حضرت شیخ المشائخ مولانا الحاج شاہ محمد کرامت اللہ خاں صاحب قدس سرہ خلیفہ حضرت عارف باللہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ العزیز جن کو حضرت امداد اللہ مکی سے چاروں خاندان چشتی، قادری، نقشبندی، سہروردی کی تحریری اجازت حاصل تھی، جو میرے پاس محفوظ ہے۔ حسن اتفاق سے اس عاجز کو ایک جماعت کثیر علماء و مشائخ کی معیت میں ذیقعدہ ۱۳۸۳ھ میں حرمین شریفین کی حاضری کا شرف نصیب ہوا۔ اس وقت مکہ معظمہ میں حضرت حاجی صاحب کے خلیفہ حضرت مولانا محمد شفیع الدین تشریف فرما تھے جو آخری خلیفہ مسند خلافت پر متمکن تھے، ان سے نیاز حاصل ہوا، مجھ پر کمال شفقت یہ معلوم کر کے کہ میں مولانا محمد کرامت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فرزند ہوں، بیعت فرمائی، دعاؤں اور کتاب حزب البحر کی مع اجازت عنایت فرمائی اور اپنے دستخط کتاب پر ثبت فرمائے یہ اجازت نامہ ۱۹ ذوالحجہ کو عطا فرمایا۔ اب اس نعمت روحانی فاضل نوجوان مولانا الحاج جمیل احمد نعیمی کرامتی جو کہ میرے خویش بھی ہیں ان کو اس کا اہل اور صاحب صلاحیت و بیدار یقین کرتے ہوئے یہ روحانی دولت ان کو تفویض کرتا ہوں، اور اجازت دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ مولا تعالیٰ ان کو مستفیض فرمائے۔

نیز مولانا موصوف جس کسی کو خواہشمند پائیں اس کو بھی اجازت دینے کے مجاز ہوں گے تاکہ یہ کرامتی امدادالٰہی فیض جاری و ساری رہے اور اہل اللہ کی روحانیت سے استفادہ ہوتا رہے۔

دعاگو

محمد مسعود احمد (خطیب دہلوی)

[illegible] - کراچی - ۲۶ صفر ۱۴۰۱ھ

عکس: تاریخی سندِ فراغ (دار العلوم مخزن عربیہ بحر العلوم)

حدثني محمد بن عبد الله بن قهزاد من اهل مرو قال سمعت عبدان بن عثمان يقول سمعت عبد الله بن المبارك يقول الاسناد من الدين ولولا الاسناد لقال من شاء ما شاء رواه مسلم في خطبة صحيحه

دار العلوم مخزن عربيه بحر العلوم [illegible]

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي وفق من شاء من عباده بالتبصرة واليقين ومن عليهم بدقة النظر في الدلائل فادركوا
بذلك [illegible] الغافلين [illegible] فحرست [illegible] من خطبهم [illegible] الهدى ايانى
على الحق والتبيين [illegible] بالاعتراف من الفوائد [illegible]
[illegible] في [illegible] بفضل [illegible] وافاض عليهم بحر الجود فبلغوا غاية المقصود وكان
بارشاد المسترشدين اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له شهادة تكون لنا ذخيرة في يوم الدين
واشهد ان سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله [illegible] الحق واليقين صلى الله عليه وعلى آله واصحابه
وسلم اولي الفصاحة والبلاغة والتبيين [illegible] واسانيد [illegible] ابو محمد [illegible]
[illegible] في مدرسة الاسلامية مخزن عربيه [illegible] لما قرأ على الاخ العزيز
[illegible] من كتب الاحاديث والتفاسير والفقه
وغيرها [illegible] ان يجيزه بما يحتوي عليه سندي من كتب الاحاديث والتفاسير والفقه وغيرها
[illegible] وليس الامر كذلك ولكن [illegible] وقضا
الله ليس له دافع [illegible] كما اجازني [illegible] سندي [illegible]
[illegible] مولانا الحاج الحكيم محمد نعيم الدين قدس سره وهو مجاز عن استاذه امام
العلماء الاعلام [illegible] الحاج المولوي محمد [illegible] قدس الله تعالى سره وقد
[illegible] وهو مجاز عن استاذه المرحوم [illegible] في الحرمين الشريفين زاد الله شرفهما
خاتمة المحققين السيد محمد [illegible] الخطيب المدرس في المسجد الحرام وهو مجاز عن والده المرحوم
خاتمة المحققين السيد محمد [illegible] الخطيب والامام والمدرس بالمسجد الحرام وهو مجاز عن والده مفتي
[illegible] السيد محمد بن حسين [illegible] رحمه الله [illegible] وهو مجاز [illegible] عن استاذه
خاتمة المحققين مولانا المرحوم السيد احمد الطحطاوي الحنفي [illegible] رحمه الله
[illegible] التفصيل في اسانيده المطولة المشهورة في [illegible] العرب والعجم خصوصا [illegible] العالية
الازهرية الواقعة في [illegible] عن عبد الرحمن بن عوف قال
رسول الله صلى الله عليه وسلم [illegible] بالتقوى [illegible]
الاقوى [illegible] وأسأل الله تعالى ان ينفعني واياه [illegible]

ما تمناه بمنه وكرمه

[illegible]

عکس: اعزازی سند تنظیم المدارس (اہلسنّت) پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تنظیم المدارس (اہل السنۃ) باکستان (مسجلہ)

الرقم المسلسل ۳۸۵۶

شہادۃ العالمیۃ فی العلوم العربیۃ والاسلامیۃ

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین

نشھد بان مولانا جمیل احمد نعیمی .... ابن/بنت قادر بخش ....

وتاریخ میلادہ ۱۰ فبراکتوبر ۱۹۳۶ء ورقم التسجیل .... ۳۸۵۰ ورقم الجلوس .... ۱۶۹۷ ....

من طلاب .... مخزن العربیۃ بحر العلوم مکہ ابستی ....

قد حصل علیٰ شہادۃ العالمیۃ فی العلوم العربیۃ والاسلامیۃ

بعد اتمام الدراسۃ النہائیۃ واجتیاز الامتحان المنعقد

باشراف تنظیم المدارس لاھل السنۃ فی .... ۱۴۰۶ .... ھ الموافق .... ۱۹۸۶ .... ش

بتقدیر الممتاز مع الشرف .. وعدد درجات .... ۵۹۸/۷۰۰ .... فقط

ونسال اللہ عزوجل ان یسلک بہ سبیل العلماء العاملین

المکتب المرکزی لتنظیم المدارس
(اہل السنۃ) باکستان
بالجامعۃ النظامیۃ الرضویۃ
[illegible] لاہور

الرئیس	الامین العام	محل الاصدار
[illegible]	[illegible]	التاریخ [illegible]

روشن چراغِ ملت علمائے اہلسنت

بوئے گلِ رسالت علمائے اہلسنّت   بادِ نسیم سنت علمائے اہلسنّت

تنویر نورِ وحدت علمائے اہلسنّت   روشن چراغِ ملّت علمائے اہلسنّت

بادِ کرم کے جھونکے ابرِ کرم کے دھارے   بحرِ عطائے رحمت علمائے اہلسنّت

مہر و مہِ شریعت نورِ رہِ طریقت   سرچشمۂ عنایت علمائے اہلسنّت

ماہر اصول کے ہیں نائب رسول کے ہیں   سلطانِ ملک و ملّت علمائے اہلسنّت

شانِ جمال رحمت کانِ جلال و عظمت   کونین کی ہیں دولت علمائے اہلسنّت

سنّی کو بخشیں طاقت رضوی کو بخشیں قوت   ہیں دین کی شجاعت علمائے اہلسنّت

مقصد تمہارا اعلیٰ سب مقصدوں سے بالا   ہے مصطفیٰ کی عظمت علمائے اہلسنّت

حق کا ہے بول بالا باطل کا منہ ہے کالا   کیا خوب ہے ہدایت علمائے اہلسنّت

دے دیں نعیمی کو بھی دستِ کرم کا صدقہ
دنیا و دیں کی نعمت علمائے اہلسنّت

نتیجہ فکر: علامہ جمیل احمد نعیمی ضیائی

امام اہلسنت، مجدد دین وملت، اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کا

''اہلسنت وجماعت کے نام۔۔۔ایک عظیم پیغام''

۱...... عظیم الشان مدارس کھولے جائیں، علوم وفنون کی باقاعدہ تعلیمی سہولیات ہوں۔

۲..... طلبہ کو وظائف ملیں کہ خواہی نخواہی گرویدہ ہوں۔

۳..... مدرسوں کی بیش قرار تنخواہیں ان کی کارروائیوں پر دی جائیں کہ لالچ سے جان توڑ کر کوشش کریں۔

۴..... طبائع طلبہ کی جانچ ہو جس کے زیادہ مناسب دیکھا جائے معقول وظیفہ دے کر اس میں لگایا جائے، یوں ان میں کچھ مدرسین بنائے جائیں، کچھ واعظین، کچھ مصنفین، کچھ مناظرین، پھر تصنیف ومناظرہ میں بھی توزیع (تقسیم) ہو، کوئی کسی فن پر کوئی کسی پر۔

۵..... ان میں جو افراد تیار ہو جائیں، انھیں تنخواہیں دے کر ملک بھر میں پھیلائے جائیں کہ تحریراً، تقریراً، واعظاً اور مناظرۃً اشاعت دین ومذہب کریں۔

۶..... مذہب کی ترویج واشاعت اور بدمذہبوں کے ردّ کے لیے مصنفوں کو نذرانے دے کر مفید کتب اور رسائل تصنیف کرائے جائیں۔

۷..... تصنیف شدہ کتب اور رسائل عمدہ اور خوش خط چھاپ کر ملک میں مفت تقسیم کیے جائیں۔

۸..... شہروں شہروں آپ کے سفیر نگراں رہیں جہاں جس قسم کے واعظ یا مناظر یا تصنیف کی حاجت ہو آپ کو اطلاع دیں۔ بدمذہبوں کی سرکوبی کے لیے اپنی فوجیں میگزین رسالے وغیرہ بھیجتے رہیں۔

۹..... جو ہم میں باصلاحیت افراد موجود اور اپنی معاش میں مشغول ہیں، وظائف مقرر کر کے فارغ البال بنائے جائیں اور جس کام میں انھیں مہارت ہو لگائے جائیں۔

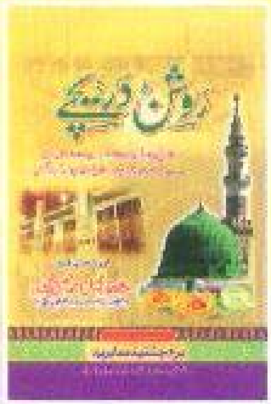
۱۰..... آپ کے مذہبی اخبار شائع ہوں اور وقتاً فوقتاً ہر قسم کے حمایت مذہب میں مضامین تمام ملک میں قیمتاً اور بلا قیمتاً روزانہ یا کم ازکم ہفتہ وار پہنچاتے رہیں۔

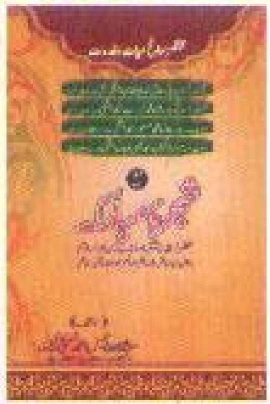
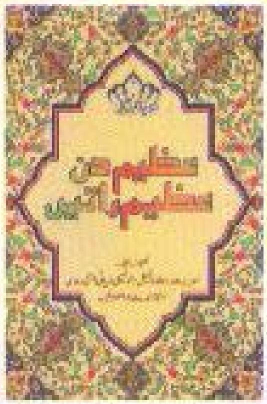
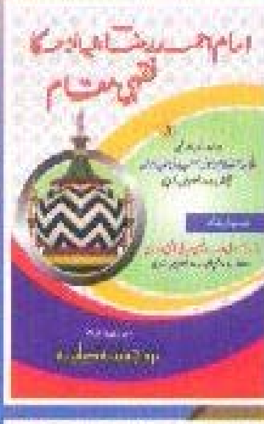
علامہ مولانا جمیل احمد نعیمی ضیائی مدظلہ العالی

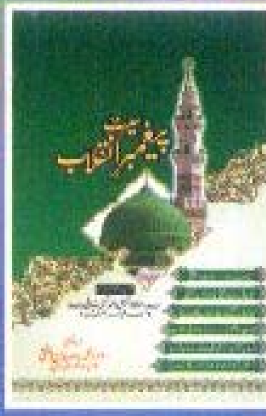
(اُستاذ الحدیث وناظم تعلیمات دار العلوم نعیمیہ، کراچی)

کی زیرِ سرپرستی

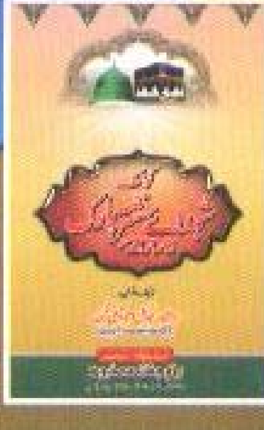
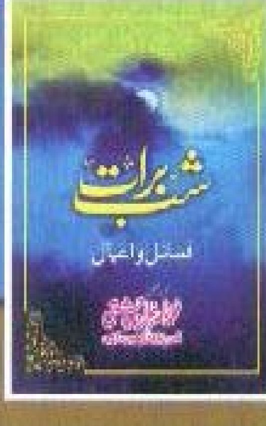
مکتبہ نعیمیہ اور بزم چشتیہ صابریہ کی مطبوعات



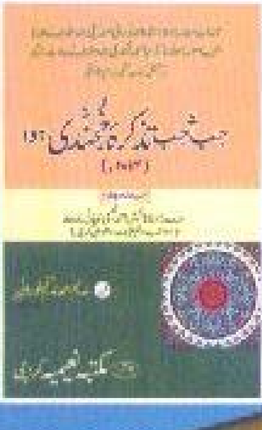













بزم چشتیہ صابریہ

دار العلوم نعیمیہ بلاک نمبر ۱۵
فیڈرل بی ایریا کراچی